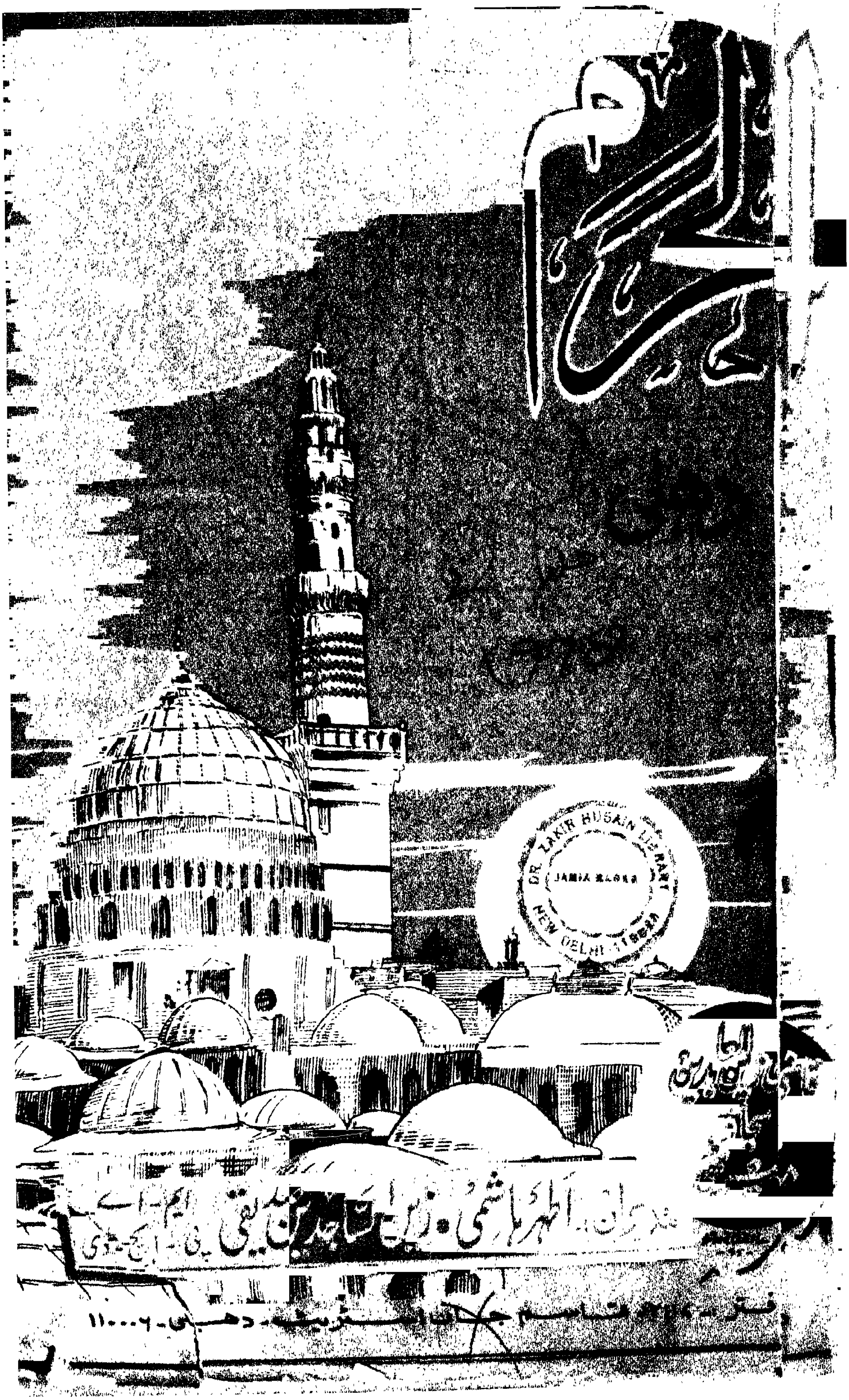

الرحیم
مدیران: اطہر ہاشمی • ڈاکٹر ساجد صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی
دہلی ۱۱۰۰۰۶
DR. ZAKIR HUSAIN LIBRARY
JAMIA MILLIA
NEW DELHI

دینی و تبلیغی ماہنامہ

الحرم
دہلی

مدیر اعلیٰ
قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
مدیران
اطہر ہاشمی - بی اے علیگ
قاضی زین الساجدین صدیقی (فاضل دیوبند)
ایم اے پی، ایچ، ڈی

چندہ سالانہ

ہندوستان	بارہ روپے
پاکستان	بیس روپے
بنگلہ دیش	چودہ روپے
فی پرچہ	سوا روپیہ

جلد ۲ | فروری ۱۹۷۸ء مطابق صفر المظفر ۱۳۹۸ھ | نمبر ۱

گذارش :- (۱) از راہِ کرم چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ بذریعہ وی پی طلب کرنے میں دو روپے مزید خرچ ہوں گے۔ (۲) اپنا پتہ صاف انگریزی اور اردو میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط میں لکھیں اور نمبر خریداری بھی لکھیں۔ (۳) ایڈیٹر سے متعلق ہر قسم کی خط و کتابت سب آفس کے پتہ پر کریں۔

جنرل منیجر :- قاضی زین الراشدین (بی - کام)

ہیڈ آفس :- ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ - دہلی - ۶
سب آفس :- قاضی منزل - قاضی اسٹریٹ - میرٹھ - ۲

قاضی زین العابدین سجاد پرنٹر و پبلشر نے الجمعیۃ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر الحرم ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقوشِ اوّلین

آپ کو یاد ہوگا، اب سے تقریباً بیس سال پہلے الحرم میرٹھ سے نکلا۔ پانچ سال تک آسمانِ دین و صحافت پر چمکتا رہا، ہند و پاک و بنگلہ دیش کے دور دراز علاقوں تک اس کی روشنی کی کرنیں پہنچیں مگر پھر ناسازگار حالات کے بادلوں میں روپوش ہوگیا۔ مدیر الحرم بھی دوسرے علمی و تعلیمی کاموں میں لگ گیا مگر اس طویل وقفے میں برابر، دلدادگانِ الحرم اس کو یاد کرتے رہے۔

فرمائشی خطوط کا تانتا لگا رہا اور اس کو دوبارہ جاری کرنے کے تقاضے ہوتے رہے۔

گذشتہ چند سالوں میں مجھے علمی و دینی و تعلیمی اجتماعات کے سلسلہ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں، بنگال، بہار، مدھیہ پردیش، ہریانہ، گجرات، بمبئی، کشمیر اور اپنی نجی ضرورت سے پاکستان کے سفر کے موقعے ملے تو ہر جگہ الحرم کے یاد کرنے والے ملتے رہے۔ مجھے اس وقت "الحرم" کی گہرائی و پذیرائی، عوام و خواص میں اس کی مقبولیت اور اس کے حلقۂ اثر کی وسعت کا اندازہ ہوا اور میں نے محسوس کیا کہ الحرم کے ذریعہ دین کی خدمت کس قدر وسیع پیمانہ پر کی جا سکتی ہے۔ اب میں جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی نظامت دینیات کی ذمہ داریوں سے بھی سبکدوش ہو چکا ہوں اور اگرچہ اب صبحِ زندگی کی شام ہو رہی ہے مگر یہ بھی سوچتا ہوں کہ شاید قبر کی شبِ تاریک میں یہی عمل میرے لئے سامانِ تابانی و درخشانی بن جائے اور میں اس فانی زندگی کی باقی ساعتوں کو اس مقدس کام میں صرف کر کے آخرت کا سروسامان کر سکوں۔

اس توقع پر اللہ کا نام لیکر، اپنی جسمانی کمزوری و ناتوانی اور علمی بے بضاعتی و بے سروسامانی کے باوجود، لرزتے ہوئے ہاتھ میں قلم اٹھا کر اس وادیِ سنگلاخ میں ڈگمگاتے ہوئے قدم رکھ رہا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا

مولائے کریم! اس ضعیف و نحیف بندہ کو اپنی نصرت و حمایت کا سہارا دیئے اس کے ناتواں جسم میں طاقت اور اس کے کمزور ارادوں میں قوت بخش، اور جس اہم خدمت کی ذمہ داری کو یہ قبول کر رہا ہے اس میں برکت عطا فرما۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ۝

زین العابدین غفرلہٗ

پیغام

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہٗ مہتمم دارالعلوم ۔ دیوبند

حضرت مولانا قاضی زین العابدین صاحب قاضی شہر میرٹھ و سابق پروفیسر دینیات جامعۂ ملیہ دہلی و رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں رسالہ "الحرم" عرصہ تک جاری رہا جو ایک علمی دینی اور اصلاحی پرچہ تھا جس سے ہزاروں ایمان والوں کو فکر و عمل کی قوۃ ملی۔ آج اوسکی تجدید کیجارہی ہے اور وہ اپنی نشاۃ ثانیہ کے ساتھ پھر اہل نظر کے سامنے آرہا ہے۔

الحرم کے لفظ میں خود ایک ذاتی عظمت اور کشش ہے یہ لقب اوّل بیت (کعبۂ مقدسہ) کا ہے جو اپنی عظمت اور کشش پر خود شاہد ہے۔ قرآن حکیم نے اوسے حَرَمًا آمِنًا کا لقب دیا اور اوسکی نسبت سے اہل حرم کی طرف لوگوں کے قلوب کی کشش کی شہادۃ دی جو دعاء ابراہیمی فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَیْهِمْ میں ذکر فرمائی گئی ہے۔

"لکل من اسمہ نصیب" کے اصول پر جس مقام یا جگہ یا نوشتہ پر بھی الحرم کا لفظ آجائیگا تو ممکن نہیں کہ اس نام کی عظمت سے قلوب گرویدگی کے ساتھ اوسکی طرف متوجہ ہوں۔ اس لئے رسالہ "الحرم" بیت اللہ کا ہم نام ہونے کیوجہ سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ دلوں کے لئے کشش اور گرویدگی کا موجب ثابت ہوگا۔ بالخصوص جبکہ قاضی صاحب ممدوح جو علاوہ عالم و فاضل ہونے کے ادیب بھی ہیں اور لغت و لسان کے سلسلے میں آپکی تصانیف قبول عام حاصل کرچکی ہیں اوسے اپنے فاضلانہ مقالات سے مزین فرماتے رہیں گے تو الحرم کی اسمی عظمت کے ساتھ اوس کی معنوی عظمت کو اور بھی چار چاند لگ جائینگے۔ اور الحرم کے ساتھ اہل الحرم کی طرف بھی قلوب کی کشش دوچند ہوجائے گی۔

اُمید ہے کہ رسالہ الحرم اپنی سابقہ حیثیت سے زیادہ بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کی فکری اور عملی قوتوں کو بیدار کرنے میں کامیاب ثابت ہوگا۔ اور اہل علم و خیر کی بصیرتوں میں غیر مختتم اضافہ کا سامان مہیا کرتا رہیگا۔ میں ان الفاظ کے ساتھ اس اصلاحی پرچہ کے ذمہ داروں کی خدمت میں ہدیۂ تبریک و تہنیت پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رسالہ یومًا فیومًا ترقی کی منزلیں طے کرتا رہے۔ آمین

(حضرت مولانا قاری) محمد طیب (صاحب)

۲ — ۲ — ۹۸

نعت شریف

صلی اللہ علیہ وسلم

از مولانا جوہر قاسمی اعظمی

نام لیا اور درد ہوا کم
دیکھ لیا اور بھول گئے غم
صلی اللہ علیہ وسلم

عرش تک ان کو یاد رہے ہم
صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم

سب کی زبانیں تیغ و سناں کی
آپ کے لب پر اسلم تسلم
صلی اللہ علیہ وسلم

بول رسیلے بات نرالی
سر سے قدم تک رحمت عالم
صلی اللہ علیہ وسلم

کون ہمارا غم جھیلے گا ؟
غنچہ و گل بھی بول اٹھے ہم
صلی اللہ علیہ وسلم

عظمت انساں خاک نہ ہوتی
آپ نے بخشا حسن دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم

حسن بھی یکتا عشق بھی کامل
دیدہ و دل اسرار کا سنگم
صلی اللہ علیہ وسلم

بت بھی خدائی چھوڑ کے آئے
صلِ علیٰ انوار کا عالم
صلی اللہ علیہ وسلم

حشر میں ہوگی نفسی نفسی
لہرائے گا آپ کا پرچم
صلی اللہ علیہ وسلم

سجدے تھے تسکین دل و جاں
آنسو جیسے پھول پہ شبنم
صلی اللہ علیہ وسلم

ان کے نقشِ قدم سے جوہر
کتنی جبینیں نورِ مجسم
صلی اللہ علیہ وسلم

جواہر الحدیث

از مدیر

عدل

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ ۲ ع)

(لوگو تم عدل اور انصاف اختیار کرو یہ بات پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے)

"عدل" کے معنی ہیں میانہ روی اختیار کرنا اور ہر معاملہ میں زیادتی اور کمی سے بچنا۔ عدل پر دنیا کا نظام قائم ہے۔ اس کا تعلق انسان کے عقیدہ، عمل، اخلاق اور معاملات سب ہی سے ہے اسلام نے عدل پر بہت زور دیا ہے، خصوصاً معاملات میں۔ البتہ "احسان" یعنی نیک سلوک کرنے کا درجہ عدل سے بلند ہے۔ فرمایا گیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل ع ۱۳) اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا اور (اس سے آگے بڑھ کر) بھلا سلوک کرنے کا۔

"عدل" کے درجہ سے گرنا ظلم کہلائے گا اور اس سے اوپر جانا احسان کہلائے گا۔ مثلاً کسی نے تمہارے ساتھ ایک نیکی کی اور تم نے بھی اس کے ساتھ ایک ہی نیکی کی تو یہ عدل کہلائے گا اور اگر تم نے اس کے ساتھ دو نیکیاں کیں تو یہ "احسان" ہوگا۔ لیکن اگر تم نے اس کے ساتھ زیادتی کی تو اسے ظلم کہا جائے گا۔

احسان کا طریقہ ذاتی معاملات میں پسندیدہ ہے مگر اس شخص کو جو دوسروں کے معاملات کا تصفیہ کرے، عدل و انصاف کے تقاضوں کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے کیونکہ حاکم اگر ایک فریق کے ساتھ احسان کرے گا تو دوسرے فریق کے ساتھ ظلم ہوگا۔ اسلام نے دشمنوں کے ساتھ بھی عدل و انصاف کا حکم دیا ہے اور اسے پرہیزگاری کی بات بتایا ہے۔ قرآن کریم میں ہے لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (مائدہ ع ۲) تم کو کسی قوم کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان کے ساتھ ناانصافی کرو۔ تم ہر حال میں انصاف کرو، کیونکہ یہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب بات ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات عدل و انصاف کا بہترین نمونہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ

یہودی بھی جو مسلمانوں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن تھے، آپ کے پاس اپنے مقدمات لیکر آتے تھے اور آپ کے فیصلہ پر مطمئن ہو کر واپس ہوتے تھے۔

ابھی چند حدیثیں سنئے:-

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَةٌ لَا تُرَدُّ دَعْوَتُهُمُ الصَّائِمُ حِیْنَ یُفْطِرُ وَالْاِمَامُ الْعَادِلُ وَدَعْوَةُ الْمَظْلُوْمِ یَرْفَعُهَا اللّٰهُ فَوْقَ الْغَمَامِ وَتُفْتَحُ لَهَا اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَیَقُوْلُ الرَّبُّ وَعِزَّتِیْ لَاَنْصُرَنَّكَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ مَّا (رواہ الترمذی۔ مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین شخص ہیں کہ جن کی دعا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے واپس نہیں کی جاتی۔ روزہ دار کی جب وہ روزہ افطار کرتا ہے۔ انصاف کرنے والے حاکم کی اور اس شخص کی بددعا جس پر ظلم کیا گیا ہو۔ اس بددعا کو تو اللہ تعالیٰ بادلوں کے اوپر لے جاتا ہے اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے قسم ہے میری عزت کی (اے مظلوم) میں تیری مدد ضرور کروں گا، خواہ وہ کچھ مدت بعد ہی ہو (دنیا ہی میں۔ ورنہ قیامت کے دن) ترمذی۔ مشکوٰۃ۔

سات شخص جو قیامت کے روز رحمت خداوندی کے سایہ میں ہوں گے

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ یُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظِلِّهٖ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ اِمَامٌ عَادِلٌ وَّشَابٌّ نَشَاَ فِیْ عِبَادَةِ اللّٰهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهٗ مُعَلَّقٌ بِالْمَسْجِدِ اِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتّٰى یَعُوْدَ اِلَیْهِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِی اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَیْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَیْهِ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِیًا فَفَاضَتْ عَیْنَاهُ وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَاَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَاَخْفَاهَا حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهٗ مَا تُنْفِقُ یَمِیْنُهٗ۔ (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ۔ باب المساجد)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات شخص ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ اس روز اپنے سایہ میں رکھے گا جس روز اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ انصاف کرنے والا حاکم اور وہ جوان جو اپنے پروردگار کی عبادت میں پلا بڑھا ہو اور وہ شخص جس کا دل مسجد سے نکل کر بھی مسجد سے اٹکا رہتا ہو یہاں تک کہ وہ مسجد میں واپس آجائے۔ اور وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کیلئے

ایک دوسرے سے محبت کریں۔ اسی حالت میں ایک دوسرے سے ملیں اور اسی حالت میں ایک دوسرے سے جدا ہوں۔ اور وہ شخص جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے اور اس کی دونوں آنکھیں بہ نکلیں۔ اور وہ شخص جسے کوئی عورت جو مرتبہ اور حسن والی ہو بلائے اور وہ یہ کہہ (کر اس کی خواہش کو ٹھکرا) دے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔ اور وہ شخص جو کچھ صدقہ دے اور اسے دوسروں سے چھپائے یہاں تک کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی معلوم نہ ہو کہ دایاں ہاتھ کیا دے رہا ہے۔ (بخاری و مسلم و مشکوٰۃ)

عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَهْلُ الْجَنَّةِ ثَلٰثَةٌ ذُوْ سُلْطَانٍ مُقْسِطٌ مُتَصَدِّقٌ مُوَفَّقٌ وَرَجُلٌ رَحِيْمٌ رَقِيْقُ الْقَلْبِ لِكُلِّ ذِيْ قُرْبٰى وَمُسْلِمٍ وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْ عِيَالٍ (رواہ مسلم۔ التاج الجامع)

حضرت عیاض بن حمار (مجاشعی رضی اللہ عنہ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن خطبہ میں فرمایا کہ جنت والے تین ہیں، وہ صاحب اقتدار شخص جو انصاف کرنے والا ہو، احسان کرنے والا ہو اللہ نے اسے توفیق خیر دی ہو اور وہ شخص جو بڑا مہربان ہو اور نرم دل ہو رشتہ دار اور ہر مسلمان کے لئے۔ اور وہ شخص جو پاکدامن ہو اور سوال سے بہت بچنے والا ہو (حالانکہ) کنبہ والا ہو (اور ضرورتمند ہو) (مسلم۔ التاج الجامع ج ۵)

تشریح:- مذکورہ بالا تینوں حدیثوں میں حاکم عادل کو خدا کے نیک بندوں میں شمار کیا گیا ہے۔ یہ اس لئے کہ اس کے عدل و انصاف کی وجہ سے دنیا میں امن و امان قائم ہوتا ہے اور خدا کے بندے اطمینان کے ساتھ دین اور دنیا کے فرائض انجام دے سکتے ہیں۔ اگر حاکم انصاف نہ کرے تو دنیا میں فساد پھیل جائے۔ بدمعاش نیک اور کمزور لوگوں کی زندگی تلخ کر دیں۔ نہ عبادت گاہوں میں کوئی یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکے اور نہ کوئی امن کے ساتھ اپنی معاشی ضرورتیں پوری کر سکے۔ اسی وجہ سے نظام اسلامی میں حاکم عادل کو خلیفۃ اللہ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا نائب بنکر کارخانۂ عالم کے نظام کو قائم رکھتا ہے

عادل حاکم کو اللہ کی مدد حاصل ہوتی ہے

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِيْ أَوْفٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْقَاضِيْ مَا لَمْ يَجُرْ فَإِذَا جَارَ تَخَلّٰى عَنْهُ وَلَزِمَهُ الشَّيْطَانُ (رواہ الترمذی — مشکوٰۃ باب العمل والقضاء)

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ حاکم کے ساتھ رہتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے، جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے، لیکن جب وہ ظلم کرتا ہے تو اس سے جدا ہو جاتا ہے اور اس کی مدد چھوڑ دیتا ہے اور شیطان اسے تھام لیتا ہے (ترمذی، مشکوٰۃ)

عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَأْتِيَنَّ عَلَى الْقَاضِي الْعَدْلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَتَمَنّٰى اَنَّهٗ لَمْ يَقْضِ بَيْنَ اثْنَيْنِ فِيْ تَمْرَةٍ قَطُّ۔ (رواہ احمد ـ مشکوٰۃ باب العمل والقضاء)

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عادل حاکم کے لئے بھی قیامت کے دن وہ وقت آئے گا جب وہ تمنا کرے گا کہ کاش اس نے دو شخصوں کے درمیان ایک پھل کے مقدمہ میں بھی کبھی فیصلہ نہ کیا ہوتا۔ (مسند احمد، مشکوٰۃ)

تشریح:۔ اس حدیث میں عدالتی فرائض اور حکومتی ذمہ داریوں کی اہمیت اور نزاکت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ منصف حاکم بھی اس دن ڈر رہا ہوگا کہ کہیں اس سے اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں چوک نہ ہوگئی ہو، اور آرزو کرے گا کہ کاش اس نے اس منصب کو قبول نہ کیا ہوتا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَبَّ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَدْنَاهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ عَادِلٌ وَاَبْغَضَ النَّاسِ اِلَى اللّٰهِ وَاَبْعَدَهُمْ مِنْهُ مَجْلِسًا اِمَامٌ جَائِرٌ۔ (رواہ الترمذی ـ التاج)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ کا سب سے زیادہ محبوب اور اس سے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا منصف بادشاہ ہوگا۔ اور اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند اور اس سے سب سے زیادہ دور بیٹھنے والا ظالم سردار ہوگا (ترمذی۔ التاج۔ الجامع)

تشریح:۔ منصف بادشاہ چونکہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی خلافت کے فرائض عمدگی کے ساتھ انجام دیتا ہے اس لئے وہ آخرت میں اس کا محبوب اور اس کی رحمت سے قریب ہوگا۔ اس کے برخلاف ظالم بادشاہ نے چونکہ دنیا میں اس فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کی اس لئے آخرت میں بھی وہ اس کی محبت سے محروم اور اس کی رحمت سے دور ہوگا۔

⁂

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

قاضی زین العابدین سجاد

ولادت سنہ ۱۲۵۸ھ / ۱۸۴۲ء میں خاندانِ ولی اللّٰہی کے آخری چشم و چراغ حضرت مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ کے دہلی سے مکہ معظمہ ہجرت فرمانے کے بعد گلستانِ ولی اللّٰہی کی بہاروں کو جن بزرگوں نے دیوبند اور سہارنپور کے چمنستانوں میں منتقل کیا ان میں — حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا نام سرِ فہرست ہے۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے ۸۴ سال کی طویل عمر پائی۔ اسی لئے آپ کا سلسلۂ فیض بلا واسطہ حضرت مولانا محمد قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے لیکر حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ تک جاری رہا اور علم و معرفت کی یہ شراب دو آتشہ عرب و عجم کے پیاسوں کو سیراب کرتی رہی۔ آخری دور کے بزرگوں میں شاید ہی اس قدر فیض کسی سے پہنچا ہو۔

حضرت حاجی صاحبؒ نسباً فاروقی تھے۔ آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حافظ محمد امین تھا۔ قاضی القضاۃ کا منصب اسی خاندان میں تھا۔ اسی لئے دینی اور دنیوی عظمتیں دونوں اس خاندان کو حاصل تھیں۔ تھانہ بھون کے ممتاز عالم شیخ محمد تھانویؒ شاگرد حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ آپ کے ہم جد تھے۔ آپ کی والدہ ماجدہ شیخ علی محمد صدیقی نانوتوی کی صاحبزادی تھیں جو حضرت مولانا محمد قاسمؒ کے خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ آپ اپنی ننھیال نانوتہ میں دوشنبہ کے دن ۲۲ صفر سنہ ۱۲۳۳ھ مطابق سنہ ۱۸۱۷ء کو پیدا ہوئے، والد ماجد نے امداد حسین نام رکھا، مگر جب آپ بعد میں حضرت شاہ محمد اسحٰق رحؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے نام بدل کر امداد اللہ رکھ دیا اور یہی نام مقبولِ خاص و عام ہوا

تعلیم و تربیت اگرچہ آپ کے تین بھائی اور ایک بہن اور تھیں۔ مگر والدہ ماجدہ کو آپ ہی سے سب سے زیادہ محبت تھی۔ ابھی آپ سات ہی سال کے تھے کہ والدہ ماجدہ

انتقال ہو گئیں۔ انھوں نے مرتے وقت وصیت کی کہ اس بچہ کو کوئی ہاتھ نہ لگائے۔ اس وصیت کی تعمیل کی گئی اور آپ کا بچپن کھیل کود میں زیادہ گذرا۔ قرآن شریف حفظ کرنا شروع کیا مگر وہ پورا نہ ہو سکا۔

جب عمر سولہ سال کی ہوئی اور سن شعور کو پہنچے تو تحقیق کا خیال پیدا ہوا اور اپنے عزیز دوست حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی کے ساتھ دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں فارسی کی درسیات اور عربی صرف و نحو کی کتابیں مختلف استادوں سے پڑھیں۔ پھر کچھ حصہ مشکوٰۃ شریف کا مولانا محمد قلندر جلال آبادی سے پڑھا۔ اور حصن حصین اور فقہ اکبر مولانا عبدالرحیم نانوتوی سے پڑھیں۔ یہ دونوں بزرگوار حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کے شاگرد تھے اور حضرت مفتی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے۔ مثنوی مولانا روم آپ نے حضرت شیخ عبدالرزاق رحؒ سے پڑھی جو حضرت مفتی صاحب کے ایک واسطے سے شاگرد تھے۔ مثنوی مولانا روم سے آپ کو اپنے درویشانہ مزاج کی وجہ سے بڑی دلچسپی پیدا ہو گئی اور ساری عمر اس کا درس دیتے رہے (شمائل امدادیہ)

آپ کی تعلیم سے متعلق اس سے زیادہ تفصیل معلوم نہیں ہوتی مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کا سینہ علم و معرفت کے لئے کھول دیا تھا۔ چنانچہ ہندوستان کے مشاہیر علماء نے آپ سے باطنی فیض حاصل کیا جو تعلیم کی روح ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا حضرت حاجی صاحب عالم تھے؟ تو حضرت نانوتویؒ نے کیا خوب جواب دیا۔ "عالم کیا وہ تو عالم گر تھے"۔

بقول مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحؒ "گو ظاہری علم شریعت میں علامۂ دوراں اور مشہور زمانہ مولوی نہ تھے مگر علم لدنی کے جامۂ عنبر شمامہ سے آراستہ اور نور عرفان و ایقان کے زیورات سے سرتاپا پیراستہ (تذکرۃ الرشید ج ۱)

بیعت و خلافت

آپ کے دہلی پہنچنے سے دو سال قبل، حضرت سید احمد شہیدؒ جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ مگر دہلی جو اس تحریک کا انتظامی مرکز تھا وہاں اس آگ کے شعلے سرد نہیں ہو گئے تھے۔ خاندانِ ولی اللہی کے سربراہ شاہ محمد اسحٰق نے جو تحریک جہاد کے دہلی میں منتظم تھے، اپنے رفقاء کو جمع کر کے تحریک کی نئی تنظیم کی۔ ایک نمائندہ اجتماع میں شاہ محمد اسحٰق کے داماد مولوی سید نصیر الدین نئے امیر لشکر منتخب ہوئے اور نئے جوش و خروش کے ساتھ مجاہدین کے سرحد پر فوج کشی کے انتظامات ہونے لگے۔ انھیں انتظامات کے سلسلہ میں مولوی نصیر الدین صاحب نے میرٹھ، امروہہ، رامپور اور اجمیر و ٹونک وغیرہ شہروں کا دورہ بھی کیا

پھر ڈیرہ غازی خاں میں، مزاریوں کے علاقہ میں پہنچکر جو اس زمانہ میں سکھوں سے برسرپیکار تھے، شریک جنگ ہوئے اور کئی معرکوں میں حصہ لیا۔ مگر سرداروں کی اپنے حریفوں سے مصالحت کر لینے کی وجہ سے یہ مہم بھی کامیاب نہ ہوسکی۔ پھر مولوی صاحب نے شاہ شجاع والی کابل کے مقابلہ میں جو انگریزوں اور سکھوں کا دوست تھا۔ امیر دوست محمد خاں کی مدد کا فیصلہ کیا اور غزنی کے معرکہ میں شریک ہوئے۔ مگر یہاں بھی دوست محمد خاں کے ایک عزیز کے انگریزوں سے مل جانے کی وجہ سے کامیابی نہ ہوئی اور بہت سے مجاہدین قلعہ غزنی کی سرنگ اڑنے میں شہید ہوگئے۔ اس کے بعد مولوی صاحب ستھانہ پہنچے جو مجاہدین سرحد کا نیا مرکز تھا۔ اور تحریک کی تنظیم نو میں مصروف ہوگئے۔ مگر آپ کا وقت آچکا تھا یہیں آپ نے ۱۸۴۰ء میں وفات پائی۔

حضرت حاجی صاحب جب دہلی پہنچے تو مولوی سید نصیرالدین صاحب تحریک جہاد کی تنظیم جدید میں مصروف تھے۔ حضرت حاجی صاحب کو ان سے عقیدت ہوگئی اور ان کے ہاتھ پر بیعت ہوگئے۔ پھر کچھ مدت ان کی خدمت میں حاضر رہ کر اجازت اور خرقہ حاصل کیا۔

مولوی نصیرالدین رح کی وفات کے بعد، آپ نے شیخ نور محمد جھنجھانوی کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی۔ بیعت تو چاروں سلسلوں میں ہوئی مگر تکمیل سلوک طریقہ چشتیہ صابریہ میں کی اس بیعت کی یہ صورت پیدا ہوئی کہ آپ نے خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس آراستہ ہے۔ آپ حضور کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتے ہیں مگر رعب نبوت سے قدم نہیں اٹھتا۔ یکایک آپ کے جد امجد حضرت شاہ بلاقی تشریف لائے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر خدمت اقدس میں پہنچا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا ہاتھ حضرت میاں جی نور محمد کے ہاتھ میں دیدیا۔

حضرت جھنجھانوی براہ راست حضرت سید احمد شہید سے بیعت تھے۔ جب حضرت سید صاحب نے جہاد کی تیاری کے سلسلہ میں مغربی یو۔پی کا دورہ کیا اور اپنے رفیقان خاص مولانا اسمٰعیل شہید اور مولانا عبدالحئی کے ساتھ سہارنپور پہنچے تو حضرت نور محمد جھنجھانوی کے پیر حضرت شاہ عبدالرحیم ولائتی خود بھی حضرت سید صاحب سے بیعت ہوئے اور اپنے مرید خاص حضرت جھنجھانوی کو بھی جھنجھانہ سے بلا کر بیعت کرایا۔ ان ہی دونوں بزرگوں کا فیضان تھا کہ حضرت سید احمد شہید کا جذبہ جہاد آپ کی رگ و پے میں جاری و ساری ہوگیا۔

سفرِ حج

۱۲۶۰ھ میں آپ نے خواب دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنی بارگاہ میں طلب فرما رہے ہیں۔ خود آپ نے حجاز کا ارادہ فرمایا اور بغیر کسی تیاری کے روانہ ہو گئے۔ بعد میں آپ کے بھائیوں نے سفر کے مصارف بھجوائے۔ حج سے فراغت کے بعد آپ حضرت شاہ محمد اسحٰق رح کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ہندوستان کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر دو سال قبل ہجرت فرما کر مکہ معظمہ میں مقیم ہو چکے تھے۔ حضرت شاہ صاحب سے آپ نے فیوض و برکات حاصل کئے اور خاندان ولی اللہی کے معمولات کی اجازت لی۔ پھر مدینہ منورہ پہنچ کر روضہ اقدس پر حاضری دی اور کچھ مدت وہاں قیام کیا اور انوار نبوت سے اپنے سینے کے آئینہ کو جلا دی۔ پھر واپسی میں مکہ معظمہ حضرت شاہ محمد اسحٰق رح کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے ہندوستان میں خدمتِ دین و ملت کے لئے خصوصی ہدایات حاصل کیں۔ ۱۲۶۲ھ / ۱۸۴۶ء میں آپ وطن لوٹے اور سلسلۂ فیض جاری کیا۔ ہندوستان کے ممتاز ترین علما حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا فیض الحسن سہارنپوری، حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا احمد حسن کانپوری، مولانا محمد حسین الہ آبادی، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی آپ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔

جہادِ آزادی میں شرکت

اٹھارویں صدی کا نصف آخر ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کا دورِ زوال تھا۔ اورنگ زیب کی عالمگیری کا دور ختم ہو چکا تھا اور اس کے نااہل جانشین شمشیر و سناں کے بجائے طاؤس و رباب کے مشغلوں میں مصروف تھے۔ عوام نے اسلام کی زندگی بخش تعلیم کو چھوڑ کر اوہام و خرافات کو مذہب کی جگہ دے دی تھی۔ شرفا کو زندگی کی جدوجہد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ شعر و شاعری، موسیقی اور رقص و سرود کو لازمۂ شرافت سمجھتے تھے۔ علماء نے کتاب و سنت کی بجائے فلسفہ و منطق اور بحث و مناظرہ کو وجہ کمال سمجھ رکھا تھا۔ پیروں اور درویشوں نے اصلاحِ اعمال و اخلاق کی بجائے تعویذوں اور گنڈوں کا کاروبار شروع کر رکھا تھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس افسوسناک صورتِ حالات کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے۔ ان حالات سے فائدہ اٹھا کر غیر مسلم طاقتیں ہر طرف سر اٹھا رہی تھیں۔ جاٹ، سکھ اور مرہٹے بار بار چڑھ کر لال قلعہ پر دھاوا بول دیتے۔ چالاک اور عیار انگریز تاجروں کی ٹولیاں ... جوڑ توڑ کے ساتھ ... ٹولیوں کی مدد سے قلعوں پر قبضہ کرنے کے لیے قائم بے قائم جوڑ توڑ جاری تھی۔ چنانچہ ۱۸۰۳ء میں دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا

شاہ عالم اور اس کے جانشین کٹھ پتلی بادشاہ بن کر رہ گئے۔ حکومت پر قبضہ کے بعد اس کو دائمی بنانے کے لئے انگریزوں نے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کا فیصلہ کیا۔ ۱۸۲۶ء میں ہندوستان کے لاٹ پادری آرچ بشپ HEBER ہیبر نے ہندوستان کے حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک طویل سفر کے بعد ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو رپورٹ دی کہ ہندوستان میں ہمارا اقتدار قائم ہو چکا ہے۔ وقت آگیا ہے کہ پورے ملک کو عیسائی بنا لیا جائے۔ چنانچہ ہندوستان بھر میں مشن اسکولوں اور کالجوں کا جال بچھا دیا گیا۔ عیسائی لٹریچر کی اشاعت اور مناظروں کا سلسلہ زور شور سے شروع کر دیا گیا۔ اہل حکام کھلم کھلا اپنے ماتحتوں کو کرسچین بننے کی ترغیب دینے لگے۔

چنانچہ جب حالات حد سے زیادہ ابتر ہو گئے اور عیسائی مذہب قبول کرانے کے لئے جبری طریقے اختیار کئے جانے لگے تو دلوں کا پیمانہ چھوٹ پڑا۔ دس مئی ۱۸۵۷ء میں پہلے میرٹھ میں ہندوستانی فوجیوں نے اعلان آزادی کیا۔ پھر وہ دہلی آئے اور بہادر شاہ کو اپنا سردار بنا کر انگریزوں کو وہاں سے نکال باہر کیا۔ ہندوستان کے دوسرے مقامات میں بھی جنگ آزادی کے شعلے بھڑک اٹھے۔ چنانچہ کانپور، لکھنؤ، مرادآباد، بجنور، سہارنپور وغیرہ میں ہندو مسلمان سر بکف ہو کر انگریزوں کے مقابلہ میں میدان جنگ میں اتر آئے۔

ضلع سہارنپور میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کا وطن تھانہ بھون تحریک آزادی کا اہم مرکز تھا۔ یہاں کے رئیس قاضی عنایت علی صاحب کے بھائی قاضی عبدالرحیم صاحب کسی ضرورت سے سہارنپور گئے تھے۔ ان کے کسی دشمن نے ضلع کلکٹر کو مخبری کی کہ وہ جہاد کے لئے ہاتھی خریدنے سہارنپور آئے ہوئے ہیں۔ کلکٹر نے ان کو سر عام پھانسی دیدی۔ یہ خبر تھانہ بھون پہنچی تو سارے قصبہ میں آگ لگ گئی۔ باشندگان قصبہ سر بکف ہو کر میدان میں آ گئے۔ انگریزوں کے خلاف اعلان جہاد کر دیا گیا۔ حضرت حاجی صاحب کو امیر مقرر کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو سپہ سالار اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کو قاضی بنایا گیا۔ حضرت حافظ محمد ضامن تھانوی اور حضرت مولانا منیر نانوتوی میمنہ و میسرہ کے افسر مقرر کئے گئے۔ ان بزرگوں کے اثرات سے آس پاس کے ہزاروں مجاہدین اس لشکر میں شریک ہو گئے۔ پہلے ایک انگریزی فوجی دستہ پر حملہ کیا گیا جو توپ خانہ لے کر سہارنپور سے شاملی جا رہا تھا۔ اس دستہ سے توپ خانہ چھین لیا گیا اور اسے بھگا دیا گیا۔ پھر شاملی کی طرف پیش قدمی کر کے اس پر قبضہ کر لیا گیا۔ انگریزی فوج اور

پس مغلوب ہو گئی۔ مگر حضرت حافظ محمد ضامن صاحب جو حضرت حاجی صاحب کے پیر بھائی تھے اس معرکہ میں شہید ہو گئے (علماء ہند کا شاندار ماضی) افسوس ہے کہ پنجابی ریاستوں کی امداد سے جلد ہی انگریزوں نے دوبارہ دہلی پر قبضہ کر لیا۔ پھر ملک کے دوسرے صوبوں میں بھی ان کا اقتدار قائم ہو گیا اور ۱۸۵۷ء کی یہ جنگ آزادی ناکام ہوئی۔

ہجرت

جب انگریزی نظم و نسق دوبارہ قائم ہوا تو مولانا رشید احمد تو گرفتار ہوئے، مولانا محمد قاسم نانوتوی کا بھی وارنٹ جاری ہوا مگر ہاتھ نہ آسکے اور حضرت حاجی صاحب چھپتے چھپاتے ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۹ء میں ہجرت کے ارادہ سے ہندوستان سے نکل کر مکہ معظمہ پہونچ گئے اور بقیہ زندگی جوار حرم ہی میں گزار دی۔

تھانہ بھون سے نکل کر حضرت حاجی صاحب نے تقریباً ڈیڑھ سال ضلع مظفر نگر، سہارنپور اور انبالہ کے دیہات میں چکر لگاتے گزارا۔ جہاں جاتے پولس تعاقب کرتی مگر اللہ تعالیٰ محافظ و نگہبان تھا۔ محض امداد غیبی سے حکام کے ہاتھوں سے نکل جاتے۔ مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ لکھا جاتا ہے۔

حضرت حاجی صاحب ایک گاؤں میں وہاں کے زمیندار کے ہاں جو حضرت کا خادم تھا مقیم تھے یکایک رات کے وقت پولس فورس پہونچ گئی۔ پولس پہلے زنانہ مکان کی طرف بڑھی۔ زمیندار بھی اسکے ساتھ زنانہ مکان میں گئے۔ حضرت حاجی صاحب ایک چارپائی پر دراز مکان میں لیٹے ہوئے کھانس رہے تھے۔ پولس افسر نے ان کی طرف توجہ نہ کی، زمیندار نے جاتے ہوئے چلا کر نوکروں سے کہا اس بڈھے نے کھانس کھانس کر بلغم سے سارا مکان گندا کر دیا ہے اسے یہاں سے نکالو اور اس کی چارپائی کھیت پر ڈال آؤ۔ چنانچہ پولس اندر کسی مسہری وغیرہ پر حضرت کو تلاش کرتی رہی اور ادھر باہر والوں نے حضرت حاجی صاحب کی چارپائی ایسی جگہ پہنچا دی جہاں پولس نہ پہونچ سکی (شاندار ماضی)

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ہندوستان سے ہجرت فرما کر ۱۴ سال مکہ معظمہ میں مقیم رہے وہاں حضرت کے شب و روز، خدا کی یاد اور مخلوق خدا کی تربیت و ارشاد میں صرف ہوتے۔ اسی کے ساتھ درس اور تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رہتا۔ آپ کو مثنوی مولانا روم سے بڑا شغف تھا۔ اس کا درس بڑے ذوق و شوق کے ساتھ دیتے اور ایسے ایسے حقائق و معارف بیان فرماتے کہ بڑے بڑے علماء دنگ رہ جاتے۔ یہ سلسلہ انتہائی ضعف کے زمانہ میں بھی بڑی قوت کے ساتھ جاری رہتا بلکہ اسی سے بدن میں ایسی قوت آجاتی کہ تکیہ ہٹا کر سیدھے بیٹھ جاتے اور اسرار و معارف کا دریا جاری ہو جاتا۔

ایک مرتبہ قسطنطنیہ کے ایک بڑے شیخ مولانا اسعد آفندی، جو مولانا روم کے خاندان سے بزرگ اور مثنوی شریف کے بڑے عالم تھے، ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ اس وقت آپ مثنوی شریف پڑھا رہے تھے۔ ایک خادم مولوی نیاز احمد حیدرآبادی نے عرض کیا کہ اگر شیخ اسعد اردو سمجھتے تو بہت محظوظ ہوتے۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا حظ و لطف حاصل کرنے کے لئے زبان جاننا ضروری نہیں۔ پھر مثنوی شریف کے چند اشعار ایک خاص انداز سے ایسے پر تاثیر لہجہ میں پڑھے کہ شیخ رونے وجد کرنے لگے، جب اپنے ہوش میں آئے تو حضرت سے کچھ اشغال کی اجازت لی اور اپنی قبا اتار کر حضرت سے عرض کیا کہ اسے پہن کر مجھے بطور تبرک عطا فرما دیجئے (کمالات امدادیہ)

حضرت حاجی صاحب اگرچہ باقاعدہ عالم نہ تھے جیسا کہ بیان ہوا، مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ نورِ بصیرت عطا فرمایا تھا کہ بڑے بڑے علما، الجھے ہوئے مسائل آپ کے سامنے پیش کر کے آپ سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔

ایک مرتبہ دو فریق بحث کر رہے تھے، ایک فریق کہہ رہا تھا کہ نماز بغیر حضور قلب کے درست نہیں ہوتی۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے لَاصلوٰۃ إلّا بحضور القلب (نماز حضور قلب کے بغیر نہیں ہوتی)، دوسرا فریق کہتا تھا کہ نہیں، بلکہ ہو جاتی ہے کیونکہ حضرت عمرؓ نے فرمایا إنّی أُجَهِّزُ الجیش وانا فی الصلوٰۃ (میں لشکر کا سامان کرتا ہوں جبکہ میں نماز میں ہوتا ہوں) آخر حضرت حاجی صاحب سے فیصلہ چاہا گیا۔ آپ نے فرمایا، ان دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں ہے مقربوں کو جب بادشاہ کی حضوری ہوتی ہے اور لاحقہ (پیش آمدہ) عرض کرتے ہیں اور استمزاج (طلب رائے) چاہتے ہیں اور بجا آوری خدمت کی کوشش کرتے ہیں۔ پس یہ عین حضوری ہے نہ منافی حضوری — مطلب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کا نماز کی حالت میں مجاہدین کے لشکر کے انتظام کی فکر کرنا دراصل جہاد کے معاملات میں اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کرنے کے لئے ہوتا تھا کہ نماز کی حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ سے معروفِ راز و نیاز ہوتا ہے۔ لہذا اسے اللہ تعالیٰ سے غفلت نہیں بلکہ اس سے تعلق اور مشغولیت کہا جائے گا۔

حضرت حاجی صاحب کی زندگی مکہ معظمہ میں گوشہ نشینی اور توکل کی تھی۔ درس و ارشاد کے اوقات کے علاوہ، گوشۂ خلوت کو پسند فرماتے تھے۔ البتہ جو لوگ اللہ کا نام سیکھنے کے لئے آتے ان سے بڑی محبت سے پیش آتے، مگر مریدوں سے فرما دیتے "بھائی میرے پاس کچھ نہیں، ہاں خدا کی ذات سے امید ہے کہ تم لوگوں کے وسیلہ سے میری بھی نجات ہو جائے گی۔

امراء اور ارباب حکومت سے ملنے سے خاص طور پر پرہیز کرتے۔ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی بانی مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ آپ کے پرانے دوست تھے۔ انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد یہ بھی ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ معظمہ چلے آئے تھے۔ سلطان عبدالعزیز خلیفہ ترکی کو مولانا سے بڑی عقیدت ہوگئی تھی کیونکہ پادری فنڈر جب ۱۸۵۴ء میں آگرہ کے مناظرہ میں مولانا سے شکست کھا کر ہندوستان سے فرار ہو کر پھرتا پھراتا قسطنطنیہ پہنچ گیا تھا اور وہاں کے علمائے اسلام کو اس نے چیلنج دے رکھا تھا۔ سلطان نے شریف مکہ کو جو ان کا ماتحت تھا لکھا کہ مکہ معظمہ یا مدینہ منورہ میں کوئی عالم ہو جو پادری سے مناظرہ کر سکے تو اسے بھیج دو۔ شریف مکہ نے مولانا سے درخواست کی اور آپ قسطنطنیہ تشریف لے گئے۔ پادری فنڈر جیسے ہی مولانا رحمت اللہ کی تشریف آوری کی خبر لگی سر پر پاؤں رکھ کر قسطنطنیہ سے فرار ہو گیا۔ اس واقعہ سے سلطان روم مولانا کا بڑا گرویدہ ہو گیا تھا

بہر حال مولانا رحمت اللہ جب قسطنطنیہ سے حجاز واپس ہوئے تو حضرت حاجی صاحب سے ملاقات کے لئے تشریف لائے۔ دوران گفتگو میں سلطان کی دینداری کا ذکر کر کے فرمایا، اگر آپ اجازت دیں تو سلطان المعظم سے آپ کا تذکرہ کر دوں۔ حضرت حاجی صاحب نے فرمایا۔ اس کا فائدہ زیادہ سے زیادہ یہی تو ہوگا کہ سلطان میرے معتقد ہو جائیں گے۔ پھر سلطان کے معتقد ہو جانے سے آپ کو ہی کیا فائدہ ہوا، یہی تو ہوا کہ بیت اللہ شریف سے دوری ہو گئی۔ ہاں چونکہ آپ نے ذکر کیا ہے کہ سلطان بڑے عادل ہیں اور حدیث میں آیا ہے کہ سلطان عادل کی دعا قبول ہوتی ہے۔ اس لئے آپ ان سے میرے لئے دعا کرا دیجئے مگر بادشاہ سے کسی فقیر کے واسطے دعا کے لئے کہنا بھی آداب سلطنت کے خلاف ہے۔ اس لئے میں آپ کو اس کا ایک طریقہ بتلائے دیتا ہوں۔ آپ ان کی خدمت میں میرا سلام پہنچا دیں، وہ جواب میں وعلیکم السلام ضرور فرمائیں گے۔ بس میرے لئے دعا ہو جائے گی۔

آپ کے اس تقویٰ، پرہیزگاری اور دنیا سے بے نیازی کی وجہ سے حجاز شریف میں مقیم مختلف سلسلوں کے مشائخ اور دور دراز ملکوں کے علماء سب آپ کے معتقد ہو گئے تھے اور سب آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر باطنی فیوض اور روحانی برکات سے مستفید ہوتے تھے۔

مسلک میں اعتدال

حضرت حاجی صاحب کے مسلک میں بڑا اعتدال اور توسع تھا۔ فروعی اختلافات جن کا اس زمانہ میں بھی ہندوستان میں بڑا زور تھا اہمیت نہ دیتے تھے۔ بلکہ ان اختلافات کو ختم کرنے اور کم از کم مجادلات اور مناقشات کو دور کرنے کی کوشش فرماتے رہتے تھے۔

آپ فیصلہ ہفت مسئلہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ امر مسلمات سے ہے کہ باہمی اتفاق باعث برکات دینی و دنیوی اور نا اتفاقی موجب مضرت دینی و دنیوی ہے۔ اور آجکل بعض مسائل نزاعیہ میں ایسا اختلاف واقع ہوا ہے جس سے خواص کا وقت اور عوام کا دین ضائع ہو رہا ہے حالانکہ اکثر امور میں محض نزاع لفظی ہے اور مقصود متحد۔"

اسی کا نتیجہ تھا کہ دیوبندی اور غیر دیوبندی دونوں مسلکوں کے اکابر آپ سے ارادت و عقیدت کا تعلق رکھتے تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا احمد حسن کانپوری، حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادی اور حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی بھی آپ کے حلقہ بگوشوں میں داخل تھے۔ تاہم آپ کو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سے ان کی جلالت علمی اور عظیم خدمات دینی کی وجہ سے گہرا قلبی تعلق تھا۔ انھوں نے اپنی ایک کتاب کے آخر میں لکھا ہے:۔

"ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت دارد مولوی رشید احمد و مولوی محمد قاسم را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے فقیر بلکہ بمدارج فوق از من شمارند۔"

دارالعلوم دیوبند چونکہ ان دونوں بزرگوں کی علمی و دینی سرگرمیوں کا مرکز تھا اس لئے متعلق حضرت حاجی امداد اللہؒ ایک مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بعد حمد و صلوٰۃ کے فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ ان کی خدمت میں جو صاحب اس فقیر سے علاقہ محبت و ارادت اور قرابت رکھتے ہیں، خواہ قرابت حسبی ہو یا نسبی، عرض گزار ہے کہ مدرسہ عربیہ دیوبند جو اس وقت اپنی خوبی سے نہایت رونق اور شہرت پر ہے، فقیر کو اس سے علاقہ خاص ہے، بلکہ یہ مدرسہ اپنا ہی مدرسہ سمجھتا ہے۔ اس جہت سے سب صاحب اس مدرسہ کو اپنا ہی مدرسہ سمجھیں اور جو کچھ اعانت اس مدرسہ کی اپنی ذات سے ہو سکے یا سعی اور سفارش سے ممکن ہو اس میں ہمیشہ ساعی رہیں اور نگرانی اس مدرسہ کی اپنے ذمہ ضروری سمجھیں" الخ

حضرت حاجی صاحب کا یہ گرامی نامہ دارالعلوم دیوبند میں محفوظ ہے اور حال ہی میں تاریخ دارالعلوم دیوبند (مرتبہ مولوی سید محبوب رضوی) میں اس کا فوٹو شائع ہو گیا ہے) دراصل خاندان ولی اللہی کی تحریک کے دو مقاصد تھے۔ اول یہ کہ ہندوستان میں انگریزی اقتدار کی پیش قدمی کو روکا جائے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے مذہب، تمدن و معاشرت اور ان کے علوم کو انگریزی تسلط کے نتائج بد سے محفوظ رکھا جائے

پہلے مقصد کے لئے اس خاندان اور اس کے متوسلین نے دو معرکوں (معرکۂ بالاکوٹ و معرکہ شاملی ۱۸۵۷ء) میں اپنی جانی قربانیاں پیش کیں۔ مگر تقدیر الٰہی غالب آئی اور کامیابی نہ ہوسکی تو دوسرے مقصد کے لئے جد وجہد کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ دارالعلوم دیوبند دراصل اسی مقصد کے لئے قائم کیا گیا۔ خود اس کے قیام میں حضرت حاجی صاحب اور خاندان ولی اللٰہی کے دوسرے بزرگوں کی رہنمائی اور تمنائیں اور دعائیں شامل تھیں۔ اسی لئے انھوں نے اسکی بقا و ترقی کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ اور یہ اسی کا ثمرہ ہے کہ آج وہ ایشیا کا سب سے عظیم دینی دارالعلوم ہے۔

تصنیفات وافادات :-

حضرت حاجی امداد اللہ رح کی اردو فارسی تصانیف حسب ذیل ہیں :-

(۱) مثنوی مولانائے روم :- (بزبان فارسی)

(۲) غذائے روح :- یہ کتاب اردو نظم میں ہے اور حکایات وقصص سے سلوک معرفت کی تعلیم دی گئی ہے۔

(۳) جہاد اکبر :- ایک فارسی منظوم رسالہ کا اردو نظم میں ترجمہ جو اصلاح نفس کے مضامین پر مشتمل ہے۔

(۴) مثنوی تحفۃ العشاق :- اردو نظم میں ہے اور عشق ومحبت خداوندی کا بیان۔

(۵) دردنامہ غمناک :- نظم میں عشق حقیقی اور جذبہ بیخودی کی ترجمانی کی ہے۔

(۶) ارشاد مرشد :- وظائف واوراد ومراقبات کا بیان۔ آخر میں سلاسل اربعہ کے شجرے

(۷) ضیاء القلوب :- بزبان فارسی معرفت وسلوک کے مضامین اور وظائف واوراد کا بہترین مجموعہ ہے۔

(۸) رسالہ وحدۃ الوجود :- فارسی زبان میں اس موضوع پر ایک طویل مکتوب۔

(۹) فیصلہ ہفت مسئلہ :- اس میں میلاد وفاتحہ وعرس وسماع وغیرہ مسائل مختلفہ پر روشنی ڈالی گئی ہے اور رفع نزاع کی کوشش فرمائی گئی ہے۔

(۱۰) گلزار معرفت :- حضرت کے اردو وفارسی کلام کا مجموعہ جو حمد ونعت وعشق کے مضامین پر مشتمل ہے۔

(۱۱) مرقومات امدادیہ و مکتوبات امدادیہ :- حضرت گنگوہیؒ، حضرت نانوتویؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، حضرت حاجی عابد حسین دیوبندی، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ وغیرہم کے نام ایک سو گیارہ خطوط فارسی و اردو میں سلوک و معرفت کے مضامین پر مشتمل۔

کرامات :-

حضرت حاجی صاحب صاحب کشف وکرامت بزرگ تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کے سوانح نگاروں اور متوسلین نے بہت سے عجیب وغریب واقعات بیان کئے ہیں۔ مگر آپ کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ آپ کا قلب مبارک عشق و محبت خداوندی کا جوالا مکھی تھا۔ جسے بھی آپ کا قرب نصیب ہوا اس کا سینہ اس آگ سے دہک اٹھا۔ یہی وجہ ہے کہ وقت کے بہترین اصحاب علم وفضل فیوض باطنی حاصل کرنے کے لئے آپ سے تعلق و وابستگی کو اپنے لئے باعث فخر سمجھتے تھے اور اپنی دستار فضیلت کو آپ کے قدموں میں بچھا دینے کو سبب عزت خیال کرتے تھے۔ اس کے بعد کسی کرامت کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ یوں بھی حضرت حاجی صاحب دانستہ اظہار کرامت کو پسند نہیں فرماتے تھے

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرت حاجی صاحب کے بہت سے مہمان آگئے۔ کھانا کم تھا منتظمین کو پریشانی محسوس ہوئی۔ حضرت حاجی صاحب نے اپنا رومال بھیجدیا کہ اسے کھانے پر ڈھانک دیا جائے۔ اس عمل سے کھانے میں ایسی برکت ہوئی کہ سب نے کھا لیا اور بچ رہا۔ حضرت ضامن شہیدؒ کو جو آپ کے پیر بھائی تھے خبر ہوئی تو حاجی صاحب سے فرمایا "حضرت آپ کا رومال سلامت چاہیئے۔ اب کیوں قحط پڑے گا"۔ حضرت حاجی صاحب شرمندہ ہو گئے اور فرمایا "واقعی خطا ہو گئی توبہ کرتا ہوں اب ایسا نہ ہوگا" اس کے بعد اخفاء میں اور تختی فرمانے لگے۔

سفر آخرت :-

آخر محبوب حقیقی سے ملنے کا وقت آگیا۔ ۱۳ جمادی الاخری ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء کو چہارشنبہ کے دن فجر کی اذان کے وقت چوراسی سال کی عمر میں رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ مکہ معظمہ میں جنت المعلیٰ میں دفن کئے گئے۔ حکیم الامۃ مولانا اشرف علی تھانوی نے تاریخ وفات نکالی :-

حَیٌّ دَخَلَ الخُلدَ

رحمہ اللہ واسعۃ کاملۃ

یوسفِ گم گشتہ

مولانا محمد یوسف بنوریؒ

مولانا انظر شاہ مسعودی کشمیری
استاذ دارالعلوم دیوبند

نہ اہی کو علم ہے کہ قبول علم کی کیا کیا علامات وآثار ہیں۔ بیان کرنے والوں نے جس حد تک بیان کیا وہ تجربات ومشاہدات پر مبنی ایک حقیقت ہوگی اس بے بضاعت کی حقیقت ہی کیا ہے کہ اس کی کوئی بات قابل قبول ہو تاہم کہنے کا حق تو کسی سے چھینا نہیں جا سکتا۔ بہرحال مدت سے ایک خام خیال یہ بھی چلا آتا ہے کہ کسی نامور استاذ کو ایسے تلامذہ کا میسر آجانا جو اس کے فضل و کمال اور وین ودانش کی اشاعت میں خصوصی حصہ لیں۔ استاذ کے علم کے مقبول ہونے کی علامت ہے۔ خانقاہی ... نظام کو تو جانے دیجئے کہ وہاں ٹھوک بجا کر ... سازی سب سے بڑا مقصد ہے۔ لیکن درسگاہی نظام میں صوفیاء کے انداز میں کسی خاص الخاص نوع کی تربیت پیش نظر نہیں رہتی۔ دونوں طریقۂ کار میں حدِ فاصل کے باوجود اگر درسگاہ میں کوئی نمایاں شخصیت مہیا ہوتی ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ معلم کے مقبول عند اللہ ہونے کی کھلی علامت ہے کہ خدا تعالیٰ اس راہ سے اس کے علوم وکمالات کو جاوید بنانا چاہتا ہے معلوم ہے کہ حافظ ابن تیمیہؒ اپنی تمام علمی رفعتوں کے باوجود نادران شاہکار تصانیف کے باوصف جو ان کے علم ریز قلم سے نکلیں پھر بھی ان کی علمی شوکت جو دماغوں پر چھائی ہوئی ہے اس میں بڑا دخل ان کے مخزن نگارش شاگرد حافظ ابن قیمؒ کا ہے۔ یادش بخیر حافظ ابن حجر عسقلانی جیسے ... ہیں کہ حافظ سخاوی کی قلمی کا دشوں نے حافظ ابن حجر کے علم وکمال کو ... اسی انداز میں حافظ ابن ہمام اور ان کے با اختصاص شاگرد قاسم ابن قطلوبغا ... اس تمہید کے بعد آئیے اور ہندوستان کے ایک جلیل القدر محدث جن کی عبقریت

سب ہی ثنا خواں ہیں۔ یعنی حضرت مولانا انور شاہ الکشمیریؒ۔ ان کے سیکڑوں ممتاز معروف تلامذہ ہیں۔ منفرد شخصیت اسی ذات گرامی کی ہے جو حال ہی میں اس دنیائے دوں سے اٹھ کر جاودانی و باقی عالم میں سکونت پذیر ہوئی۔ اس اجمال کی تفصیل حضرت مولانا محمد یوسف البنوریؒ اعلی اللہ مقامہ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ اس حقیقت کا کون انکار کر سکتا ہے کہ مرحوم نے اپنے جلیل استاذ کے نوادرات علمی کو عالم آشکارا کرنے میں کیا کچھ کارنامے انجام دیے۔ ہند و پاکستان کیا بلاد عرب اور یورپین ممالک تک مرحوم کی وساطت سے استاذ کے افکار و نظریات و علوم و معارف نے رسائی پائی۔ پھر صرف یہی نہیں بات مجلسی تذکروں ہی تک محدود ہو، دین و دانش کے جو اسفاران کا قلم تیار کرتا رہا وہ تعارف کے خطوط کو وسیع تر کرنے کے ساتھ اسے جاوید بنانے کی ایک مفید اور مستحکم کوشش ہے۔ اور بلا شبہ وہ اپنی سعی بلیغ کے نتیجے میں مستقبل میں دین و دانش کی تیار ہونے والی تاریخ میں انھیں سعید و اسعد تلامذہ کی صف میں جلوہ افروز ہوں گے جو ابن قیمؒ، سخاوی اور ترمذی بعا کے لئے مخصوص ہے۔

مرحوم پر مقالے کی تیاری کی فرمائش راقم السطور کے لئے کس درجہ تشویش انگیز ہے، کاش کہ اسے بتانے اور سمجھانے کی زبان میسر ہوتی۔ غالباً ایک ہفتہ جو اس تیز رفتار دنیا کا اچھا خاصا وقت ہے اگرچہ ترے گزر گیا لیکن قلوب کو ہلانے والے اس حادثے کی یاد دل و دماغ پر اپنے کچھ ایک نامٹ اثرات کے ساتھ آج بھی قائم ہے۔ پچاس سالہ مختصر زندگی میں وہ دن ہمیشہ یادر ہے گا کہ ایک بے مایہ علم و عمل اس کشمیر کے لئے پا بر کاب ہے جو مرحوم کے استاذ کا آبائی وطن اور جہاں ان کی وفات کے چالیس سال بعد انہی کی ذات وکمالات پر علمی مذاکرہ کا اہتمام ہے، اسی میں شرکت کے لئے سفر کی تیاریاں بھرپور انداز میں جاری ہیں۔ دن ڈھل رہا ہے شام اپنے ستاؤں کے ساتھ تیزی سے آرہی ہے۔ سفر کے آغاز میں چند ہی گھنٹوں کی مسافت حائل ہے کہ اچانک اس غیر متوقع حادثہ کی اطلاع ریڈیو پاکستان کی وساطت سے مملکتین کے درمیان طول و طویل فاصلوں کو پھلانگتی ہوئی پہونچ گئی جس کو کان سننے کے لئے تیار نہ تھے اور قبول کرنے کے لئے قلب آمادہ نہ تھا۔ بارہا یہ منظر دیکھا کہ سورج ٹکٹکی پر ہے اس کا اجالا اس دنیا کو ہمہ تن منور بنائے ہوئے ہے، بادل اٹھے اور جمع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس آتشیں کرہ پر چھا گئے۔ پھر کیا ہوا، وہی جو ہونا چاہئے تھا۔ یعنی جتنی جاگتی روشنیوں سے بھرپور اجالوں سے لبریز یہ دنیا اچانک اندھیروں اور تاریکیوں میں ڈوب جاتی ہے بلا شائبہ مبالغہ اور

بلا مبالغہ ․․․․ کی ضرورت بھی کیا ہے آفتاب علم و دانش کے یکایک غروب ہونے کی دلدوز خبر دلوں کے آفتاب کے لئے گھٹاٹوپ اندھیری تھی۔ اس حادثہ فاجعہ کا اثر آشنا حلقے پر جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہوا ہی، حیرت تو یہ ہے کہ مرحوم کے نہ دیکھنے والے بلکہ صرف ان کی تصانیف سے متعارف حلقے پر بھی غم والم کی گھٹائیں چھا گئیں۔

از ہر الہند دارالعلوم کے دائرہ اہتمام میں ایک ہنگامی تعزیتی میٹنگ میں راقم الحروف بھی شریک ہے۔ چہرے افسردہ، قلوب پژمردہ، زبان و بیان فسردہ۔ اسی ماحول میں تعزیتی تجویز منظور ہوئی اور آسنے والا دن جاتے دلے کے سئے ایصال ثواب کا کھیرا۔ حسرت اس کی رہ گئی اور ہمیشہ ہی رہے گی کہ علالت کی اطلاع آئی نہ دعائے صحت کی سعادت میسر ہوئی لیکن خبر پہنچی تو صفحۂ زندگی کے لپٹ جانے اور ایک مرد مومن کی رحلت و ارتحال کی کشمیر کا سفر شروع ہو چکا۔ رات کے سناٹے کو دبو مہکیل انجن چیرتا پھاڑتا آگے بڑھ رہا ہے۔ سلیپر کوچ کے اور مسافر مصروف استراحت، لیکن اپنی سیٹ پر دراز، یہاں ایک اور مسافر ہے جو اضطراب سے کروٹیں بدل رہا ہے۔ اس کے روبرو چالیس سال کی بیتی ہوئی کہانی کا ایک ایک منظر ہے جن میں مولانا یوسف بنوری چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، ہوتے، سنتے نظر آرہے ہیں۔ جموں اسٹیشن کی وہ صبح بھلائی نہیں جا سکتی جب اسٹیشن پر غم و اندوہ میں ڈوبے ہوئے مسافر نے مرحوم کے خواجہ تاش و انیس خلوت و جلوت مولانا احمد رضا بجنوری کو کھڑے یہ وحشت انگیز خبر سنائی۔ نتیجہ غیر متوقع نہ تھا۔ سننے کے ساتھ ہی ہر مملوک کے لئے مالک حقیقی کی جانب ادعیہ کے معنی خانہ کلمات بار بار زبان پر آرہے تھے۔

یہ ایک ٹیکسی ہے جس میں پانچ افراد کا مختصر قافلہ سربفلک پہاڑوں کے نشیب و فراز تیزی سے قطع کر رہا ہے۔ سوچنے والا سوچ رہا ہے کہ انہی پہاڑوں، انہی وادیوں، ان ہی کوہساروں میں مولانا یوسف بنوری نے بھی اپنے جلیل القدر استاذ کے ساتھ نصف صدی پہلے اسی خطۂ بے نظیر کا یادگار سفر کیا تھا۔

اور پھر خود حیات طیبہ کے نشیب و فراز کو ستر سالہ زندگی میں بسرعت طے کرتے ہوئے وہ اس فردوس میں انشاء اللہ پہونچ چکے ہیں جس کا ہلکا پھلکا نمونہ دنیا کا یہ شاداب مرغزار کشمیر ہے کبھی یہ خیال بھی آتا کہ مرحوم کی ہر چیز میں جلدی تھی۔ گفتار عاجلانہ، رفتار مستعجلانہ، تو پھر ہونا بھی یوں ہی چاہئے تھا کہ وہ اس دنیا سے اس دنیا تک کے فاصلے بسرعت ہی طے کریں۔ غرضیکہ

چالیس سال کے یادگار نقوش دل و دماغ کے صفحات پر پرمانمٹ بنے ہوئے ہیں بلکہ یادوں کی ایک دنیا سامنے موجود ہے۔ سرشام سری نگر کے حدود میں ٹیکسی جا رہی، اور اس میں موجود کارواں اتر رہا ہے مگر جس کے دل و دماغ پر یوسف محیط ہے وہ زلیخائی اضطراب میں بدستور گرفتار ہے۔ سامنے وہ پرشکوہ عمارت ہے جسے کشمیری حکومت نے اسمبلی کے اراکین کے لئے بصرف کثیر تیار کیا ہے۔ یہاں ہندوستان کا دل و دماغ کھنچکر چلا آیا اور ان میں سے ہر ایک علامہ انور شاہ سیمنار میں شرکت کے لئے مدعو ہے۔ پہنچنے والا سمجھ رہا تھا کہ وہی غم انگیز حادثہ سے ملول و غمگین ہے۔ لیکن ہر ایک زبان پر یوسف پاکستانی کی موت کا تذکرہ اور ہر کوئی اس الم خیز سانحہ پر گریاں و بریاں۔ حیرت بھی غلط تھی۔ کنعان کے یوسف اول پر ایک زلیخا کہاں بہت سی زلیخائیں دل و جان نثار کرتی تھیں تو اس یوسف ثانی پر بھی بہت سی آنکھیں اشکبار اور بہت سے قلوب زار و نزار ہیں۔ بھلا ایک ایسے زبوں ہمت سے جو آجتک پیش آنے والے حادثہ کی سنگینی سے خود کو رہا نہ کرا سکا۔ لکھنے کی زمائش انصاف ہے یا زیادتی احسان ہے یا تعدی۔ تاہم اس تجربہ کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غم کو ہلکا کرنے کے لئے یہ بھی ایک تدبیر ہے کہ کچھ کہہ کہا کر، سن سنا کر بوجھل طبیعت کو ہلکی بنا لیا جائے۔

جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے حادثہ پر متعلقین کی غم دیدہ سے لبریز صداؤں پر فاروقی جلال بروئے کار آیا تو مصطفائی علم و حکمت نے اسی مقصد کے لئے لگے بندھے رنج و غم کے اظہار کی اجازت دی تھی کہ پس ماندگان کی طبیعتیں کچھ ہلکی ہو جائیں۔ پس آنے والی سطور نہ مرحوم کے علم و کمال کا مرقع، نہ ان کے فضل و دانش کا تمثال، نہ کارناموں کی تاریخ، نہ شاہکار مظاہروں کی داستان بلکہ راقم السطور کے بوجھل قلب کو ہلکا کرنے کی ایک سوچی سمجھی تدبیر ہے۔ ان ہی تصریحات کی روشنی میں جو کچھ الٹا سیدھا لکھا جا رہا ہے اسے با دل ناخواستہ ہی پڑھ لیجئے۔ اور شاید یہ درخواست بھی بے معنی نہ ہو۔

جو لکھے ہے دل کرو دل سے قبول

حافظہ پر زور دینے کے باوجود یہ یاد نہیں آتا کہ مرحوم سے کہاں اور کب پہلی ملاقات ہوئی یا ان کے علم و فن اور دین و دانش کے چرچے کب سننے میں آئے۔ جہاں تک وثوق سے کچھ کہنے کا تعلق ہے یہ ۱۹۴۳ء ہے۔ ایک بے بضاعت پنجاب یونیورسٹی سے فارسی اور اردو کے امتحانات دینے کے لئے اس اورنٹیل کالج کا طالب علم ہے جو مسجد فتحپوری کا دلکے

کو ... میں موجود تھا۔ شوال کے اوائل کی بات ہے کہ مرحوم ڈابھیل کے لئے مسافرت کے دوران دہلی اتر گئے اور حسن اتفاق کہ میرے رہائشی کمرہ میں رخت سفر کھول دیا۔ اسی زمانہ میں دہلی میں کسی کام سے برادر بزرگوار قیصر صاحب اور مولانا عبدالحق میاں سملکی بھی میرے پاس مقیم تھے۔ مولانا محمد یوسف بنوری کے سامان سفر میں خشک میوے بڑی مقدار میں موجود تھے۔ مولانا رات کو پڑ کر سو گئے۔ تو ان کے اس سوغات پر بے تکلف یلغار کی گئی۔ اندیشہ یہ بھی تھا کہ شاید یہ نازیبا حرکت مرحوم کے تکدر کا موجب ہو لیکن صبح کو چائے کی مجلس میں جب اپنے مال ... میں کافی کمی پائی اور متجسسانہ نظروں سے ادھر ادھر دیکھا تو بہت جلد وہ صورت حال کو بھانپ گئے اور مہذب چوروں کے گروہ کے تعین میں انھیں دشواری پیش نہیں آئی اور بجائے مکدر ہونے کے اس بے تکلفی کی داد دیے بغیر وہ خود بھی نہ رہ سکے۔ یہ مولانا کے شباب کا دور تھا۔ ان کا سرخ سپید چہرہ، کشادہ پیشانی، بادامی آنکھیں، سیاہ داڑھی، سر پر پشاوری دستار، طویل وعریض شلوار، سفید پیرہن، آنکھوں پر چشمہ متوسط قامت اور متوازن جثہ۔ بلاشبہ انھیں حسینوں کی صف میں شریک کرنے کی سفارش کرتا۔ شباب قوتیں اچھل کود رہی تھیں، اور علم ودانش کا چشمہ رواں دواں تھا۔ اس مختصر ملاقات کے بعد مولانا اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گئے۔

سفر پاکستان اور طویل میزبانی

غالباً ۱۹۶۵ء میں احقر نے پاکستان کا سفر کیا، یہ وہ وقت ہے جب دیوبند سے احقر ہی کی ادارت میں "نقش" نامی مجلہ شائع ہوتا۔ حلقۂ معاونین کی توسیع کے لئے یہ دور دراز کا سفر کیا گیا تھا۔ لاہور، لائلپور کے بعد تیسری منزل کراچی تھی۔ لائلپور سے ٹیلیگرام کے ذریعہ اپنی حاضری کی اطلاع دی گئی۔ علی الصبح گاڑی کراچی اسٹیشن پر رکی تو مجھے اس کا تصور بھی نہیں تھا کہ مرحوم اس کم مایۂ وتہی دامن کی عزت افزائی کے لئے ایک اچھی خاصی جماعت کے ساتھ پذیرائی فرمائیں گے۔ درحقیقت ان کی بلند پایہ نمود فطرت اور شرف حسبی اور نسبی کے تقاضے تھے کہ وہ ایک ذرۂ بے مقدار کو بھی اپنی عنایتوں سے سرفراز فرمانے میں کسی بخل سے کام نہیں لے رہے تھے۔

مدرسہ اسلامیہ عربیہ نیوٹاؤن کی عمارتیں بن رہی تھیں اور خود وہاں کی موجودہ

رفیع الشان مسجد کی بھی تکمیل نہیں ہو سکی تھی بلکہ مرحوم کے فلذ الکبد مولوی محمد صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ عن الشرور بچپن ہی کے حدود سے آگے بڑھنے نہیں پائے تھے۔ ایک عشرہ کے قریب مرحوم کے وسیع دستر خوان سے جو وسعت حوصلگی کا نمونہ اور متنوع خصوصیات کا مظہر تھا۔ زلہ ربائی کی سعادت نصیب حقیر تھی۔ یہیں مولانا کی زبان سے ان کے قلمی نسخے معارف السنن کے بہت سے صفحات سننے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ یہ دوران کی تصنیف کے وسیع تعارف کی تمہید تھی۔ کراچی کے اعلیٰ غیر سرکاری علمی حلقوں میں وہ متعارف ہو چکے تھے۔ میں دیکھتا کہ علماء، فضلاء، انشاء پرداز، امیر، غریب، مسائل میں رجوع کرنے والے، مسئلے پوچھنے والے۔ غرضیکہ ہجوم ان کے ارد گرد جمع رہتا۔ اگر میرا حافظہ غلطی نہیں کرتا تو اس زمانہ میں سید جمیل صاحب اکاؤنٹنٹ جنرل پاکستان کسی خاص اسکیم میں ان سے بار بار مشورہ کے لئے آئے۔ بلکہ موصوف نے اپنی عظیم کوٹھی پر پرتپاک ضیافت میں بمعیت مولانا مجھے مدعو بھی کیا تھا۔ بے تکلف عرض ہے کہ مولانا کے طفیل میں شاید ہی کوئی دن کسی پُرتکلف ضیافت سے خالی جاتا۔ باوانی صاحب کی دعوت تو ہمیشہ یاد رہے گی جس میں الوان و اقسام کے کھانوں کا تعدد حیرت انگیز تھا۔ اس وقت پاکستان سیاسی ہچکولے لے رہا تھا اور اشیاء کی یہاں بڑی نایابی تھی۔ مجھے خوب یاد ہے کہ ایک صاحب نے لپٹن چائے جو ہندوستان میں بکثرت وارزاں مہیا تھی نادر تحفہ کی حیثیت میں مولانا کو یہ کہہ کر پیش کی تھی کہ آپ اپنے ان عزیز مہمانوں کو ضرور پلائیے۔

سادگی

ذہین طبقہ مولانا کی اس سادگی کو پا گیا تھا کہ وہ چند کلمات تعریف سنکر مسائل بولتے رہتے ہیں۔ اس لئے پوچھنے والے آتے اور کہتے۔ دیکھئے مولانا آپ کے سوا اسے کون حل کر سکتا ہے۔ علمی مشکلات کا تشفی بخش جواب تو بس آپ کے یہاں ملتا ہے" مولانا سنبھل کر بیٹھ جاتے اور ان کے وفور علم کا بحر ذخار طغیانی میں آجاتا۔ یہ منظر صبح سے تا دوپہر، دوپہر سے شام تک بلکہ رات کے سناٹے میں بھی مسلسل دیکھنے میں آتا۔ وہ تھک جاتے اور کبھی کبھی بے قابو ہو کر گردن پیچھے ڈالدیتے۔ تعب کو دیکھکر ایک روز میں نے عرض کیا

آپ اس قدر تعجب کیوں اٹھاتے ہیں؟ اور آپ نے یہ کیوں ضروری قرار دے لیا کہ ہر سوال کا جواب اس تفصیل سے عنایت فرمائیں گے۔ مگر ان کا جواب ان کی سادہ مزاجی کی آئینہ دار ہے۔ فرمایا کہ یہ بھی تعریف اکثر کرتے ہیں اور میں مست ہو کر آمادۂ بیان ہو جاتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ اس جواب لاجواب کا میرے پاس کیا جواب تھا۔ اس ذیل کا ایک لطیفہ اور سننے کے قابل ہے۔

ایک دن کہیں مولانا کی رفاقت میں دعوت کا پروگرام تھا۔ مولانا نے چلنے کی تیاری کی دستار جو ہمیشہ کلاہ پر مزین رہتی تھی اسے زیب سر کیا، عبا کو زیب بدن۔ چھڑی ہاتھ میں۔ اتنے میں ان کے صاحبزادے محمد اندر سے نمودار ہوئے اور مولانا کی عبا کو پکڑ کر اصرار کیا کہ میں بھی ساتھ چلوں گا۔ مولانا انہیں ساتھ نہیں لے جانا چاہتے تھے۔ لیکن ظاہر ہے کہ یہ مقابلہ کسی معقولیت سے حل نہیں ہو سکتا تھا۔ افہام و تفہیم بلکہ بہکانے بھسلانے کی ساری ہی کوششیں بیکار گئیں۔ مولانا نے چپکے سے فرمایا:۔

کہ محمد مجھ سے بھی زیادہ تعریف پسند واقع ہوا ہے۔ دیکھئے اب میں اسے کس تدبیر سے جدا کرتا ہوں"۔

یہ کہہ کر مولانا نے محمد کی تعریف میں ایک طویل قصیدہ پڑھا جس کا اختتام اس مصرع پر ہوا کہ۔ ع

"ان خصوصیات کے مالک کیا بن بلائے دعوت میں شرکت کرتے ہیں"

واقعی تیر نشانے پر بیٹھا۔ پڑھا ہے کہ ذوق کی ایک رباعی مدتوں سے غائب اس بادشاہ کو دارالسلطنت واپس لانے کے لئے مہمیز کا کام کر گئی تھی جو طویل عرصہ سے راجدھانی سے غائب تھا اور پھر وہ اس شان سے بھاگا کہ پاؤں میں جوتا پہننے کی تاخیر اس کے لئے گوارا نہیں تھی۔ مولانا کے بھی اس قصیدۂ در مدح محمد کے بعض بند واقعی محمد کے قدم بند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اور میں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ محمد اپنی تعریف سنکر گھر میں داخل ہو گئے۔ مرحوم نے فاتحانہ انداز میں سر کو جنبش دیتے ہوئے اپنے خاص لہجہ میں فرمایا کہ:۔

"جی ہاں! دیکھ لیجئے کہ میں اس کے مرض کی صحیح تشخیص کے بعد کامیاب علاج پر کس قدر قادر ہوں"۔

پاکستان میں مولانا کے درس بخاری میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی۔ وہاں کا منظر عجیب و غریب تھا۔ مولانا تحقیقات کا انبار لگا رہے تھے۔ حوالوں پر حوالے۔ نکتہ آفرینیوں کا مرقع

کہ اچانک ایک طالب علم نے کوئی اشکال پیش کر دیا۔ مرحوم کی شعلہ طبیعت بھڑک اٹھی۔ پھر جو برسے ہیں تو مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں مولانا اس کا کام تمام نہ کر دیں۔ استغفر اللہ، استغفر اللہ کے نعرے ان کی زبان پر تھے اور اہمال سے سے کر ہلکے و سخت سبھی الفاظ جو ان کے غیظ و غضب کی قاموس میں موجود تھے اس غریب کے لئے استعمال کر ڈالے اور پھر اس سے زیادہ تعجب انگیز یہ کہ چند ہی منٹ میں منہ کا مزہ بھی بدل گیا اور چہرے کے آثار بھی۔ اب اسی طالب علم سے مرحوم شیر و شکر ہو رہے تھے۔

حجاز کے سفر میں عصر سے تا عشاء میں مرحوم کے ساتھ حرم میں بیٹھتا۔ وہ مجھے بار بار تنبیہ کرتے کہ کچھ پڑھو یا صرف حرم کو دیکھتے رہو۔ لیکن اس انتباہ کی خلاف ورزی ہمیشہ ان کی ہی جانب سے ہوتی رہی۔ جب سادھ لیتا تو وہ خود بولتے، میں نہ بولتا تو دوسروں کو مصروف گفتگو کر لیتے۔ ایک روز ایک یمنی سروں سے پھلانگتا ہوا بیت اللہ کی طرف بڑھ رہا تھا۔ مولانا اس کی نازیبا حرکت پر اسقدر برافروختہ ہوئے کہ حرم ہی میں اس کی تادیب فرمائی۔ یہ تادیب زبانی ہی نہیں تھی بلکہ اس میں ہاتھوں سے بھی کام لیا گیا تھا۔ اس منظر کو دیکھ کر میں سمجھا کہ وہ دیر تک کے لئے مکدر ہو گئے۔ لیکن ابھی چند سکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ ایک دوسرا منظر سامنے تھا۔ مرحوم یمنی کو منا رہے ہیں اس کے پیر پکڑ رہے ہیں۔ اسے کچھ نقد دیکر معافی دینے پر آمادہ کر رہے ہیں اور اس مہم میں کامیاب ہو کر اپنی جگہ پر مراجعت فرما ہوئے تو مجھے یہ سنا رہے ہیں کہ

"جی ہاں! فلا رفث ولا فسوق ولا جدال کا حکم ہے"۔

غرضیکہ اس طرح ان کی سیمابی طبیعت کے متضاد مناظر خوب سامنے آئے۔

عجلت پسندی

موصوف بولنے، چلنے، اٹھنے اور بیٹھنے میں بڑے عجلت پسند واقع ہوئے تھے۔ وہی سبق جس کا ذکر گذرا اور جس میں شرکت کی سعادت میرے مفاخر میں ہے، دیکھا کہ مولانا آخر میں بار بار فرماتے ہیں اور جس قدر تقریر تیز ہوتی ہے اتنا ہی اس کلمہ کا ورد بڑھ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ مولانا کا تکیۂ کلام ہے۔ درس میں شریک طالب علم نے خدا جانے صحیح یا غلط بتایا تھا کہ یہ (آیا خیال مبارک میں) کا اختصار ہے، جس کا مرحوم کی سیماب وار طبیعت نے مثلہ کر دیا تھا پھر ایک معتبر ذریعہ سے یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہ ختم نبوت کے سلسلہ میں کوئی وفد لیکر ذوالفقار علی بھٹو سابق وزیر اعظم پاکستان کے یہاں پہنچے۔ گفتگو نرمی و ملاطفت کے حدود سے

سے نکل کر گرمی و مجادلت کی سرحدوں میں داخل ہوگئی ۔ دروغ برگردن راوی ۔ بھٹو نے ایک موقع پر کہا "تو کیا میں پھر استعفا دیدوں" مولانا نے تمام آداب بالائے طاق رکھتے ہوئے نہا جلالانہ انداز میں فرمایا کہ

"جی ہاں ! دیجئے فوراً دیجئے" !!

وفورِ علم

کراچی کی وہ شام ہمیشہ یاد رہے گی ، وہ مجھے ساتھ لیکر سمندر کی تفریح کر رہے ہیں کشتی پر وہ ہیں، میں ہوں اور رفیق سفر۔ آج مولانا کی طبیعت بڑے موڈ پر تھی، کوئی بات شروع ہوتی تو اس کے مناسب عربی شعر پڑھتے اسے مبالغہ نہ سمجھئے کہ انھوں نے ایک ہی مضمون پر دس دس تک اشعار پڑھ ڈالے ۔ لغات کا تذکرہ چلا تو کسی ایک لفظ کے مترادفات کی طویل فہرست سنادی ۔ بعض احادیث اور آیات قرآنی کا نیا ہی محل پیش فرمایا ۔ میں ان کے وفور علم کا تو پہلے ہی سے معتقد تھا اب تبحر اور علم میں گہرائی اور گیرائی کا نیا ہی منظر سامنے تھا ۔ خدا کے انعام و افضال کا کہاں تک شکر یہ ادا کروں ۔ دو سفر حج ان کی معیت میں مجھے نصیب ہوئے جس میں ان کی باغ و بہار طبیعت ، زود رنج مزاج ، چڑھاؤ اور اسی تیزی سے اتار کے دلچسپ اور حیرت انگیز منظر کھل کر سامنے آئے ۔ انھوں نے کمال شفقت و بزرگانہ عنایت سے مجھے اپنے ساتھ ملحق کر لیا تھا اور یہ حسن جواب تھا حضرت والد مرحوم مولانا محمد انور شاہ الکشمیری کے حسن الحاق کا جس کی تفصیل خود انہی کی زبانی یہ ہے : ۔

"میں اپنے وطن سے حضرت شاہ صاحب کے وفور علم کے چرچے سنکر اس شوق و تمنا میں دیوبند پہنچا کہ حضرت ہی سے حدیث پڑھوں گا ۔ لیکن جب دیوبند پہنچا تو حضرت دار العلوم سے مستعفی ہو کر خانہ نشین ہو گئے تھے ۔ میں نے بطرز علامہ حریری عربی ادب میں ایک بلیغ تحریر لکھی جس میں اپنے بصد شوق حاضری اور دیوبند کے موجودہ حالات پر اپنی یاس و حسرت کا اظہار تھا ۔ یہ تحریر جیب میں لئے محلہ خانقاہ میں حضرت شاہ صاحب کے رہائشی مکان پر جا پہنچا ۔ حسن اتفاق اس وقت وہ تنہا تشریف فرما تھے ۔ پہلی ہی زیارت میں شیخ کا نقش میرے رگ و ریشہ میں رچ گیا سلام و کلام کے بعد میں نے وہ تحریر جیب سے نکال کر پیش کی تو حضرت نے بغور

مطالعہ فرماکر خاص نظر سے مجھے سر سے پاؤں تک دیکھا اور فرمایا مولوی صاحب
آپ بہت دیر میں آئے۔ اب عاجز ہو چکا ہوں۔ قویٰ میں طاقت نہیں رہی۔ خیر
آپ کو اپنے سے ملحق کئے لیتا ہوں"

یہی واقعہ سناکر مجاز میں مرحوم نے مجھے اپنے ساتھ ملحق فرمالیا۔ مزدلفہ کی وہ رات بھلائی نہیں جاسکتی جب میں نے ان سے اچانک چائے کی فرمائش کی۔ وہ یہ فرمائش سنتے ہی آگ بگولا ہو گئے۔ تکلف برطرف۔ فرمایا

"تم نے مجھے عاجز کر دیا، میں اب تمہارے لئے چائے کہاں سے لاؤں، نہ میرے پاس چائے کا سامان نہ یہاں کوئی دکان۔ خدا کے بندے کسی چیز کی فرمائش سوچ سمجھ کر کرنی چاہئے"۔

وہ کہتے جاتے تھے اور اپنے خاص انداز میں غضب ناک ہو رہے تھے اور مجھے بے اختیار ہنسی آ رہی تھی چونکہ اس مختصر رفاقت میں میں ان کے مزاجی مدوجزر سے خوب واقف ہو چکا تھا اس لئے ان کے جوش وخروش سے نہ میں مرعوب ہوتا تھا اور نہ میری فرمائشیں ششدر ہوتیں، بلکہ میں نے عرض کیا کہ الحاق کوئی آسان کام ہے، کیا سمجھ کر آپ نے ملحق کیا تھا۔ اور کیا ہے تو پھر ناز و نخرے برداشت کرنے ہوں گے۔ یہ معروضہ ان کے بڑھتے ہوئے غضب کے لئے شبنم بن گیا۔ وہ اٹھے اور ادھر ادھر پھرنے لگے۔ قریب میں انھیں کچھ بدوی قہوہ پیتے ہوئے نظر آئے۔ میں نے دیکھا مولانا ان میں شریک ہو گئے اور گھل مل کر باتیں کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر میں میرے پاس آئے اور فرمایا کہ چلئے چائے پی لیجئے۔ اب میں عربوں کے ساتھ چائے کی چسکیاں لے رہا تھا اور مرحوم خالص بدوی لب و لہجہ میں انکے ساتھ مصروف گفتگو۔ بدویوں کیلئے یہ شخصیت حیرت انگیز بنی ہوئی تھی کہ پاکستانی ہونے کے باوجود اور دیہاتی عربی میں اس طراری سے مصروف گفتگو۔ مولانا وہاں سے اٹھے تو حسب دستور فاتحانہ انداز میں سر کو جنبش دیتے ہوئے فرما رہے تھے۔

"جی ہاں! دیکھئے بدویوں سے میں کیسا گھل مل گیا اور ان کے لب و لہجہ میں میں نے کس بے باکی سے گفتگو کی ہے"۔

اس طرح چائے نصیب ہوئی اور ہم لوگ واپس آ گئے۔ میں مولانا کا خاص طور سے ممنون ہوا اور انھیں خوب خوب داد دی۔ وہ اپنے استاذ جلیل سے سعادتمندانہ تعلق ہی نہیں بلکہ والہانہ عشق رکھتے تھے ــ بہت سی باتیں اور کہانیاں حافظہ میں مچل رہی ہیں لیکن انکا ذکر کہاں تک کیا جائے۔ مختصر یہ کہ اس یوسف ثانی کو علمی دنیا ایک مدت تک نہ بھلا سکیگی اور قدر شناس حلقوں میں ان کے علمی کارناموں کا چرچا ہوتا رہے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

خلقِ عظیم

دربارِ اقدس میں صحابہ کرامؓ کا ہر وقت جمگھٹا رہتا۔ ستارے تھے کہ گرد ماہ جمع رہتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے تو صحابہ کرامؓ خاموشی سے سنتے اور قطع کلام کی ہرگز جرأت نہ کرتے۔ حضورؐ کے ارشاد کی تعمیل میں کمال عجلت سے کام لیتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی کسی سے ملتے خواہ چھوٹا ہو یا بڑا اسے السلام علیک کہنے میں ہمیشہ پہل کرتے۔ احباب سے ملاقات کے وقت اُجلا لباس پہننے کا اہتمام بھی فرماتے تھے

جاں نثاروں کے حالات سے ہر لحظہ باخبر رہتے۔ اگر کوئی علیل ہوتا تو اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے۔ اگر کوئی سفر میں گیا ہوتا تو اس کے لئے دعائے خیر فرماتے۔ انتقال کرجانے والوں کے حق میں انا للہ کہتے اور مغفرت کی دعا فرماتے۔

آزردہ دلوں کی دلجوئی کرتے، دلاسا دیتے، احباب کے باغات میں تشریف لے جاتے اور ان کی ضیافتوں میں شریک ہوتے۔

علماء کی قدر فرماتے۔

سب سے بخندہ پیشانی ملتے، عذر خواہ کا عذر قبول کرلیتے۔

توانا اور ناتواں سے یکساں عدل فرماتے۔

پاس ادب کی نیت سے عقب میں چلنے والوں کو اپنے ساتھ ساتھ چلنے کے لئے کہتے۔ ہنگام سفر اگر خود سوار ہوتے تو ہمراہی کو بھی سوار کرلیتے اور پیدل نہ چلنے دیتے۔ اگر وہ سوار ہونے کا تامل کا اظہار کرتا تو فرماتے کہ میری رفاقت ترک کر اور تجھے جہاں جانا ہے چلا جا۔

اپنے خادموں سے مروت کا سلوک فرماتے۔ غلاموں کے لباس اور خوراک میں ادنیٰ اور اعلیٰ کا امتیاز روا نہ رکھتے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس سال تک سفر و حضر میں آنحضرتؐ کی خدمت گزاری کی

لیکن میری خدمت کے مقابلہ میں آنحضرت کی شفقت بدرجہا زیادہ ہوتی تھی۔ اس تمام تر عرصہ میں اُف کا ناخوش کلمہ آنحضرتؐ کی زبان سے کبھی نہیں نکلا۔ کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر باز پرس نہیں کی ——!

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق عالیہ سے متعلق ایک استفسار کے جواب میں فرمایا کہ "آپ کا خلق قرآن کی تفسیر تھا"۔

آپ کی خوشی اور غصہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے تھا، اپنی ذات کے لئے ناراض نہ ہوتے اور نہ کبھی کسی کو سرزنش کرتے۔ لیکن احکام باری تعالیٰ سے نافرمانی کرنے والوں سے ضرور باز پرس کرتے اور جب کبھی ایسا ہوتا تو آپ کے غصہ کی تاب کوئی نہ لا سکتا تھا۔

آنحضرت شجاع ترین۔ بے حد سخی اور کریم انسان تھے۔ ایسا کبھی نہ ہوا کہ کسی نے کوئی چیز مانگی ہو اور آپ نے دینے سے انکار کر دیا ہو۔ درہم و دینار گھر میں نہ رہنے دیتے تھے۔ اگر بفرض محال رہ جاتا تو جب تک انہیں مستحق لوگوں کو دے کر بری الذمہ نہ ہو جاتے گھر میں تشریف نہ لاتے۔

بیت المال سے اپنے اور اہل بیت کی ایک سالہ ضروریات کے لئے ارزاں ترین جنس یعنی کھجور اور جو وغیرہ لے لیا کرتے۔ پھر اس میں سے بھی اتنی خیرات فرماتے کہ سال گزرنے سے پیشتر ہی یہ ذخیرہ ختم ہو جاتا۔

آنحضرتؐ کی گفتگو سراسر صدق و صفا کا آئینہ ہوتی تھی۔ ایفائے وعدہ کا ہر حالت میں خیال رکھتے۔ بزرگانِ خدا کو نیکی کا درس دیتے۔ بیگانوں اور یگانوں سے نرمی برتتے۔ حلم اور بردباری آپؐ کی طبیعت کے خاص اوصاف تھے۔

نظر ہمیشہ سوئے زمین رکھتے تھے۔ آسمان کی طرف کم دیکھتے تھے۔ اکثر آپ کا دیکھنا گوشۂ چشم سے ہوا کرتا تھا۔

متواضع اس قدر تھے کہ امیر و غریب، غلام و آزاد کسی کی دعوت رد نہ فرماتے۔ مخلوق خدا پر شفقت کا یہ عالم تھا، بلی کو دودھ پلاتے ہوئے اس کے سیر ہو جانے تک برتن اس کے آگے بڑھائے رکھتے۔

آپ کی ذات اس قدر پاکیزہ تھی کہ لذات دنیویہ کبھی آپ کو مغلوب نہ کر سکیں۔

اپنے احباب کی عزت کرتے، مجلس میں پاؤں پھیلا کر نہ بیٹھتے۔ خدمت میں آنے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی اور جگہ تنگ ہو جاتی تو اپنے پاؤں سمیٹ کر جگہ فراخ فرما دیا کرتے۔ آنحضرتؐ کا زانو اہل دربار کے

کسی فرد کے زانو سے آگے نکلا ہوا نہ ہوتا۔

اگر کوئی حضرت کو ناگاہ دیکھ پاتا تو ہیبت زدہ ہو جاتا لیکن دربار رسالت میں محبت کی فراوانی حیرت ناک طور پر محسوس کرتا۔

ایک سفر کا واقعہ ہے کہ آنحضرتؐ نے صحابہؓ کو گوشت پکانے کا حکم دیا۔ ایک صحابی بولے کہ بکرے کو ذبح میں کروں گا۔ دوسرے نے بکرے کی کھال اتارنے کا ذمہ لیا۔ تیسرے نے پکانے کی اجازت چاہی آنحضرتؐ نے فرمایا "جنگل سے لکڑیاں ہم لائیں گے"۔ صحابہؓ نے عرض کیا، یا رسول اللہؐ! ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہم سب انتظام خود کرلیں گے۔ آپ کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔ آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے یہ پسند نہیں۔ کہ تم پر اپنی فوقیت جتاؤں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ خصلت بہت مکروہ ہے۔ چنانچہ آپ اسی وقت تشریف لے گئے اور جنگل سے لکڑیاں جمع کر لائے۔

ایک اور سفر کے دوران میں آنحضرتؐ اونٹ پر سوار تھے۔ نماز کا وقت آیا، اونٹ سے اترے اور نماز پڑھی۔ جب پھر سوار ہونے لگے تو صحابہ کرامؓ آپؐ کو سوار کرنے میں مدد دینے کے لئے آگے بڑھے۔ فرمایا: رہنے دو تمہاری ضرورت نہیں۔ تم میں سے کسی کو کبھی دوسرے سے ہرگز مدد طلب نہ کرنی چاہئیے خواہ وہ مسواک یا کپڑے کا سوال ہی کیوں نہ ہو۔

آنحضرتؐ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے ذکر الٰہی میں مصروف رہتے۔ مجلس میں جہاں جگہ ملتی تشریف فرما ہو جاتے۔ اور ساتھ نشینی کا خیال کبھی دل میں نہ لاتے اور تمام مسلمانوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی ہدایت فرماتے۔ ہر صحابیؓ سے کچھ اس طرح پیش آتے کہ وہ سمجھتا کہ بس حضورؐ کی نظر میں وہی سب سے زیادہ عزیز ہے وجہ یہ تھی کہ سب سے خندہ پیشانی کے ساتھ ملتے۔ جب تک کوئی شخص خود بخود اٹھ کر نہ چلا جاتا آنحضرتؐ بھی بیٹھے رہتے۔ اگر کوئی ضرورت پیش آجاتی تو معذرت فرما کر تشریف لیجاتے۔ آپ نے کبھی کسی کی دل شکنی نہیں فرمائی۔ اگر نادانستہ طور پر کسی سے کوئی بے ادبی ہو جاتی تو آپ معاف فرما دیتے اور درگزر کرتے۔ بیماروں کی عیادت فرماتے، فقیروں کو دوست رکھتے اور ان کے ساتھ بیٹھنے کو پسند فرماتے۔ کوئی نادار مسلمان انتقال کر جاتا تو اس کے جنازے میں شریک ہوتے۔ کسی فقیر کو اس کی مسکینی کے باعث حقیر نہ گردانتے اور نہ کسی بادشاہ کی امارت و شوکت سے مرعوب ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گراں بہا سمجھتے۔ کسی خوراک سے نفرت نہ کرتے۔ اگر رغبت ہوتی کھا لیتے ورنہ ترک کر دیتے۔ پڑوسیوں کا خیال رکھتے۔ مہمانوں کی تواضع میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتے۔ چہرہ اقدس ہر وقت متبسم اور شگفتہ رہتا۔ جوتوں اور کپڑوں کو خود ہی پیوند لگا لیا کرتے۔ سواری کیلئے گھوڑے، اونٹ اور خچر کو پسند فرماتے۔ چادر کے گوشے کو پانی میں بھگو کر خود ہی گھوڑے کے جسم کو صاف کرتے۔ آنحضرتؐ فال لینا بھی پسند کرتے تھے۔ فال سے مراد یہ ہے کہ جب انسان کسی کام میں مشغول ہو تو کوئی نیک کلمہ کہ جس کے سننے سے خوشی محسوس ہو، اس کے کان میں پڑے

(مدیر)

ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ

حضرت راس المحدثین مولانا شاہ عبدالعزیزؒ متوفی ۱۲۳۹ھ کی ذات با برکات علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے فرزند ارجمند اور ان کے جانشین تھے۔ آپ نے ساٹھ سال تک مدرسہ رحیمیہ دہلی میں حدیث شریف کا درس دیا اور اس شان سے کہ برصغیر ہندوستان قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نغموں سے گونج اٹھا۔ آج بھی ہندوستان و پاکستان و بنگلہ دیش کے اکثر محدثین کا سلسلۂ سندِ حدیث آپ ہی پر جا کر منتہی ہوتا ہے۔

حدیث رسول اللہؐ تو آپ کا مخصوص فن تھا۔ اس کے علاوہ ہر علم و فن میں آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کے بقول ایک سو پچاس علوم و فنون آپ نے حاصل کئے تھے جن میں سے نصف امت محمدیہ کی ایجاد تھے اور نصف دوسری قوموں اور ملتوں کے۔ دائرۂ ارشاد و ہدایت بھی بے حد وسیع تھا۔ طالبین سلوک و معرفت ہندوستان کے کونہ کونہ سے آتے تھے اور اپنی باطنی پیاس بجھاتے تھے۔

والد محترم حضرت مولانا قاضی محمد بشیر الدین مرحوم و مغفور کو حضرت شاہ صاحب کے علوم و فنون سے بڑا شغف تھا۔ ایک وجہ اس کی یہ بھی تھی کہ وہ حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی کے متوسلین میں سے تھے اور حضرتؒ سے ان کو اجازتِ حدیث حاصل تھی۔ اور جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں حضرت گنج مرادآبادی ہندوستان میں حضرت شاہ صاحب کے بلا واسطہ شاگرد تھے۔ اسی شغف کی بنیاد پر وہ حضرت شاہ صاحب کی تصنیفات و افادات کی جستجو میں لگے رہتے تھے۔ چنانچہ کہیں سے ان کو حضرتؒ کے ملفوظات کا ایک پرانا نسخہ ہاتھ لگ گیا اور انہوں نے ۱۳۱۴ھ میں اپنے مطبع مجتبائی میرٹھ میں طبع کرا کر شائع کر دیا۔

یہ نسخہ فارسی زبان میں تھا اور دریدہ و بوسیدہ بھی تھا۔ والد مرحوم نے

بنظر احتیاط جیسا کہ مقدمہ کتاب میں لکھا ہے اس میں تصرف کرنا مناسب نہ سمجھا اور اسے جوں کا توں شائع کر دیا۔ اس لئے اگرچہ اس میں جا بجا اغلاط ہیں، تاہم گراں بہا معلومات کا خزانہ ہے۔ اس زمانہ میں اس کا ایک ترجمہ بھی مطبع ہاشمی میرٹھ سے شائع ہوا۔ یہ بھی اغلاط سے پُر ہے۔

خاکسار مدیر، ناظرین کرام کے لئے سلسلہ وار اصل ملفوظات اور اس کا ترجمہ پیش کر رہا ہے۔ ترجمہ میں اس کا خیال رکھا گیا ہے کہ بامحاورہ بھی ہو اور اصل عبارت سے اس کا تعلق بھی قائم رہے۔ کہیں کہیں تشریحی نوٹ بھی دیدیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کی توفیق دے۔

افسوس ہے کہ جامع ملفوظات کے نام اور حالات معلوم نہ ہو سکے۔ البتہ ملفوظات ہی سے یہ اندازہ ہوتا ہے (جیسا کہ حضرت والد مرحوم نے لکھا ہے) کہ وہ حضرت شاہ صاحب کے اخص الخواص مسترشدین میں سے تھے جن کی جدائی سے حضرت شاہ صاحب کو بے حد صدمہ ہوا اور ایک جگہ ان کو سلوک و معرفت میں اپنے خلیفہ خاص حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی کے مماثل بھی فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ، اما بعد فقیر چون بار دیگر ۱۲۳۳ھ سیزدہم ماہ رجب روز دوشنبہ بشرف ملازمت زبدۃ المفسرین خلاصۃ المحققین جامع علوم ظاہری واقف فنون باطنی سیدنا و مرشدنا و ہادینا حضرت مولانا مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس اللہ اسرارہم مشرف گشت و بعد چہار روز استجازت کتابت بعضے از فوائد قولے و فعلے آنحضرت کہ احصائے جمیع آں دشوار است کرد و یافت و از روز جمعہ شروع نمود و باللہ التوفیق۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔ اما بعد۔ فقیر جب دوسری مرتبہ ۱۳ رجب ۱۲۳۳ھ کو پیر کے دن زبدۃ المفسرین خلاصۃ المحققین جامع علوم ظاہری واقف فنون باطنی سیدنا و مرشدنا و ہادینا حضرت مولانا مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس اللہ اسرارہم کی خدمت میں حاضری کی عزت سے مشرف ہوا، اور چار روز کے بعد حضرت سے بعض ارشادات و حالات کو لکھنے کی جس کا مکمل طور پر احاطہ کرنا دشوار تھا۔ اجازت مانگی اور (حضرت کی عنایت سے) مل بھی گئی

تو رہا اور رجب کو جمعہ کے دن سے لکھنا شروع کر دیا)

و باللہ التوفیق۔

روز دوشنبہ بعد عصر در اثنائے مشی کہ معمول حضرت است شرف قدمبوسی حاصل کرد بعد استفسار خیر و عافیت جسمانی روحانی واہلی ومالی از کسب اشغال وغیرہ پرسیدند عرض داشتم کہ انشاءاللہ العزیز عرض خواہم داشت و در روز علی الاکثر پیغام و سلام علماء و مشائخ و اشتیاق قدمبوسی و بیعت احبائے خود مثل مولوی عسکری و غلام انبیا خانصاحب وغیرہ و محبت و جاں نثاری اکثر عقیدتمندان صوبجات نسبت بحضرت و مریدان خصوصاً منشی نعیم الدین خانصاحب و محبی و عزیزی شیخ لطف علی و شیخ مبارک اللہ وغیرہ آنچہ بیاد می آمد مجملاً و مفصلاً گذارش ساختم و در تجویز مکان سکونت و آوردن اسباب و صاف نمودن گذشت۔

پیر کے روز عصر کے بعد ٹہلنے کے دوران جو حضرت کا معمول ہے، قدمبوسی کی عزت حاصل ہوئی۔ خیر و عافیت جسمانی و روحانی و خاندانی و مالی کے دریافت فرمانے کے بعد اشغال و اوراد کی مصروفیت کے متعلق معلوم فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ انشاءاللہ العزیز کسی اور وقت عرض کرونگا اور دو روز تک اکثر اوقات علماء و مشائخ کے پیغام سلام اور اپنے احباب مثل مولوی عسکری و غلام انبیاء خانصاحب کا اشتیاق قدم بوسی و بیعت اور مختلف صوبجات کے عقیدتمندوں اور مریدوں خصوصاً منشی نعیم الدین خانصاحب اور محبی و عزیزی شیخ لطف علی اور شیخ مبارک اللہ وغیرہ کی محبت و جاں نثاری کا ذکر، مختصر اور مفصل جیسے جیسے یاد آتا رہا۔ حضرت کی خدمت میں کرتا رہا (اس کے علاوہ یہ دن) رہنے کے لئے مکان کی تجویز اور سامان فراہم کرنے اور اسے صاف کرنے میں گذر گئے۔ اس دوران میں

ارشاد شد۔ باعتبار سورہ آخر سورۃ اذا جاء کہ آں را سورہ نصر و فتح می گویند است خبر پیغام اجل آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم متضمن بود و جہت آنکہ چوں انواع نصرت بحضرت رسید و آنچہ مطلب از بعثت بود بحصول انجامید حالا بیا۔

ارشاد فرمایا:۔ قرآن شریف کی سورتوں کے نزول کی ترتیب کے اعتبار سے آخری سورہ اذا جاء ہے جسے سورۂ نصر اور سورۂ فتح کہتے ہیں یہ سورہ اشارۃً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا پیغام آنے کی خبر تھی اس لحاظ سے کہ

ارشاد شد۔ کہ آنحضرت مصداق حسبہ

خلافت حضرت آدم دتتمم آن از چہار نوع بود۔ مریدے عرض داشت کہ سوائے تفسیر ظاہر از آیات واحادیث واقوال بزرگان نکات و لطائف کہ ارشاد می شود و بزرگان سلف فرمودہ اند مقصود گوینده ہم بودہ باشد یا از قبیل فہمید عشاق از اقوال و احوال مختلف شعرا مثل خسرو و سعدی و حافظ حالت فنا وبقا و راز دنیا خود است۔ ارشاد شد مطلب قرآن کہ علم الٰہی است حاوی جمیع معلومات ازلی و ابدی است او تعالیٰ بے شبہ میدانست کہ فلاں ایں مطلب خواہد فہمید۔ آنچہ ہمہ می فہمند خواہد بود باقی بخیر۔

جب ہر طرح کی رائے اللہ تعالیٰ کی مدد آپ کو حاصل ہو چکی اور جو مقصد آپ کی بعثت کا تھا (یعنی اشاعت اسلام) وہ حاصل ہو چکا تو فرمایا گیا۔ اسے پیغمبر اب ہمارے پاس آجائیے (یہ مضمون احادیث سے بھی ثابت ہے) ارشاد فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، خلافت الٰہی کی اس قبر سے جو حضرت آدم علیہ السلام کو دی گئی۔ صحیح مصداق اور اس کے مقاصد کی تکمیل کرنیوالے چار اعتبار سے تھے۔[۵] ایک مرید نے عرض کیا کہ آیات واحادیث و اقوال بزرگاں سے جو تفسیر قرآن کی سمجھ میں آتی ہے اس کے علاوہ جو نکتے اور لطیفے آپ ارشاد فرماتے ہیں اور پچھلے بزرگوں نے بھی بیان کئے ہیں کہنے والے (اللہ تعالیٰ) کا مقصد وہی ہوتا ہے یا جس طرح مختلف شعراء جیسے خسرو، سعدی اور حافظ کے مختلف اقوال احوال سے عاشق مزاج لوگ (اپنے اپنے ذوق کے مطابق) فنا و بقا اور راز دنیا کے حالات مراد لیتے ہیں، ایسے ہی یہ بھی ہوتے ہیں۔

ارشاد فرمایا: قرآن شریف کا مطلب جو علم الٰہی ہے تمام ازلی و ابدی معلومات کو حاوی ہے اور بے شبہ اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ فلاں شخص یہ مطلب سمجھے گا مگر حقیقت یہ ہے کہ (جو مطلب صاف طور پر متبادر ہو) اور سب اہل علم سمجھ سکیں معتبر وہی ہوگا۔ باقی اللہ اللہ خیر صلاح۔

[۵] یوں تو انسان ان اوصاف وکمالات کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے اسے عطا فرمائے ہیں، اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، مگر یہ خلافت عامہ ہے خلافت خاصہ انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے جو دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام تشریعی نافذ کرتے ہیں۔ حضرت آدمؑ کو بہ حیثیت نبی یہ منصب عطا فرمایا گیا تھا مگر خلافت خاصہ کے بھی مدارج ہیں۔ حضرت محمد صلعم کو اس کا درجہ اعلیٰ حاصل ہے اور وہ مقام خلافت الٰہیہ کے صحیح مصداق اور اس کے شرائط و مقاصد کے بدرجۂ کمال پورا کرنے والے ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس کی چار وجہیں بیان فرمائیں جو ناقل ملفوظات تحریر نہ کر سکے۔

قاضی زین العابدین سجاد

کشمیر کا علمی سیمنار

مشاہدات و تاثرات

(۱)

خطۂ کشمیر جنت نظیر کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے جس طرح ظاہری حسن و جمال سے نوازا ہے باطنی عظمت و کمال سے بھی اسے سرفراز فرمایا ہے۔ اس صدی میں اس کے دو درخشاں نمونے رئیس المحدثین حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ اور ترجمان حقیقت علامہ محمد اقبال کشمیری کی صورت میں افق علم و ادب پر جلوہ گر ہوئے ہیں۔ گذشتہ اکتوبر میں کشمیر کے ان دونوں قابل فخر فرزندوں کے علوم و معارف پر حکومت کشمیر نے دو سیمینار منعقد کئے۔ ایک مسلم اوقاف ٹرسٹ جموں و کشمیر کے زیر اہتمام تھا اور دوسرا کشمیر یونیورسٹی کے زیر انتظام۔ حضرت استاذ علامہ سید انور شاہ کشمیری سے متعلق سیمنار میں یہ خاکسار بھی مدعو تھا اور خدا کا شکر ہے بعض وقتی موانع کے باوجود مجھے اس میں شرکت کا موقع ملا۔

۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو تقریباً ایک بجے میرٹھ سے روانہ ہوا۔ ۲½ بجے کے قریب دہلی جمعیۃ علماء ہند کے دفتر مسجد عبد النبی پہنچا۔ نماز ظہر ادا کی۔ مولانا اسرار الحق ناظم جمعیۃ کے ساتھ چائے پی اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد پالم ایرپورٹ روانہ ہو گیا۔ عزیز زین الراشدین سلمہٗ مجھے پہنچانے ہوائی اڈہ تک گئے تھے ہوائی اڈہ پر حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم سے نیاز حاصل ہوا۔ موصوف بھی اسی جہاز سے سری نگر تشریف لے جا رہے تھے۔ اس اتفاقی رفاقت سفر سے بڑی خوشی ہوئی اور اطمینان بھی عصر کی نماز میں نے ہوائی جہاز ہی میں ادا کی اور قصداً ادا کی، حالانکہ اس کے لئے مجھے جگہ حاصل کرنے میں قدرے دشواری پیش آئی۔ جہاز میں ہندوستانی چند ہی تھے، بیشتر تعداد یوروپین اور امریکن مردوں عورتوں کی تھی۔ ہر نوجوان مرد کے ساتھ ایک نوجوان عورت تھی جس کی ٹانگیں رانوں تک اور ہاتھ کاندھوں تک برہنہ تھے اور ہر ایک ہاتھ میں ایک بڑا طنبورہ تھا۔ جہاز فضا میں تیر رہا تھا، نیچے پہاڑی سلسلہ تھا۔ سرسبز درختوں کے بیچ میں سفید چشمے جاری تھے۔ ایسا معلوم

ہوتا تھا کہ سبز مخمل کے فرش پر جواہرات بکھرے ہوئے ہوں۔ منظر بڑا دلکش تھا، مگر وحشت ناک بھی۔ جب یہ خیال آتا تھا کہ ذراسی انجن کی خرابی بادلوں کے اوپر سے زمین کی تہ میں پہنچا سکتی ہے تو بے اختیار زبان سے نکل جاتا تھا سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ مگر جہاز کے یورپین مسافر اپنی بے خدا دنیائے عشرت میں غرق سرمستی و بیخودی تھے۔ میں نے ان کو چڑانے کے لئے جہاز کے پچھلے حصہ میں اپنی چادر بچھادی اور سرنیاز بارگاہ رب العزت میں جھکا دیا۔

جہاز تقریباً ۵ ½ بجے سری نگر کے ہوائی اڈہ پر اترا۔ وہاں کشمیر کے ممتاز عالم اور لیڈر مولانا محمد سعید مسعودی اور کشمیر یونیورسٹی کے صدر شعبۂ عربی مولانا عبدالغنی ازہری اور بعض دوسرے اعیان استقبال کے لئے موجود تھے۔ ان دونوں بزرگوں سے میری ملاقات پہلے سے تھی۔

کار کے ذریعہ تقریباً نصف گھنٹہ میں ایم۔ایل۔ایز ہوسٹل پہونچ گئے جہاں شرکاء سیمنار کے قیام کا انتظام تھا۔ پہلے نماز مغرب ادا کی۔ پھر چائے پی اس کے بعد مجھے میرے متعینہ کمرے میں پہنچادیا گیا۔

ہوسٹل جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، کشمیر اسمبلی کے ممبران کی رہائش گاہ ہے۔ جس زمانہ میں اسمبلی کے جلسے نہیں ہوتے، دوسرے لوگ بھی مقررہ کرایہ ادا کرکے اس میں ٹھیر جاتے ہیں۔ یہ شہر کے پر فضا حصہ میں، شیخ محمد عبداللہ کی اپنی ذاتی کوٹھی کے بالکل سامنے ہے۔ کمرے وسیع اور صاف جدید لوازم تمدن سے آراستہ ہیں۔ میرا قیام تیسری منزل پر تھا۔ اس زمانہ میں سیر ٹھ میں رات کو ہلکی سی اونی چادر کافی ہوتی تھی۔ یہاں کمرہ ہیٹر سے گرم رہتا تھا۔ پھر بھی مجھے دو کمبل اوڑھنے پڑتے تھے۔ ایک کمبل مسہری کے گدے پر بھی بچھالیا کرتا تھا۔ ایک رات اس پر بھی سردی معلوم ہوئی صبح کو کمرہ کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ ایک کھڑکی ذراسی کھلی رہ گئی تھی۔

میں اپنے کمرہ میں تنہا ہی تھا، حالانکہ اس میں مسہریاں دو تھیں۔ دوسرے روز میری درخواست پر پروفیسر نثار احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی) میرے کمرے میں تشریف لے آئے۔ فاروقی صاحب مشہور صاحب قلم عالم اور میرے مخلص دوست مولانا نسیم احمد فریدی امروہی کے بھانجے ہیں۔ بڑا ستھرا تاریخی و علمی ذوق رکھتے ہیں۔ خاندان کے دوسرے اصحاب علم کی طرح اردو کے چوٹی کے مجلات میں تاریخ و تصوف کے موضوعات پر گراں قدر مضامین لکھتے رہتے ہیں۔ ان کا اس سیمنار میں بھی موضوع بحث "حضرت شاہ صاحب کا مسلک طریقت" تھا۔ قدیم دینی اداروں کے علماء کی دل سے قدر کرتے ہیں۔ اکثر پروفیسروں اور دکتوروں کے برخلاف ان پر طنز و تعریض نہیں کرتے

کسی سے ان کے خلاف کوئی غیر مناسب لفظ سن لیتے ہیں تو برہم ہو جاتے ہیں۔ تین چار روز ان کی رفاقت میں بہت لطف کے ساتھ گزارے۔

ہوسٹل میں سیمنار کے جو مندوبین مقیم تھے ان میں حضرت مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے علاوہ حسب ذیل اصحاب کے نام یاد ہیں :۔ حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی۔ مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری۔ مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی۔ مولانا سید انظر شاہ کشمیری۔ مولانا حامد الانصاری غازی۔ مولانا محمد عثمان ایم۔ ایل۔ اے۔ ڈاکٹر فضل الرحمٰن (مسلم یونیورسٹی) پروفیسر نثار احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی) مولوی سید ازہر شاہ قیصر مدیر رسالہ دارالعلوم۔ مولوی قاری عبداللہ سلیم۔ مولوی عبدالحق۔ مولوی بدرالحسن ایڈیٹر الداعی دیوبند۔ ناشتہ اور کھانے پر سب ڈائننگ ہال میں جمع ہو جاتے تھے اور مختلف موضوعات پر دلچسپ مذاکرات رہتے تھے۔

سیمنار کا افتتاحی جلسہ ۱۹ اکتوبر کو صبح دس بجے کالج فار ایجوکیشن کے لان میں وسیع اور خوبصورت شامیانوں کے نیچے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی صدارت میں شروع ہوا۔ افتتاحی فاضلانہ خطبہ وزیر اعلیٰ کشمیر شیخ محمد عبداللہ نے پڑھا۔ آپ نے پہلے سرزمین کشمیر کی علمی و دینی تاریخ پر روشنی ڈالی، پھر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے فضائل و کمالات علمی و عملی کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔ آخر میں دارالعلوم دیوبند اور اس کے اکابر کی گراں قدر تعلیمی سیاسی ملی و ملکی خدمات کو خراج تحسین ادا کیا۔ خطبہ کے اختتام پر آپ نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اللہ اکبر اور علامہ انور شاہ کشمیری زندہ باد کے نعرے لگائے۔ شیخ صاحب کے خطبۂ افتتاحیہ کے بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں بڑی پر اثر اور جامع تقریر فرمائی۔ سیمنار کے اعلانات چونکہ ریڈیو، اخبارات اور اشتہارات وغیرہ کے ذریعہ بہت وسیع پیمانے پر ہوئے تھے، اور آج خود شیر کشمیر اس کا افتتاح کرنے والے تھے۔ اس لئے عوام و خواص بہت بڑی مقدار میں شریک تھے۔ بیرونی مندوبین کے علاوہ ڈائس پر علمائے کشمیر مولانا محمد سعید مسعودی، میر واعظ مولانا محمد فاروق۔ مفتی جلال الدین، مفتی بشیر الدین وغیرہم اور حکومت کشمیر کے وزراء اور افسران تشریف فرما تھے۔ نیچے لان میں ہزارہا کی تعداد میں سامعین ہمہ تن گوش تھے۔ اس کے بعد ۲۱ اکتوبر کی صبح تک دونوں وقت کالج کے ہال میں جلسے ہوتے رہے۔

جن میں مذکورالصدر علماء و فضلاء اور کشمیری اصحاب علم و فضل نے اپنے اپنے مقالات پڑھے، اور حضرت علامہ کشمیری کے کمالات علمی و عملی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی مقالات سب ہی بڑے پُر مغز، محققانہ اور معلومات افزا تھے۔ سری نگر ریڈیو اور کشمیر کے اردو روزناموں آفتاب، سری نگر ٹائمز، آئینہ اور نوائے صبح میں سیمنار کی مفصل کارروائی اور مقالات کے خلاصے شائع ہوتے رہے۔

میرے مقالے کا عنوان تھا "حضرت علامہ کشمیری کا ذوقِ تفسیری" حضرت شاہ صاحب کا علوم حدیث میں منفرد مقام تھا اس کا تو علماء عرب و عجم سب ہی نے اعتراف کیا ہے، مگر علوم تفسیر میں ان کو جو ید طولیٰ حاصل تھا اس کا نسبتاً کم لوگوں کو علم ہے۔ میں نے ان کے کمالات کے اس پہلو کو اسی لئے انتخاب کیا۔ چنانچہ قرآن کریم کے چند عجیب اور معرکۃ الآرا مباحث کو انتخاب کر کے پہلے قدیم و جدید مفسروں کی رائیں بیان کیں، پھر حضرت شاہ صاحب کی رائے عالی کو پیش کیا، جس سے حضرت موصوف کی انفرادیت و عبقریت واضح ہو جاتی ہے۔ مقالہ پیش کرنے سے پہلے میں نے ضروری سمجھا کہ ان چند واقعات کا ذکر کر دوں جو خود میرے ساتھ پیش آئے یا جو میری نظر سے گزرے، تاکہ وہ صحیح طور پر ریکارڈ ہو جائیں۔ اس کی ضرورت اس لئے اور بھی محسوس ہوئی کہ مسیح الملک حکیم اجمل خاں کی وفات پر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم کے زمانے میں، میں نے جو عربی مرثیہ لکھا تھا اور مجمع عام میں مصروف گفتگو ہوتے ہوئے حضرت الاستاذ نے قلم برداشتہ اس پر جو اصلاح دی تھی اور اس اصلاح میں مصرعے کے مصرعے بدل دیے تھے اس کا ذکر مختلف طور پر کئی مقالہ نگاروں نے کیا تھا، اور ان میں جزوی اختلاف بھی تھا۔ مجھے پون گھنٹہ دیا گیا تھا۔ وقت کا تقریباً نصف حصہ ان واقعات کے تذکرہ میں صرف ہو گیا، بقیہ نصف میں میں مقالہ کا ایک حصہ پڑھ سکا۔ مکمل مقالہ منتظم جلسہ مولانا عبدالغنی الہاشمی الازہری نے لے لیا [illegible] انشاء اللہ دوسرے مقالوں کے ساتھ وہ بھی چھپ جائے گا

۲۱ اکتوبر کی صبح کی نشست پر سیمینار ختم ہو گیا۔ حضرت [illegible] اختتامی تقریر اور دعا فرمائی۔

یہ جمعہ کا دن تھا اور نماز جمعہ کا [illegible] یہاں کی مقدس [illegible] حضرت بل میں رکھا گیا تھا۔ حضرت بل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]

جسے تاریخی استناد حاصل ہے۔ زیارت گاہ کے برابر میں سنگ مرمر کی ایک شاندار اور خوبصورت مسجد زیر تعمیر ہے۔ یہ مقدس عمارت محل وقوع کے لحاظ سے بڑی نظر افروز ہے۔ اس کے قدموں کو کشمیر کی مشہور جھیل چومتی ہوئی گذر رہی ہے، اور جھیل کے پار بلند و بالا پہاڑ اس کے سامنے اپنی گردن خم کئے ہوئے نذرانۂ عقیدت پیش کر رہے ہیں۔

نماز حضرت مہتمم صاحب نے پڑھائی۔ اس کے بعد جلسہ کا انتظام تھا۔ جلسہ وزیر اعلیٰ کشمیر شیخ محمد عبداللہ کی صدارت میں تھا۔ پہلے شیخ صاحب نے کشمیری زبان میں صدارتی تقریر فرمائی۔ پھر مولانا مفتی عتیق الرحمٰن نے مختصر اور مولانا محمد طیب صاحب نے مفصل تقریر فرمائی جیسے ہی جلسہ ختم ہوا کشمیری مرد، عورتیں اور بچے شیخ صاحب پر ٹوٹ پڑے۔ میں نے دیکھا کہ بعض عورتیں بچوں کو گود میں لئے ہوئے شیخ صاحب کا ہاتھ ان کے سروں پر پھروا رہی تھیں۔

میں شیخ صاحب کے برابر والی کرسی پر بیٹھا تھا۔ میں نے شیخ صاحب کو اس عظمت و احترام کا مقام اپنی قوم میں حاصل ہونے پر انھیں مبارکباد دی۔ شیخ صاحب نے نہایت انکسار کے ساتھ فرمایا "یہ ان لوگوں کا حسن ظن ہے میں تو کچھ بھی نہیں"۔

سچ ہے ؎　　نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

(باقی)

ضروری گذارش

الحرم کا یہ شمارہ الحرم کے پرانے خریداروں اور ان اصحاب کرم کی خدمت میں جو علمی و دینی ذوق اور تبلیغ و اشاعت اسلام کا جذبہ رکھتے ہیں بطور نمونہ ارسال کیا جا رہا ہے۔

ایسے زمانہ میں جبکہ باطل اپنی تمام قوتوں کے ساتھ حق کے مقابلہ پر صف آرا ہے، اس ناچیز کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو از راہ کرم اس کی خریداری منظور فرمائیں اور چندہ سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھیجکر شکر گذار فرمائیں کیونکہ وی پی کی صورت میں دو روپے زائد خرچ ہوں گے لیکن اگر فی الحال یہ ممکن نہیں ہے تو از راہ کرم ایک کارڈ کے ذریعہ اطلاع دیں۔ ہم اس عنایت کے بھی شکر گذار ہوں گے

منیجر الحرم — ۲۱۱۷، قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

ورق خواتین

منیبہ خاتون . قاضیہ
ایم . اے (پریویس)

اسلام میں پہلی شہید خاتون
حضرت سمیہ رضؓ

کہا جاتا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، یہ غلط ہے، بلکہ اسلام تلوار کے سایہ میں پھیلا ہے۔ جب سرزمین عرب سے توحید کی صدا بلند ہوئی تو اس پکار پر لبیک کہنے والے مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی تھیں۔ ان عورتوں نے راہ خدا میں جس طرح تکلیفیں اٹھائیں اور جس صبر و استقامت کا مظاہرہ کیا وہ ہر دور میں خواتین اسلام کے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔

ابتداء میں اسلام لانا جس قدر مشکل تھا آج اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جو عورتیں اور مرد اسلام قبول کرتے ان کے لئے اس کا اظہار بہت مشکل ہوتا، لیکن کفار کے حد درجہ ظلم و ستم کے باوجود صحابہؓ کے ساتھ ساتھ صحابیاتؓ بھی نہایت جرأت و بیباکی کے ساتھ اپنے اسلام قبول کرنے کا اظہار کرتیں۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اسلام کے پرچم تلے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے پکارا تو بہت کم ایسے لوگ تھے جنھوں نے لبیک کہا، اور عظیم اکثریت شدید مخالف ہوگئی، لبیک کہنے والوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ تھیں، پھر اعلان اسلام کرنے والوں میں جہاں حضرت ابوبکرؓ، حضرت بلالؓ حضرت صہیبؓ تھے حضرت عمارؓ کی والدۂ محترم حضرت سمیہؓ کا ساتواں نمبر تھا۔

آیئے آج اس خاتون کی سیرت کے چند پہلوؤں کا مطالعہ کریں جس نے حق کی خاطر دنیا کا ہر ممکن ظلم برداشت کیا، مگر کوئی ظلم اس مومنہ کے پائے استقامت کو نہ ڈگمگا سکا اسے سر بازار رسوا کیا گیا، مگر اسلام کی عزت کو ذاتی عزت و توقیر پر بھینٹ نہ چڑھنے دیا۔ آج کتنے مرد اور خواتین ہیں جو اسلام کی عزت پر دھبہ نہ آتے دیکھ سکتے ہوں۔

حضرت سمیہؓ نے جب اسلام قبول کیا تو ان کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں

ان کو تپتی ہوئی ریت پر عرب گرمی میں لوہے کی زرہ پہنا کر لٹا دیا جاتا، مگر ان کے صبر و ثبات میں کوئی فرق نہ آتا۔

ان کے اسلام لانے کا حال جب ابوجہل کو معلوم ہوا تو اس کے غصہ کی کوئی انتہا نہ رہی اس نے ان پر وہ ظلم ڈھائے کہ جس کے تصور ہی سے بدن کانپ جاتا ہے۔ اس ظالم بدبخت نے ان کے گھر کو نذرِ آتش کر دیا، ان کو بالوں سے پکڑ کر بازاروں میں گھسیٹا۔ آپ کے بیٹے حضرت عمارؓ اور آپ کے شوہر حضرت یاسرؓ کو بھی خوب تکلیفیں دی جاتیں۔ ان کو ہتھکڑیاں پہنا کر گھسیٹتے پھر خنجروں سے کچوکے لگاتے، جب ان کا جسم لہولہان ہو جاتا کوڑے برسائے جاتے دشمن بھی آپ کے صبر و ضبط کا اعتراف کرتے۔

حارث اپنے بھائی عکرمہ سے کہتا کہ "تم نے سمیہ کو نہیں دیکھا جب اسے کوڑوں سے پیٹا جا رہا تھا، اس کا جسم دوہرا ہو جاتا تھا مگر اس کی زبان سے نہ درد و کرب کا اظہار ہوا اور نہ اس نے فریاد و فغاں کی"۔

ایک دن جب ان کو اس قسم کی اذیت ناک تکلیفیں دی جا رہی تھیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ادھر سے گزرے۔ آپ کو دیکھ کر وہ پکارنے لگیں "میں گواہی دیتی ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں"۔ حضورؐ نے فرمایا صبر کرو اے آلِ یاسر اس تکلیف کے بدلے تمہیں جنت عطا ہوگی۔

حضرت سمیہؓ نے مسلسل یہ دکھ سہے۔ ایک روز گھر آ رہی تھیں کہ ابوجہل حسب معمول گالیاں دینے لگا اور اسلام ترک کرنے کا مطالبہ کیا۔ حق پرست، سمیہؓ نے ظلم و تشدد کے مجسمے کے سامنے سینہ سپر ہو کر کہا:۔

"خدا تیرا اور تیرے جھوٹے خداؤں کا برا کرے"

جواب سنتے ہی نابکار نے مشتعل ہو کر برچھی سے حملہ کیا جس سے آپ جاں بحق ہو گئیں آپ راہِ حق کی پہلی مجاہدہ تھیں جن کو شہید کیا گیا۔

آپ نے مسلمان عورتوں کے لئے ایسی مثال قائم کر دی جس پر چل کر وہ اسلام کو غالب کر سکتی ہیں۔ صبر و استقلال کا پیکر۔ سراپا اسلام محبتِ رسولؐ میں غرق، دین کی خاطر مصائب پر صابر۔ کیا کیا صفات تھیں جن کا تذکرہ کیا جائے۔ رحمۃ اللہ علیہا۔

☆ ☆ ☆

تہذیب اسلامی!

عفو و درگذر

مخالف کی بات صبر و تحمل سے سننا اور طاقت ہوتے ہوئے بھی انتقام نہ لینا انسانیت کی بہت بڑی خوبی ہے۔ اگر کوئی شخص اسلامی تعلیمات کی حقیقی روح سے آشنا ہو جائے تو اس کے اندر یہ اعلیٰ اخلاقی وصف لازمی طور پر پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر اس کی دوستی اور دشمنی کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں ہوتی بلکہ خالصتاً اللہ کے لئے ہوتی ہے اس ضمن میں اسلامی تاریخ کے واقعات ملاحظہ فرمائیے

اسلام اور کفر کے مابین فیصلہ کن معرکہ ہو رہا تھا۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق آمنے سامنے کی اس جنگ میں شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایک مشرک پہلوان کے ساتھ مصروف جہاد تھے۔ کافی دیر جدوجہد فرمانے کے بعد آپ نے اپنے حریف کو زمین پر گرا لیا اور اسے بے بس کر کے اس کے سینے پر چڑھ بیٹھے یہ ایسا موقع تھا کہ سرکش سے سرکش شخص پر بھی ہیبت طاری ہو جانی چاہیے تھی۔ لیکن خدا جانے عرب کی آب و ہوا میں کیا تاثیر تھی کہ مغلوب دشمن ایسے نازک موقع پر بھی بے حوصلہ نہ ہوا۔ اس نے اور کچھ چارہ کار نہ دیکھا تو حضرت علیؓ کے چہرۂ مبارک پر اپنے منہ کا گندہ لعاب پھینک دیا۔ یہ اس کی آخری منتقمانہ کوشش تھی اور اس کے بعد وہ یہی توقع کر سکتا تھا کہ شیر خدا [illegible] پر روال ہوا اور زندگی کے رشتے کو جلد از جلد منقطع کر دے۔ لیکن جب اس [illegible] تو حضرت شیر خداؓ فوراً اس کے سینے سے الگ ہو گئے۔

مسلمانوں کے اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے آگاہ ہونے کے باوجود [illegible] علیؓ کا یہ رویہ حیران کن تھا۔ اس نے تعجب کے ساتھ سوال کیا۔ اے علی [illegible] اس خیال سے کہ آپ کو غصہ آئے گا اور میں موت کی آغوش میں جا کر [illegible]

علاوہ جلد نجات حاصل کر دوں گا۔

اپنے مخالف کی یہ بات سن کر حضرت شیر خدا نے فرمایا۔ پہلے تیری اور میری لڑائی صرف خدا کے لئے تھی، لیکن جب تو نے یہ حرکت کی تو مجھے تیرے اوپر غصہ آگیا۔ اب اگر ایسی صورت میں میں تجھے قتل کرتا تو یہ فعل میری ذات کی تسکین کے لئے ہوتا۔ بس اسی خیال سے میں نے تجھے چھوڑ دیا۔ جا اب تو آزاد ہے۔

اصول پرستی ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے، تمام مستند مؤرخ اس بات پر متفق ہیں کہ بڑے بڑے سرکش اور جابر آپ کے سامنے آتے ہوئے خوف کھاتے تھے۔ لیکن انھیں حضرت عمرؓ کا واقعہ ہے:-

آپ کی خلافت کے زمانے میں مسلمانوں کو خوش حالی نصیب ہوئی تو ایک رجحان پیدا ہوا کہ شادی کے وقت لڑکیوں کا حق مہر زیادہ سے زیادہ مقرر کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے ذاتی طور پر اس رجحان کو ایک بڑی معاشرتی خرابی خیال فرمایا اور اسی مطلب کا ایک حکم جاری کر دیا کہ مسلمان اپنی لڑکیوں کے مہر زیادہ مقرر نہ کرائیں۔

ایسے با اصول اور اپنے احکام پر سختی کے ساتھ عمل کرانے والے خلیفہ [illegible] فرمان صادر ہونے کے بعد کس کی مجال تھی کہ سرتابی کرتا۔ لیکن ایک دن کا ذکر ہے کہ آپ بازار سے گزر رہے تھے کہ ایک ضعیف العمر خاتون نے آپ کا راستہ روک لیا اور درشت لہجہ میں گویا ہوئی۔ اے عمرؓ جب اللہ اور اس کے رسولؐ نے عورتوں کے حق مہر کے بارے میں کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کی تو اس سلسلے میں تجھے یہ حق کس طرح پہنچتا ہے؟

حاکم اعلیٰ کے وقار اور حکومت کی مصلحت پر نظر کی جائے تو اس خاتون کی یہ عبارت ایک [illegible] تھی تصور کی جانی چاہئے تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اس کی بات کو نہایت تحمل سے سنا [illegible] قائل ہو کر اسی وقت اپنا حکم واپس لے لیا۔

[illegible] رضی اللہ عنہ اپنے چند معزز مہمانوں کے ہمراہ کھانا تناول فرما رہے تھے [illegible] سے کر آیا تو کچھ ایسا ہوا کہ وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا اور سارا شوربہ [illegible] سے اوپر گرا اور آپ کا لباس خراب ہو گیا۔

[illegible] معاشرے میں غلام کی حیثیت ایک پالتو جانور سے کچھ کم تھی معمولی معمولی غلطیوں پر

انھیں سخت سزائیں دی جاتی تھیں۔ غلام لرز کر رہ گیا اور اضطراب کی حالت میں قرآن حکیم کی وہ آیت پڑھی جس کا مطلب ہے اللہ پاک درگذر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔

غلام کی یہ بات سن کر حضرت امام رضؓ مسکرا پڑے، اور فرمایا جا ہم نے تیری یہ خطا معاف کی۔

غلام کے حواس بجا ہوئے تو مومن کی پاک طینت سے اور فائدہ حاصل کرنے کا خیال آیا۔ قرآن حکیم کی دوسری آیت تلاوت کی جس کا مطلب ہے اللہ پاک احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اور حضرت امامؓ نے اسے اب بھی مایوس نہ کیا، فرمایا:۔ جا ہم نے تجھے آزادی بھی بخشی۔ (ایشیا۔ لاہور)

قاموس القرآن

قرآن کریم کی مختصر انسائیکلوپیڈیا

تالیف :۔ قاضی زین العابدین سجاد۔ میرٹھی

پہلی مستند مکمل، مدلل جامع قرآنی لغت جس نے اردو زبان کے ایک اہم خلاء کو پرکر دیا ہے

خصوصیات کتاب :۔ (۱) الحمد سے الناس تک بہ ترتیب حروف تہجی تمام الفاظ قرآنی کے معانی لکھنے کے بعد ان کی مکمل لغوی، صرفی و نحوی تشریح درج کی گئی ہے۔

(۲) تمام اہم الفاظ قرآنی پر سلف صالحین کی مستند تفاسیر و متاخرین محققین کی معتبر تشریحات کی روشنی میں سادہ و شیریں زبان میں جامع و مفصل نوٹ لکھے گئے ہیں۔

(۳) عصر حاضر کے بہت سے اقتصادی، تمدنی و معاشرتی مسائل بھی جا بجا زیر بحث آگئے ہیں۔

(۴) ہر جگہ مآخذ کے حوالے بقید صفحات دیئے گئے ہیں اور حوالوں کی اصل عبارت مع ترجمہ درج کی گئی ہے

(۵) زبان شستہ و شیریں، اور انداز بیان شگفتہ و دلنشیں اختیار کیا گیا ہے۔

چند رائیں :۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔ اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محض لغات قرآنی کا حامل نہیں ہے بلکہ بہت سے مضامین قرآنی کا بھی ایک قابل قدر ذخیرہ ہے ● حضرت مولانا محمد شفیع مفتی اعظم کراچی :۔ اردو زبان میں جتنے لغات قرآنی میری نظر سے گذرے ہیں بلا مبالغہ قاضی صاحب موصوف کا قاموس القرآن ان میں بے نظیر ہے ● حضرت مولانا ابو الحسن علی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ :۔ جہانتک نظر پڑی آپ نے بڑا کارآمد مواد جمع کر دیا ہے۔ ہمارے یہاں کے اساتذہ نے خاص طور پر پسند کیا اور داد دی ● حضرت مولانا محمد شاہد فاخری خانقاہ اجملی الہ آباد :۔ قاموس القرآن کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ ماشاء اللہ بہت نفیس کتاب ہے۔

طبع سوم۔ کتابت و طباعت اعلیٰ۔ کاغذ چکنا سفید۔ سرورق نظر افروز

صفحات آٹھ سو قیمت مجلد پندرہ روپے

منیجر مکتبہ علمیہ، قاضی منزل، قاضی اسٹریٹ میرٹھ

FEB 1978 ALHARUM' DELHI REGD No D(D) 704
REGISTERED WITH THE REGISTRAR OF NEWS PAPERS
R. N. No. 28987/77

مجلسِ معارفِ اسلامیہ دہلی

سیرتِ طیبہ

محبوبِ خدا محمد مصطفٰی

صلی اللہ علیہ وسلم

قرآن کریم، حدیث شریف اور مستند کتب سیرت کی بنیاد پر
شیریں زبان اور دل کش اندازِ بیان میں واقعاتِ سیرت
اور اُن پر بصیرت افروز تبصرے

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی
استاذ تفسیر و تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ نئی دہلی

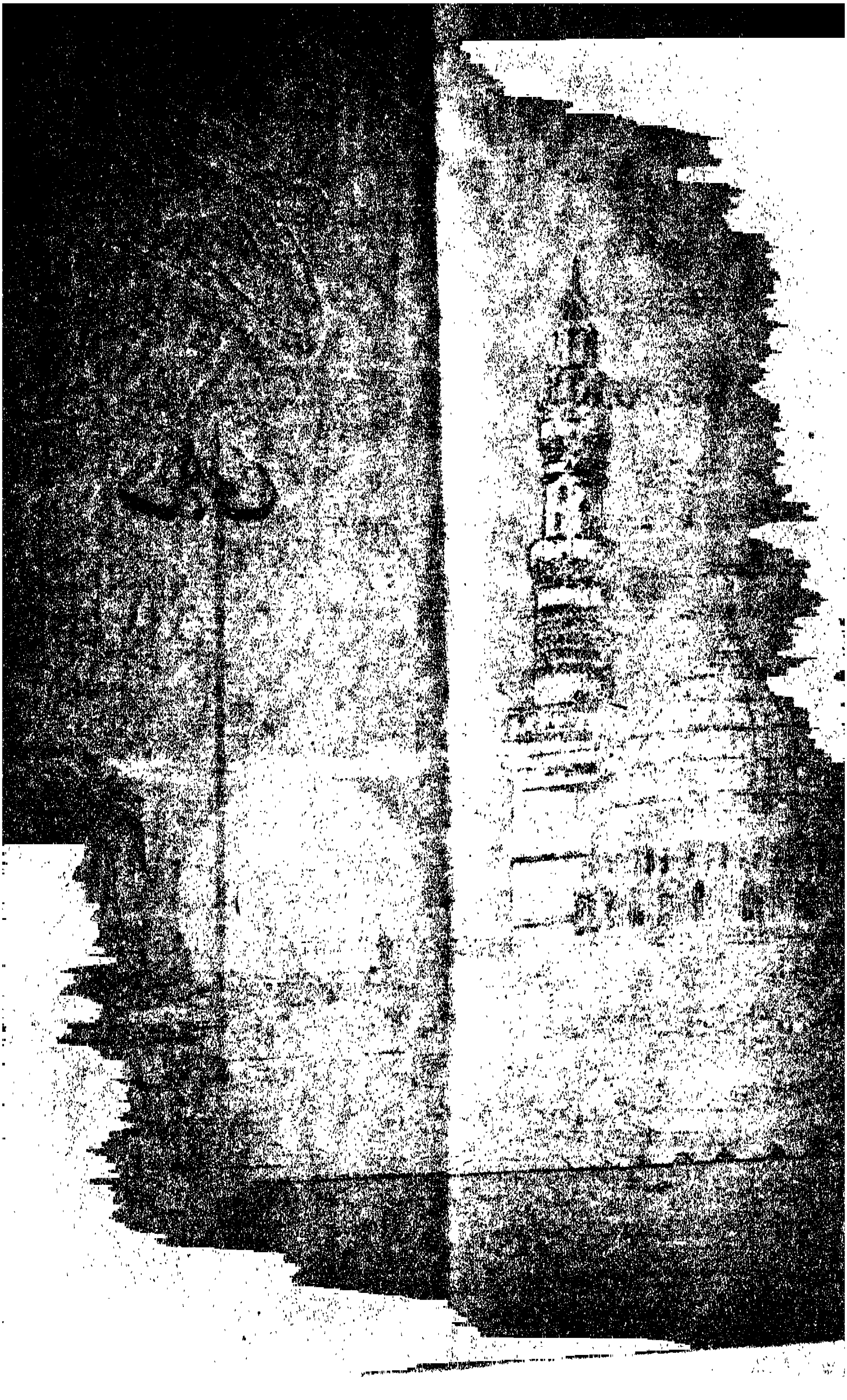
Price Rs. 7/50

الحرم



قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نمبر

مدیران: اطہر ہاشمی • زین الساجدین صدیقی



تبلیغی ماہنامہ

الرحیم

مدیر اعلیٰ

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

[illegible] ایم اے ایل ایل بی

[illegible] ایم اے پی ایچ ڈی

چندہ سالانہ

ہندوستان سے — بارہ روپے

پاکستان سے — بیس روپے

انگلستان و بیس [illegible]

چندہ ششماہی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ملی دینی و تبلیغی ماہنامہ

الحرم

دہلی

مدیر اعلیٰ
قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

مدیران
اطہر ہاشمی ۔ بی اے علیگ
قاضی زین الساجدین صدیقی (فاضل دیوبند)
ایم اے پی ایچ ڈی

چندہ سالانہ
ہندوستان سے بارہ روپے
پاکستان سے بیس روپے
بنگلہ دیش چودہ "
چندہ ششماہی (ہندوستان) سے سات "
فی پرچہ سولہ پیسے

جلد ۲ | مارچ ۱۹۷۰ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ | نمبر ۳

گزارش: (۱) براہ کرم چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں ۔ بذریعہ وی پی طلب کرنے میں دو روپے مزید خرچ ہوں گے
(۲) اپنا پتہ صاف انگریزی اور اردو میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط میں لکھیں اور نمبر خریداری بھی لکھیں (۳) ایڈیٹر سے متعلق ہر قسم کی خط و کتابت سب آفس (میرٹھ) کے پتہ پر کیجیے ۔

جنرل منیجر ۔ قاضی زین الراشدین ۔ کاظم

ہیڈ آفس ۔ ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ ۔ دہلی ۶
سب آفس ۔ قاضی منزل ۔ قاضی اسٹریٹ ۔ میرٹھ ۲

قاضی زین العابدین سجاد پرنٹر و پبلشر نے ... میں چھپوا کر دفتر الحرم ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶ سے شائع کیا ۔

بسمہ تعالیٰ سبحانہ

نقوشِ اولین

★ —— مسلم یونیورسٹی کو اقلیتی ادارہ تسلیم کیا جائیگا؟

ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل میں، مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ بڑی اہمیت کا حامل ہے یہ یونیورسٹی مسلمانوں کی تمناؤں اور ان کی آرزوؤں کا مرکز اور ان کی برسوں کے خوابوں کی تعبیر ہے۔

بدقسمتی سے پچھلے دور میں اس کے ساتھ بڑی بے انصافی کی گئی، اور ایک ایسے جھگڑے کو بہانہ بنا کر جو ہماری یونیورسٹیوں کی زندگی کا معمول بن گئے ہیں اس کے اقلیتی کردار کو ختم کر دیا گیا، بالفاظ صحیح تر اس کی جان نکال لی گئی مسلمانوں کا ایک جماعت اپنی بے دانستی یا سادہ لوحی اور خوش فہمی سے معاملہ کو سپریم کورٹ میں لے گئی تاکہ اقلیتی ادارہ ہونے کی حیثیت سے، دفعہ ۳۰ کے تحت حکومت کی مداخلت سے اسے آزاد کرا دیا جائے۔ اسے اقلیتی ادارہ ہی تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا اور معاملہ اور الجھ گیا۔

سپریم کورٹ کا فیصلہ اپنی جگہ بجا و صحیح مگر تاریخ کے اوراق کاٹ کر نہیں پھینکے جا سکتے اور حقائق نہیں جھٹلائے جا سکتے کہ:

(۱) سر سید احمد خاں مرحوم نے اس ادارہ کے مقاصد کی تشریح ان الفاظ میں کی تھی کہ "فلسفہ ہمارے داہنے ہاتھ میں ہوگا نیچرل سائنس بائیں ہاتھ میں اور لا الٰہ الا اللہ کا تاج سر پر"

(۲) مسلمانوں جیسی غریب قوم نے ۱۹۲۰ء میں بیس لاکھ روپے (جو آج کل کے دو کروڑ روپے کے برابر ہیں) جمع کر کے انگریزی حکومت کی یونیورسٹی بنانے کی شرط کو پورا کیا تھا۔

(۳) "مسلم" اس ادارہ کے نام کا جزو قرار دیا گیا ہے۔

(۴) حکومت ہند اسلامی ملکوں کے سربراہوں اور معزز مہمانوں سے اس عظیم ادارے کا تعارف اسلامی ادارہ ہی کی حیثیت سے کراتی [illegible]

بہر حال، ۱۸ مارچ کی "سماچار" کی اس خبر سے قدرے اطمینان ہوا کہ حکومت نے اب یہ سمجھ لیا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کو اقلیتی ادارہ [illegible] کئے بغیر مسلمان مطمئن نہیں ہو سکتے اور اگر اس میں سپریم کورٹ کا فیصلہ رکاوٹ ہے تو اس رکاوٹ کو دور ہونا چاہئے [illegible] مرکزی کابینہ نے ایک اسپیشل کمیٹی اس غرض سے قائم کی ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے جمہوری طور پر کام کرنے اور اس کے اقلیتی کردار [illegible] غور کرے اس کمیٹی میں مرکزی وزیر تعلیم ڈاکٹر پی۔ سی۔ چندر، مسٹر سکندر بخت اور مسٹر [illegible] [illegible] کو دور کرنے کا انتظام کیا ہے جو سابقہ حکومت نے پروفیسر نور الحسن وزیر تعلیم کے دور وزارت میں پیدا کر دی [illegible] [illegible] کی کہ یہ مطالبہ کس حد تک پورا کیا جا سکتا ہے۔ اگر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی کو اقلیتی ادارہ قرار دینا ہے تو حکومت کو [illegible] کے فیصلہ سے پیدا شدہ مشکلات کو دور کرنے کے لئے آئین میں ترمیم کرنی ہوگی"

خدا کرے ہماری [illegible] [illegible] اور مسلمانوں کے دل کا یہ کانٹا نکل جائے

اقلیتی کمیشن

۲۲ر فروری ۱۹۷۸ء کو نئی دہلی میں سرکاری طور پر مجوزہ اقلیتی کمیشن کی ہئیت ترکیبی اور اس کے فرائض اور طریقہ کار کا اعلان کردیا گیا۔ کمیشن کا چیرمین مسٹر ایم آر مسانی کو مقرر کیا گیا ہے جو ایک پارسی لیڈر ہیں اور اس کے دوسرے دو ارکان مسٹر جسٹس ایم آر اے انصاری سابق چیف جسٹس جموں و کشمیر اور مسٹر وی وی جان سابق وائس چانسلر جودھ پور یونیورسٹی ہیں۔ کمیشن کے تقرر کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ دستوری تحفظات اور رائج الوقت قوانین کے باوجود اقلیتوں کے ذہنوں میں جو یہ احساس پایا جاتا ہے کہ ان کے خلاف عدم مساوات اور تعصب برتا جاتا ہے اسے دور کیا جائے وغیرہ"

کون نہیں جانتا کہ گذشتہ تیس سال میں ہندوستان میں اقلیتیں ظلم، بے انصافی حق تلفی تعصب اور تنگ نظری کا شکار رہی ہیں اور ان حربوں کا سب سے بڑا نشانہ مسلمان ہی رہے ہیں جنھیں اپنی عظیم عددی حیثیت کی بنا پر سب سے بڑی اقلیت کی بجائے دوسری اکثریت کہنا زیادہ مناسب ہے۔

مسلسل فرقہ وارانہ فسادات، مسجدوں، قبرستانوں اور اوقاف پر ناجائز قبضے، اردو کے خلاف معاندانہ طرز عمل، قومی تعلیمی اداروں کے نصاب میں فرقہ وارانہ زہر کی آمیزش، اسلامی تعلیمی اداروں کو ختم کرنے کی کوشش، مسلم یونیورسٹی کے اسلامی کردار کا خاتمہ، مسلم پرسنل لا میں مداخلت یہ سب وہ شکائتیں ہیں جن کے خلاف تیس سال سے مسلم جماعتیں اور اخبارات وقف نالہ و شیون ہیں اور حکومت کانوں میں سیسہ پگھلائے بیٹھی رہی۔

یہ مسلمانوں کے غم و غصہ کی آگ تھی جس نے گذشتہ پارلیمانی الیکشن میں، آنکھوں دیکھتے دیکھتے، کانگریس حکومت کا تیس سالہ قصر عظمت بھسم کرڈالا۔

جنتا پارٹی نے اس موقع پر مسلمانوں کی ہمدردی حاصل کرنے کے لئے، دوسرے وعدوں کے ساتھ اقلیتی کمیشن مقرر کرنے کا بھی وعدہ کیا تھا۔ جہاں تک کمیشن مقرر کرنے کا تعلق ہے یہ وعدہ پورا کردیا گیا ہے، مگر ہمیں شک ہے کہ یہ مسلمانوں کے درد کی دوا ہوسکے گا یا نہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سب سے بڑی اقلیت مسلمان ہیں اور سب سے زیادہ شکایتیں بھی ان ہی کو ہیں اس لئے کمیشن کا چیرمین، اگر واقعی جنتا حکومت مسلمانوں کی شکایات دور کرنا چاہتی تھی، کسی ایسے مسلمان کو بنانا چاہیے تھا جس پر مسلمانوں کو اعتماد ہوتا۔ مگر افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں کی خواہش بلکہ ان کے مطالبہ کو نظر انداز کرکے ایک ایسے فرقہ کے لیڈر کو چیرمین بنادیا گیا ہے جو ہندوستان کی سب سے چھوٹی اقلیت ہوتے ہوئے بھی سب سے زیادہ خوش حال اور مطمئن ہے۔

کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

دوسری بات کمیشن کی عاملانہ حیثیت سے متعلق ہے۔ اعلان میں کہا گیا ہے کہ کمیشن صدر جمہوریہ کو سالانہ رپورٹ پیش کریگا۔ جس میں اس کی تحریکات اور سفارشات کی تفصیل درج ہوگی۔ اب صدر جمہوریہ اپنے اختیارات سے انہیں نافذ کریں گے یا ایک سفارش کی حیثیت سے مرکز اور ریاستی حکومتوں کو بھیجدیا کریں گے دونوں صورتیں شبہات و خدشات سے خالی نہیں۔

تاہم مسلمانوں کو ابھی انتظار کرنا چاہیے اور اس طریق علاج کو بھی آزمانا چاہیے اور مسلم جماعتوں کو تعاون و اشتراک کے ساتھ مسلمانوں کے مسائل کمیشن کے سامنے لاکر اپنی ذمہ داری پوری کرنا چاہیے۔

امام حرم محترم ہندوستان میں

آخر جنوری میں امام حرم محترم الشیخ عبد العزیز بن عبد اللہ، لاہور ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے، دہلی سے مرادآباد، لکھنؤ تشریف لے گئے اور پھر لکھنؤ سے کلکتہ ہوتے ہوئے بنگلہ دیش تشریف لے گئے۔

دہلی میں تو عام مسلمان ان کی زیارت سے محروم ہی رہے، صرف چند مخصوص جماعتوں کے اکابر نے سعودی عرب کی سفارت نے بیں ان کے ساتھ کھانا کھایا اور دو ایسی چھوٹی چھوٹی مسجدوں میں ان کا خیر مقدم کیا گیا جن کے منتظمین ان جماعتوں سے تعلق رکھتے ہیں جن کے ہاتھوں میں ان کا پروگرام تھا۔ ندوہ مدرسہ عالیہ فتحپوری جا سکے۔ نہ مدرسہ امینیہ اور نہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ البتہ ہندوستان عظیم ترین دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند بھی کچھ دور نہ تھی مگر لکھنؤ میں ان کا شاندار عوامی خیر مقدم کیا گیا۔ معاصر "تعمیر حیات" کی اطلاع کے مطابق جیسے ہی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ان کی آمد کی اطلاع پہنچی۔ ندوۃ العلماء کے کارکنوں نے لکھنؤ شہر کے سربرآوردہ حضرات اور مختلف دینی تعلیمی سماجی تنظیموں کے ذمہ داروں اور عہدہ داروں کی مشاورتی نشست طلب کی۔ باہم مشورہ سے پروگرام بنایا گیا اور اس شہر کی بنیاد کی برکت تھی کہ لکھنؤ میں امام حرم کی اور ان کے معزز رفقاء کا ایسا زبردست استقبال ہوا اور ایسے عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے جن کی مثال لکھنؤ کی تاریخ میں شاید ہی ملے۔ لاکھوں انسانوں کے ہجوم نے نظم و ضبط کا جو مظاہرہ کیا، اس کے معزز مہمان اور حکومت کے ذمہ دار انگشت بدنداں تھے۔"

بہرحال، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ان کے رفقاء کے تدبر اور حسن انتظام سے لکھنؤ میں دہلی کی غلطی کا اعادہ نہیں ہوا، اسی طرح کلکتہ میں بھی امام حرم کا شایانِ شان استقبال ہوا اور لاکھوں شمع حرم کے پروانوں نے ان کے لئے دیدہ و دل فرش راہ کیا۔

امام حرم شریف کی اپنی بلند نسبت کی وجہ سے عالم اسلام کے قلب و نگاہ کا محور ہیں اور ہر طبقہ اور فرقہ کے مسلمان ان سے تعلق اور محبت کو جزو ایمان سمجھتے ہیں یہ سطور اسی جذبہ اور تعلق کی بنا پر ہم سپرد قلم کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ آئندہ سعودی سفارت خانہ اور دوسرے اسلامی ملکوں کے سفارت خانے اس سلسلہ میں اپنی ذمہ داری محسوس کریں گے اور عالم اسلام کی بلند پایہ شخصیتوں کو کسی خاص جماعت یا فرقہ کے لئے محفوظ ہو نے نہ دیں گے۔

امام حرم کا پیغام:-

ندوۃ العلماء لکھنؤ کے وسیع کمپاؤنڈ میں، دو لاکھ سامعین کو خطاب کرتے ہوئے امام حرم محترم نے فرمایا۔۔۔۔۔

ہمارے اور آپ کے درمیان اسلام کا رشتہ ہے اور یہ تعلق دنیا کے تمام تعلقات سے زیادہ قوی ہے۔ ہم صرف اسی رشتۂ اخوت کے باعث اتنی دور سے آپ سے ملنے آئے ہیں۔ یاد رکھئے اسلام دنیا کے تمام مذاہب میں اس حیثیت سے منفرد ہے کہ وہ ایک مکمل نظام حیات کا حامل ہے اور صرف یہی نظام دنیا کو تباہی و بربادی سے بچا سکتا ہے اسی میں دین و دنیا دونوں کی فلاح و کامرانی کا راز مضمر ہے۔ آفتاب اسلام کے طلوع کے بعد اب دنیا میں کسی دوسرے مذہب کی گنجائش نہیں ہے۔ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ اور جو کوئی شخص اس کے علاوہ کوئی مذہب اختیار کرتا ہے وہ مسلسل خسارہ میں ہے۔ وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ اسلام کی تعلیمات کو

اپنی عملی زندگیوں میں رچاکر ہی ہم بنی نوعِ انسان کی کوئی خدمت کرسکتے ہیں۔

اسلام اتحاد و اتفاق کا مذہب ہے۔ وہ اختلاف و نزاع باہمی سے روکتا ہے۔ اس لئے آپ لوگ اپنے تمام جزوی اختلافات پس پشت ڈال کر دین کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیجئے۔"

امام حرم کا یہ پیغام دراصل حرم کا پیغام ہے۔ خداوند تعالیٰ ہم سب کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مدارس اسلامیہ کنونشن:- مدارس اسلامیہ ہند کی اہمیت و افادیت ارباب دانش پر مخفی نہیں۔ برصغیر میں ... اس کی مثال دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی نہیں ملتی۔ تاہم یہ واقعہ ہے کہ تقسیم کے بعد ہندوستان میں ان مدارس کی افادیت نقصان پہنچا ہے۔ نیز طالبین دین کی نئی پود میں، اسلام کے لئے مرمٹنے کا وہ جذبہ بھی کم ہوگیا ہے جو ان کے اسلاف کا امتیاز تھا۔ ضرورت ہے کہ اس کے اسباب پر غور کیا جائے۔ ان کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے۔ اور نصاب تعلیم اور طریق تعلیم میں ضروری اصلاح کرکے ان کو مفید سے مفید تر بنایا جائے۔

اسی مقصد سے، حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب امیر شریعت بہار نے "مدارس اسلامیہ عربیہ بہار و اڑیسہ و بنگال ایک کنونشن بلایا ہے .... کنونشن جامعہ رحمانیہ مونگیر میں ۳۱ مارچ سے ۲ اپریل ۱۹۷۰ء تک ہوگا جس میں مذکورہ صوبوں کے علماء و ارباب مدارس کے منتظمین کے علاوہ ہندوستان کے ممتاز اصحاب علم و فضل بھی شریک ہوں گے۔

چونکہ مرکزی دینی تعلیمی بورڈ دہلی بھی (جس کا یہ خاکسار صدر ہے) ابتدائی مدارس و مکاتب دینیہ کی تنظیم و احیاء کے سلسلہ میں ... سے ... بھی خدمات انجام دے رہا ہے اس لئے ہم مقصدی وحدت کے پیش نظر اس کنونشن کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں حضرت مولانا ... منتظم کے اصرار پر خاکسار مدیر الحرم نے بھی اس کنونشن میں شرکت کا ارادہ کرلیا ہے انشاء اللہ تعالیٰ حاضری ہوگی۔ اس کے بعد ... دوستوں کے تقاضہ پر پٹنہ اور دربھنگہ بھی جانا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اس کنونشن کو کامیاب فرمائے اور ہم سب کو مل جل کر خدمت دین و علم کی توفیق بخشے۔

گاندھی جی کی موت کا مقام:- مسٹر ایم او متھائی (پنڈت نہرو کے سابق پی۔ اے) کی ایک کتاب حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ اخبارات میں اس کے اقتباسات شائع ہو رہے ہیں۔ اس میں مہاتما گاندھی کے قتل کے سلسلہ میں ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ

"گاندھی جی کے قتل کے بعد، ایک دن کچھ لوگ مسز سروجنی نائیڈو کے سامنے گاندھی کے غم میں رونے لگے" مسز سروجنی نائیڈو نے ... ان کے لئے ایسی ہی موت مناسب تھی۔ کیا تم یہ چاہتے تھے کہ وہ بڑھاپے میں مبتلا ہو کر مرتے؟"

مسز سروجنی نائیڈو، کانگریس کی پرانی لیڈر تھیں، ریاست حیدرآباد کی رہنے والی اور انگریزی زبان کی جادو بیان شاعرہ۔ انہوں نے ... بلند بات کہی ہے اور کسی اعلیٰ مقصد کے حصول کے لئے قربانی پیش کرنے کے اسلامی نظریہ سے کس قدر مطابق! قرآن کریم راہ حق میں ... دینے کو زندگی قرار دیتا ہے وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ (اور جو لوگ .... کے راستہ میں قتل کئے جائیں ان کی زندگی کی حقیقت کیا ہے اس کو تو اللہ ہی جان سکتا ہے کیونکہ وہ ہمارے شعور کی دسترس سے ... چیز ہے مگر یہ تو سب جانتے ہیں کہ ان کی یاد تاریخ کا جزو بن کر رہتی دنیا تک باقی رہتی ہے اور خود مر کر پوری قوم کو زندہ کر دیتے ہیں۔

افسوس کہ اس حقیقت کو ہم حاملین قرآن بھلا بیٹھے ہیں۔ راہ خدا میں جان دینا بڑی بات ہے، اپنے اکابر کی عظیم قربانیوں میں ... شیون اور فریاد و فغاں کے ... ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔

قاضی زین العابدین

معارف القرآن

فَإِذَا قَضَيْتُم مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُم مَّن يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝ (البقرہ ۲۰۰/۲۰۲)

ترجمہ: پھر (اے مسلمانو) جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ، جس طرح تم اپنے بزرگوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بڑھ چڑھ کر۔ پھر بعض وہ لوگ ہیں جو (اللہ کا ذکر کرتے بھی ہیں تو) کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں ہی (سب کچھ) دیدے۔ ایسے لوگوں کا آخرت (کی نعمتوں میں) کوئی حصہ نہیں۔ اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔ انہی لوگوں کو اپنے اعمال کی وجہ سے (دنیا اور آخرت میں) بڑا حصہ ملیگا، اور اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر: ان آیات سے پہلے اعمال و احکام حج کا ذکر فرمایا جا رہا تھا۔ اب فرمایا گیا اے مسلمانو جب تم قیام عرفات، رمی جمرہ، ذبح وغیرہ اعمال حج سے فراغت حاصل کرلو اور منیٰ کے مقام پر قیام کرو تو جس طرح تم زمانہ جاہلیت میں یہاں ٹھہر کر مجلسیں منعقد کرتے تھے، جشن مناتے تھے، اور خطبوں اور قصیدوں میں اپنے بزرگوں کی بڑھ چڑھ کر تعریفیں کرتے تھے، تو اب تم یہاں اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ جوش و ولولہ اور ذوق و شوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا کرو۔ حافظ ابن کثیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی کہ وہ حج کے موقع پر مجلسیں منعقد کرتے اور کہتے کہ ہمارا باپ دعوتیں کرتا تھا، لوگوں کے بوجھ اٹھاتا تھا، دیتیں ادا کرتا تھا۔ بس اپنے بزرگوں کی تعریفوں کے سوا اور کوئی بات زبان سے نہیں نکلتی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۴۳)

اسلام نے اس جاہلانہ دستور کی اصلاح کی اور ان آیات میں حکم دیا گیا کہ حج حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی راہ خدا میں عظیم قربانی کی یادگار ہے۔ یہاں انسانوں کے مفاخر نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ہونی چاہیئے اور راہ خدا میں ان خدا کے مقدس بندوں کی فداکاری اور قربانی کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے۔ تمہارے باپ دادا کے احسانات تو تم پر محدود ہیں اور حقیر ہیں خدا کے لا انتہا اور عظیم انعامات تو تم کو اور ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہیں۔ پھر اپنے اپنے بزرگوں کے مفاخر کے بیان سے تو گروہ بندی اور عصبیت کا جذبہ ابھرتا ہے اور خالق عالم کے ذکر سے سب اللہ کے بندوں میں وحدت و اخوت کا رشتہ مضبوط ہوتا ہے۔ اس لئے اسی کا ذکر کرو، قلب و زبان کی ہم آہنگی کے ساتھ کرو، پورے جوش و خروش کے ساتھ کرو۔

آگے فرمایا گیا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے، اس کی بارگاہ میں دست دعا بلند کرنے والے بھی دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جن کا مطمح نظر صرف دنیا ہے۔ کبھی وہ اللہ کی طرف متوجہ بھی ہوتے ہیں تو دنیا کی دولت عزت اور اقتدار ہی ان کا مطلوب و مقصود ہے۔ آخرت کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں جاتا۔ ان کی دعا بھی یہی ہوتی ہے رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا اے ہمارے پروردگار ہم کو دینا ہو بس دنیا ہی میں دیدے، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کی دعا قبول بھی فرماتا ہے تو بس دنیا کی عارضی اور حقیر نعمتیں

میں آخرت کی لازوال اور گراں قدر نعمتوں میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

یہاں علامہ رشید رضا مصری نے قرآن کریم کی اس بلاغت کی طرف توجہ دلائی ہے کہ ان دنیاداروں کی زبانی صرف یہ کہلوایا گیا "اے اللہ ہم کو دنیا ہی میں دیدے"۔ کیا دے اس کا ذکر نہیں۔

مقصد یہ ہے کہ حلال ہو حرام ہو جیسے ہو جو کچھ ہو اور جتنا کچھ ہو بس دیدے۔ اگر انہیں آخرت کا کچھ بھی خیال ہوتا تو دنیا طلب کرتے ہوئے بھی یہ کہتے کہ اے اللہ ہم کو دنیا میں حسنہ جائز اور بھلی چیزیں عطا فرما دیجئے۔ ناجائز اور بری نہیں جو آخرت میں وبال بنیں۔ (تفسیر المنار ج ۲ ص ۲۳۶)

اس کے بعد دوسرے فریق کا ذکر کیا گیا کہ بارگاہ خداوندی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھانے والے، اور اس سے اپنی مرادیں طلب کرنے والے، کچھ وہ لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی نظر دنیا کی فانی اور حقیر لذتوں اور آسائشوں پر ہی نہیں ہوتی بلکہ آخرت کی لازوال اور گراں بہا راحتوں اور نعمتوں پر بھی ہوتی ہے۔ وہ اپنے رب کریم سے دونوں جہانوں کی بھلائیاں طلب کرتے ہیں اور التجا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی ہر قسم کی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی ہر قسم کی بھلائی عطا فرما۔

قرآن کریم میں یہاں "حسنہ" کا لفظ اختیار فرمایا گیا ہے۔ امام راغب اصفہانی مشہور امام لغت لکھتے ہیں "الحسنة يعبر بها عن كل ما يسر من نعمة تنال الانسان في نفسه وبدنه واحواله" حسنہ سے ہر وہ مسرت بخش نعمت مراد لی جاتی ہے جو انسان کو اس کے نفس میں، اس کے بدن میں اور اس کے حالات زندگی و مابعد الموت میں حاصل ہو۔ مفسرین کرام نے اس کی تفسیر میں بہت قول نقل کئے ہیں۔ مگر امام راغب کی تشریح کے مطابق اس لفظ میں بڑی جامعیت ہے اور یہ تمام لذتوں اور نعمتوں کو حاوی ہے کسی خاص نعمت و راحت کے دائرہ میں اسے محدود کرنا صحیح نہیں۔

یہاں ہم ان صوفیانہ ذوق کے حامل بزرگوں کی رائے سے ادب کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں جو حسنۂ دنیا کو بھی، توفیق عبادات و خیرات کے دائرہ میں لا کر حسنۂ آخرت کا جزو بنا دیتے ہیں۔ جب بات صاف ہے کہ اسلام سادھوؤں اور راہبوں کا مذہب نہیں، بلکہ اپنے متبعین کو دنیا میں رہ کر، عزت و قوت و شوکت و عظمت کی زندگی اختیار کرنے کی نہ صرف اجازت دیتا بلکہ حکم دیتا ہے اور ایمان و عمل صالح کے نتیجہ میں خلافت ارضی کا ان سے وعدہ کرتا ہے اور فرماتا ہے "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ" (تم میں سے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے، اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ ضرور ان کو زمین کی خلافت عطا فرمائے گا جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو خلافت عطا فرمائی) (النور ۵۵)

اور اس نے اپنے سب سے پہلے مخاطبین سے اس وعدہ کو پورا بھی کر دکھایا کہ ایک صدی کے اندر اندر اسپین کے مرغزاروں سے سندھ کے ریگستانوں تک، ان کے اقتدار کا جھنڈا لہرانے لگا اور کسریٰ و قیصر کے تخت ان کی عظمت و جلالت کے سامنے سرنگوں ہو گئے پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ صحابہ کرام میں ہی، اگر ایک طرف حضرت ابوذر، حضرت ابوہریرہ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہم جیسے گوشہ نشین درویش بزرگ تھے تو دوسری ...... طرف حضرت عثمان غنی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم جیسے ملک التجار اور رؤسا بھی تھے جن کے مال و اسباب سے لدے ہوئے اونٹوں کے قافلے یمن و شام کے درمیان دوڑتے پھرتے تھے، تو پھر ہم حسنۂ دنیا کو صرف عبادتوں اور ریاضتوں تک کیسے محدود کر سکتے ہیں؟

تاہم یہ بھی مسلم ہے کہ دنیا کی ہر نعمت و دولت و عظمت اسی وقت تک بھلائی ہے جب تک وہ احکام شریعت کے حدود کے اندر ہے، ورنہ وہ بھلائی نہیں مصیبت ہے۔ اسی لئے یہ لوگ دنیا اور آخرت کی حسنات کو ایک ساتھ طلب کرتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ اے پروردگار ہمیں دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھنا ایسا نہ ہو کہ دنیا کی کوئی نعمت و راحت ہمارے ...

مصیبت وذلت کا سبب بن جاتی ہے۔

اس کے بعد فرمایا گیا، دوسرے گروہ کے لوگ جن کی نظر دین و دنیا دونوں پر ہے اور اللہ تعالیٰ سے دونوں جہان کی بھلائی کی مانگتے ہیں، ان ہی کو آخرت میں ان کی نیک کمائی کا حصہ ملے گا۔ باقی پچھلے گروہ کے لوگ جو طلب آخرت سے ہی محروم ہیں تو ان کے لئے وہاں حسرت و ناکامی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ فرمادیا گیا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ (اور ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں)

یہاں یہ امر ملحوظ رکھا جائے کہ اُولٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا فرمایا کر یہاں یہ واضح فرمادیا گیا کہ اس دوسرے گروہ کو جو کچھ ملے گا وہ ان کی محنتوں اور کوششوں کا نتیجہ ہی ہوگا کیونکہ سچی دعا وہی ہے جو زبان و دل کی ہم آہنگی کے ساتھ ہو۔ جو کچھ بندہ اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قوتوں کو کام میں لاکر خود بھی اس کی طلب و جستجو کے لئے تیار ہو اور اس کے حصول کے لئے ہاتھ پاؤں ہلائے محض زبان سے دعا مانگنا اور ہاتھ پاؤں توڑ کر بیٹھ رہنا نہ اسلام کی تعلیم ہے نہ پیغمبر اسلام صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے۔

یعنی فرمایا، اور اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے قیامت جلد آنے والی ہے اور ایک حدیث کے مضمون کے مطابق، ہر شخص کی ذاتی قیامت تو اس کی موت کے ساتھ آہی جاتی ہے۔ اس لئے انسان کو چاہیے کہ ہر دم اللہ تعالیٰ سے دونوں جہانوں کی خیر و خوبی طلب کرتا رہے اور اپنی صلاحیتوں اور قوتوں کو بھی ان کے حصول میں صرف کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو حسن عمل کی توفیق دے اور اپنے فضل و کرم سے نوازے۔

نعت

(حفیظ میرٹھی)

اُسی سے نوعِ انساں پھر ہدایت کی سوالی ہے ۔ وہ ہادیؐ جس نے دنیا دین کے سانچے میں ڈھالی ہے
کسی قیصر کسی کسریٰ کو خاطر میں نہیں لاتے ۔ غلامانِ محمدؐ کی ادا سب سے نرالی ہے
اندھیرے خود پریشاں ہیں یہ میرا کیا بگاڑیں گے ۔ کہ میں نے شمعِ ایماں خانۂ دل میں جلائی ہے
ادب سے میں یہ موتی اُنؐ کے قدموں میں سجا دوں گا ۔ مری آنکھیں تو پُر ہیں کیا ہوا گر ہاتھ خالی ہے
اُمید و بیم کی تصویر بن کر رہ گیا ہوں میں ۔ نظر سوئے فلک ہے ہاتھ میں روضے کی جالی ہے
حفیظ اب ہم نبی کے ہجر میں آنسو بہائیں گے ۔ نکلنے کی ہماری حسرتوں نے راہ پائی ہے

(خاص الحرم کے لئے)

جواہر الحدیث

اخلاقِ نبوی ﷺ

از:- مدیر

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (القلم ۴)
(اے محمد) بے شبہ آپ کے اخلاق بہت بلند ہیں ۔

انسان کی باطنی خصلتوں اور عادتوں کو "اخلاق" کہتے ہیں. جس طرح انسان کی ظاہری شکل وصورت کا حسین ہونا خوبی اور جمال سمجھا جاتا ہے ۔ اسی طرح اس کے اخلاق کا عمدہ ہونا اس کا کمال خیال کیا جاتا ہے ۔ پھر جس طرح کسی کے ظاہری حسن کے لئے صرف چہرہ کا خوبصورت ہونا کافی نہیں. بلکہ ضروری ہے کہ آنکھ، ناک، لب ورخسار اور جسم کے تمام عضو خوبصورت بھی ہوں اور ان میں تناسب اور موزونیت بھی پائی جائے ۔ اسی طرح انسان کے باطنی حسن کے لئے ضروری ہے کہ نیک دلی، نرم مزاجی، حیا وشرم، کرم ورحم، ہمت وشجاعت سب اوصاف اعتدال کے ساتھ پائے جاتے ہوں ۔

انسان کے حسن ظاہری کا فائدہ دوسروں کو بہت کم پہنچتا ہے مگر حسن باطنی کے فائدہ کا دائرہ بہت وسیع ہے ۔ یگانہ وبیگانہ، اپنے اور غیر، دوست اور دشمن، چھوٹے اور بڑے سب ہی کو ان سے فائدہ پہنچتا ہے اور وہ خود بھی ان سے فائدہ اٹھاتا ہے ۔ اس لئے ظاہری حسن کے مقابلے میں باطنی خوبیوں کی بہت زیادہ اہمیت ہے ۔

یوں تو اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبر حسن اخلاق کا پیغام لے کر دنیا میں آئے اور انھوں نے اپنی امتوں کو تعمیر سیرت کے طریقے بتائے ۔ مگر خدا کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کا پیکر بن کر دنیا میں تشریف لائے ۔ آپ نے اپنی زبان سے بھی اخلاق حسنہ کی دعوت دی اور اپنی پوری زندگی کو بھی اخلاق عالیہ کا نمونہ بنا کر پیش کیا ۔ چنانچہ قرآن میں فرمایا گیا وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (اے محمد بے شبہ آپ کے اخلاق بہت بلند ہیں) پھر سب انسانوں کو دعوت دی گئی کہ وہ آپ کے نقش قدم پر چلیں اور آپ کی روشن زندگی کو رہنما بنائیں ۔ لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)

آئیے اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل میں اخلاق حسنہ کے نمونے دیکھیں :-

---

عَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (رَوَاهُ فِي الْمُوَطَّا وَرَوَاهُ اَحْمَدُ عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ مشکوٰۃ

حضرت امام مالکؒ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاق کی خوبی کو انتہا تک پہنچاؤں (موطا۔ مشکوٰۃ۔ باب الرفق)

تشریح: یعنی یوں تو اخلاق حسنہ کی تعلیم خدا کے سب ہی پیغمبروں نے دی مگر خدا کے آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مقصد ہی یہ تھا۔ یہ آپ کی تعلیم ہی تھی جس نے اخلاق انسانی کو معراج کمال تک پہنچایا اور یہ آپ کے اخلاق ہی تھے جس نے عرب کے وحشیوں کے دل اسلام کے لئے فتح کئے۔

عَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ مشکوٰۃ باب الرفق)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایمان والوں میں زیادہ کامل ایمان والے وہ ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں۔ (ابو داؤد۔ مشکوٰۃ۔ باب الرفق)

تشریح: یعنی ایمان کے اعلیٰ درجہ پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے کہ آدمی اخلاقی خوبیاں پیدا کرے۔ بد اخلاق چاہے کتنی ہی عبادت کرلے مومن کامل نہیں ہو سکتا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ عَاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا (متفق علیہ مشکوٰۃ باب الرفق)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک تم میں سے وہ لوگ سب سے بہتر ہیں جن کے اخلاق زیادہ اچھے ہیں (بخاری و مسلم)

اچھے اخلاق والے رسول اللہؐ کے محبوب ہیں

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَحَبِّكُمْ اِلَيَّ اَحْسَنَكُمْ اَخْلَاقًا۔ (رواہ البخاری۔ مشکوٰۃ باب الرفق)

حضرت عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک تم میں سے وہ لوگ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہیں جن کے اخلاق سب سے بہتر ہیں (بخاری)

تشریح: اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی محبت کسی بندہ سے محض اس کے اعمال کی بنیاد پر ہے چونکہ کسی مومن کا سب سے بہتر عمل اس کے اچھے اخلاق ہیں، اس لئے اچھے اخلاق والے اللہ کے رسول کے محبوب اور چہیتے ہیں۔

عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَثْقَلَ شَيْءٍ يُوْضَعُ

حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے وزنی چیز

فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ خُلُقٌ حَسَنٌ وَإِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ ۔ مشکوٰۃ باب الرفق)

جو قیامت کے دن مومن کی عمل تولنے والی ترازو میں رکھی جائے گی وہ اچھے اخلاق ہوں گے اور بے شک اللہ تعالیٰ بد زبان اور بد خلق آدمی کو سخت نا پسند کرتا ہے۔

تشریح:۔ یعنی جب میزان عمل میں اچھے اور برے عمل تولے جائیں گے تو ایمان والے بندے کے سب سے زیادہ وزنی عمل جو نیکیوں کے پلڑے کو جھکا دیں گے۔ اس کے اچھے اخلاق ہوں گے اور سب سے زیادہ گھٹیا عمل برے اخلاق۔ کیونکہ اچھے اخلاق اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور برے اخلاق ناپسند۔

خوش اخلاقی عبادت ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ قَائِمِ اللَّيْلِ وَصَائِمِ النَّهَارِ. (رَوَاهُ أَبُوْدَاوُدَ)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مومن اپنے اچھے اخلاق سے اس شخص کا درجہ حاصل کرلیتا ہے جو ساری رات نمازیں پڑھے اور سارے دن روزہ رکھے (ابوداؤد، مشکوٰۃ باب الرفق)

تشریح:۔ اس سے معلوم ہوا کہ خوش اخلاقی بھی اسلامی نقطۂ نظر سے عبادت ہے۔

عَنْ رَجُلٍ مِنْ مُزَيْنَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا خَيْرُ مَا أُعْطِيَ الْإِنْسَانُ قَالَ الْخُلُقُ الْحَسَنُ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ ۔ مشکوٰۃ ۔ باب الرفق)

قبیلہ مزینہ کے ایک شخص سے روایت ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ انسان کے لئے (اللہ تعالیٰ کا) سب سے بہتر عطیہ کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا اچھے اخلاق (بیہقی ۔ باب الرفق)

تشریح:۔ یعنی ایمان اور فرائض دین کی ادائیگی کی توفیق کے بعد ایک انسان کے لئے سب سے بہتر نعمت اچھے اخلاق ہیں۔

بیوی سے نرم برتاؤ ایمان کی تکمیل کا ذریعہ ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ (رَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ. جمع الفوائد باب حسن الخلق)

حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومنوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں اور اپنی بیوی کے ساتھ برتاؤ میں سب سے زیادہ نرم ہے (ترمذی، جمع الفوائد ۔ باب حسن الخلق)

تشریح:۔ چونکہ میاں بیوی کا تعلق ہر وقت کا ہے اور گھریلو معاملات میں اختلاف کا امکان بھی زیادہ

رہتا ہے۔ اس لیے یہاں خوش اخلاقی کی اہمیت زیادہ ہے۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِتَّقِ اللّٰہَ حَیْثُ مَا کُنْتَ وَاَتْبِعِ السَّیِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُھَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ (رواہ الترمذی التاج الجامع کتاب الاخلاق)

حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا، تم ہر موقع پر (تنہائی میں اور مجمع میں، آرام میں اور تکلیف میں) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور (اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو گناہ کے بعد فوراً ہی کوئی نیکی کر لیا کرو وہ اس کا اثر دور کر دیگی اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔ (ترمذی تاج ۵۷ کتاب الاخلاق)

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ اَکْثَرِ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ فَقَالَ تَقْوَی اللّٰہِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ وَسُئِلَ عَنْ اَکْثَرِ مَا یُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ فَقَالَ الْفَمُ وَالْفَرْجُ۔ (رواہ الترمذی۔ التاج الجامع کتاب الاخلاق)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا وہ باتیں کونسی ہیں جو اکثر لوگوں کے جنت میں داخل ہونے کا سبب بنتی ہیں آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرنا (اور انسانوں سے) خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا۔ پھر پوچھا گیا، وہ چیزیں کونسی ہیں جو اکثر لوگوں کے دوزخ میں داخل ہونے کا سبب بنتی ہیں آپ نے جواب دیا منہ اور شرمگاہ (حوالہ سابق)

تشریح:۔ منہ سے آدمی جھوٹ، فریب، بہتان، ظلم گلوخ جیسے گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے۔ اور شرمگاہ سے زنا جیسا گناہ صادر ہوتا ہے اور یہ گناہ عام کبی ہیں۔

حضورؐ کی آخری وصیت

عَنْ مُعَاذٍ قَالَ کَانَ اٰخِرَ مَا وَصَّانِیْ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حِیْنَ وَضَعْتُ رِجْلِیْ فِی الْغَرْزِ اَنْ قَالَ یَا مُعَاذُ اَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ۔ (رواہ مالک فی الموطا۔ مشکوٰۃ باب حسن الخلق)

حضرت معاذؓ فرماتے ہیں کہ جب میں نے (یمن کے سفر کیلئے) رکاب میں پاؤں ڈالا (اور سواری پر سوار ہونے لگا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آخری وصیت مجھے فرمائی یہ تھی کہ اے معاذ لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنا (مؤطا۔ مشکوٰۃ۔ باب حسن الخلق)

تشریح:۔ یمن کی فتح کے بعد سنہ ۹ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل کو وہاں کا حاکم بنا کر بھیجا تو چلتے وقت آپ نے ان کو بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں۔ یہ وصیتیں کچھ ایسے انداز سے کی جا رہی تھیں کہ جیسے آپ ان کو ہمیشہ کے لئے رخصت کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت معاذ کو حضورؐ کا دیدار نصیب نہ ہو سکا۔ ان وصیتوں میں آخری وصیت یہ تھی۔ اگرچہ حاکم کا فرض ہے کہ وہ مجرموں کو سزا دے۔ اسکے بغیر حکومت کا نظام چل نہیں سکتا۔ حضرت معاذ کو بھی یہ فرض انجام دینا تھا۔ تاہم ان کو ہدایت کی گئی کہ وہ عام لوگوں کے ساتھ خوش اخلاقی سے ...

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی

مولانا امین احسن اصلاحی

ایک شخص کی گھر کی زندگی اس کے سیرت و کردار کا آئینہ ہوتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے باہر کی زندگی میں ظاہرداری کی چادر اوڑھ کر نکلتا ہو۔ اور جو کچھ وہ حقیقت میں ہے اس سے بالکل مختلف شکل و صورت میں اپنے آپ کو پیش کرتا ہو۔ لیکن گھر کی زندگی میں وہ اپنے اوپر اس قسم کا کوئی پردہ ڈالے رکھنے میں زیادہ دنوں تک کامیاب نہیں ہوسکتا اس وجہ سے کسی شخص کو جانچنے کے لئے بہترین کسوٹی اس کے گھر کی زندگی ہے وہاں اس کو دیکھنا چاہئے کہ اس کی سیرت کیا ہے؟ جس خداترسی اور تقوے کا درس وہ باہر دے رہا ہے اس پر وہ اپنے گھر کے اندر کتنا عامل ہے۔ جس اتباع کتاب و سنت کا وعظ وہ دوسروں کو سنا رہا ہے اس پر وہ خود کس قدر عمل کرتا ہے اور اپنے بیوی بچوں سے کس قدر ان پر عمل کراتا ہے؟ جس دین کی اقامت کے لئے وہ خدائی فوجدار بنا ہوا سارے جہان سے لڑ رہا ہے، اس دین کو وہ اپنے گھر کے اندر کس حد تک قائم کرنے میں کامیاب ہوسکا ہے؟ جس سادگی، جس ایثار، جس قناعت، جس صبر اور جس اخلاص و دیانت کا وہ دوسروں سے مطالبہ کر رہا ہے۔ اس کا جمال خود اس کی گھریلو زندگی میں کتنا جھلک رہا ہے اگر فی الواقعہ کوئی شخص اس کسوٹی پر پورا اترتا ہے تو بلاشبہ یہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر پورے اترنے والے کی اخلاقی عظمت کا اور اس کی سچائی کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ایک ایسے شخص کے اصولوں اور نظریات سے تو آپ اختلاف کرسکتے ہیں۔ لیکن آپ اس کو محض ایک مصنوعی یا ایک بے کردار آدمی نہیں قرار دے سکتے!۔

آئیے اسی کسوٹی پر ہم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو جانچیں۔ اور یہ دیکھیں کہ آپؐ کی باہر کی دعوت اور گھر کی زندگی میں کس حد تک مطابقت ہے۔ خوش قسمتی سے صرف آپؐ ہی کی زندگی ایک ایسی زندگی ہے کہ جس کا ہر حصہ دنیا کے سامنے ہے۔ ہم نہایت مستند معلومات کی بنا پر جس طرح یہ جانتے ہیں کہ آپؐ مسجد نبوی کے اندر صحابہ کی موجودگی میں کیا کچھ فرماتے تھے اور کیا کچھ کرتے تھے۔ اسی طرح ہم نہایت مستند معلومات کی روشنی میں یہ بھی جانتے ہیں کہ آپؐ اپنی بیوی بچوں کے اندر

سوط سرچ اپنے سینے تھے۔

اہل بیت کا مسئلہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کا جو پہلو سب سے زیادہ نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ آپؐ کے اہل بیت کا رات دن کا مشغلہ بھی وہی تھا جو خود حضورؐ کا رات دن کا مشغلہ تھا۔ یہ صورت حال کبھی نہ تھی کہ آپ خود تو لوگوں کو بندگیٔ رب اور اطاعتِ الٰہی کا وعظ سناتے رہیں اور آپؐ کے اہل بیت دنیا کی دلچسپیوں اور مادی زندگی کی لذتوں میں منہمک ہوں۔ یا آپؐ باہر تو لوگوں کو زہد و قناعت کی تعلیم اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے جہاد کی تلقین فرماتے ہوں اور گھر میں آکر اس تلقین کو بھول کر دلچسپیوں اور راحتوں میں کھو جاتے ہوں۔ بلکہ آپ کا جو مشن باہر تھا آپ اس مشن کو لیکر گھر میں داخل ہوتے تھے۔ اور جس مبارک شغل میں خود اپنا وقت صرف فرماتے تھے اسی مبارک شغل میں آپؐ کے گھر والے بھی اپنا وقت بسر کرتے تھے۔!

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک مشن سورۂ جمعہ میں یہ بیان ہوا ہے:-

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ
وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔

وہی ہے جس نے بھیجا امیوں میں ایک رسول انہی میں سے جو ان کو سناتا ہے اللہ کی آیتیں اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو سکھاتا ہے کتاب اور حکمت!

بعینہ اسی مشن کی یاددہانی اللہ تعالیٰ نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں کو اس وقت فرمائی ہے جبکہ منافقین اور منافقات اس غرض کے لئے رات دن ایک کئے ہوئے تھے کہ کسی طرح آپ کی ازواجِ مطہرات کو اس اصلی نصب العین سے ہٹا کر دنیوی زخارف اور مادی زندگی کی لذتوں کی طرف مائل کر دیں چنانچہ منافقوں کی بیویوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کے کانوں میں یہ پھونکنا شروع کیا کہ آپ معزز اور امیر گھرانوں کی بیٹیاں ہیں۔ آپ لوگوں کی پرورش سرداروں کے گھروں میں عیش و آرام کے گہواروں میں ہوئی تھی۔ لیکن اس شخص نے آپ کو غربت و افلاس کی زندگی میں لا کر ڈال دیا ہے۔ اگر آپ ان کی قید سے آزاد ہو جائیں تو بڑے بڑے سرداران قبائل آپ کو نکاح کے پیغام دیتے اور آپ کی زندگیاں عیش و آرام سے گزرتیں۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات اس سے بالاتر تھیں کہ اس قسم کے شیطانی پروپیگنڈے سے متاثر ہوں۔ تاہم طبائع انسانی کی عام کمزوری کو سامنے رکھ کر اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے ان کو یاد دلایا کہ وہ خدا کی طرف سے ایک عظیم منصب پر سرفراز ہیں۔ اسی منصب کی ذمہ داریوں کے لئے اللہ نے ان کو چنا ہے اور اس دنیا کی کوئی عزت و شوکت کسی اس منصب کی عزت و شوکت کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ فرمایا:-

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ

بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ
وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ
وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ
الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ
اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا (احزاب، ۳۲۔۳۴)

"اے نبی کی بیویو! اگر تم تقویٰ کی روش اختیار کرو تو تم عام عورتوں کی مانند نہیں ہو۔
پس تم اپنے لہجہ میں ایسی نرمی نہ اختیار کرو کہ جس کے دل میں روگ ہے وہ کسی طمع خام میں مبتلا ہو جائے
اور دستور کے مطابق بات کیا کرو اور اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔ اور گزرے ہوئے زمانۂ جاہلیت
کی سی نمائش نہ کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرتی رہو۔ اللہ تو بس یہ چاہتا ہے کہ تم سے
دنیا کی آلائشیں دور رکھے۔ اے نبی کے گھر والو! اور تم کو اچھی طرح پاک کرے اور تمہارے گھروں
میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں سنائی جاتی ہیں ان کا چرچا کرو۔ اللہ لطیف و خبیر ہے!"

ان آیات سے صاف واضح ہے کہ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو سنوارنے اور سدھارنے اور کتاب و حکمت کی تعلیم دینے کے لئے بھیجا تھا۔ اسی طرح آپؐ کے گھر والوں کو بھی اس لئے چنا تھا کہ وہ اس مشن کی تکمیل میں آپ کا ہاتھ بٹائیں۔ جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے اونچا بنایا تاکہ سب لوگ ہادی و مرشد اور پیغمبر و امام کی حیثیت سے آپؐ کی پیروی کریں۔ اسی طرح آپ کی ازواج کا درجہ بھی تمام امت کے مردوں اور عورتوں کے لئے امہات کا رکھا۔ تاکہ سب لوگ ان کو اپنے لئے نمونہ بنا کر ان سے زندگی کے وہ طریقے سیکھیں جو ان کو نبی معلم سے معلوم ہوئے ہیں۔

محبت، اعتماد اور خودداری کی فضا

لیکن کسی کو یہ گمان نہ ہو کہ اگر حضورؐ اور حضورؐ کے اہل بیت نے دنیا کی جگہ آخرت، ثروت و امارت کی جگہ فقر اور خدمت نفس کی جگہ خدمت انسانیت کے اس نصب العین کو اپنے لئے پسند فرمایا تھا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی گھریلو زندگی میں کوئی لذت و کیفیت، کوئی چہل پہل اور سرگرمی اور اتار چڑھاؤ کی کوئی نرمی و گرمی سرے سے باقی ہی نہیں رہ گئی تھی۔ ایک ہموار زندگی تھی۔ ہر قسم کے نشیب و فراز سے خالی۔ ایک پرسکون ماحول تھا۔ ہر قسم کے جذبات کی مداخلت سے پاک اور محفوظ ایک بہتا ہوا دریا تھا ہر قسم کے تلاطم اور تموّج سے یکسر ناآشنا۔ حضورؐ کی گھریلو زندگی کے متعلق جن لوگوں کا تصور یہ ہے، ان کا تصور نہایت غلط ہے۔ آپؐ کی باہر کی زندگی کی طرح آپؐ کی گھر کی زندگی بھی ان تمام کیفیات سے معمور اور پررونق تھی جن سے انسانی زندگی کو معمور اور پررونق ہونا چاہئے البتہ اس میں افراط و تفریط کی بے اعتدالیاں یا عیش دنیا کی خود فراموشیاں نہیں تھیں۔ آپؐ سوتے بھی تھے۔ جاگتے بھی تھے۔ آپؐ کھاتے بھی تھے اور بھوکے بھی رہتے تھے۔ آپؐ خوش بھی ہوتے تھے اور ناخوش بھی ہوتے تھے۔ آپؐ پیار بھی کرتے تھے اور سرزنش بھی فرماتے تھے غرض زندگی کے جتنے پہلو ہو سکتے ہیں آپؐ کی گھریلو زندگی میں وہ سارے پہلو پائے جاتے تھے۔ بس دوسروں کی زندگی سے

[illegible] تھا جیسا کہ عرض کیا گیا۔ یہ فرق تھا کہ یہ زندگی ایک مثالی زندگی تھی۔ اس وجہ سے اس میں کوئی شے اپنے فطری حدود سے آگے بڑھی ہوئی تھی اور نہ اس سے پیچھے ہٹی ہوئی تھی۔ اگر کوئی چیز ذرا بھی آگے پیچھے ہٹتی تو ہمیشہ معلم الغیب کی طرف سے اس کی اصلاح کر دی جاتی۔

آپ اپنی ازواج پر بدرجہ شفقت فرماتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات آپؐ ان کی دلداری کے خیال سے کوئی ایسی چیز بھی چھوڑ دیتے جو خود آپؐ کو تو مرغوب ہوتی لیکن آپؐ کی ازواج میں سے کسی کے مذاق کے خلاف ہوتی۔ آپؐ کی یہ شفقت و دلداری اللہ تعالیٰ نے پسند فرمائی۔ لیکن ساتھ ہی اس امر سے آگاہ فرما دیا کہ یہ چیز اس حد تک نہیں بڑھنی چاہئے کہ اس کے سبب کوئی حلال چیز ناجائز بن جائے۔ آپؐ اپنی ازواج مطہرات پر حد درجہ اعتماد فرماتے تھے۔ ان کو اپنے رازوں میں شریک کرتے تھے۔ اس لئے کہ اگر بیوی محرم راز نہیں ہے تو کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن اگر بیویوں کی طرف سے ان رازوں کی حفاظت میں کوئی کوتاہی ہوتی تو اس پر آپ ان کو سرزنش بھی فرماتے۔ کیونکہ جس طرح شوہر کے لئے یہ بات پسندیدہ ہے کہ وہ اپنی بیوی پر اعتماد کرے۔ اسی طرح بیوی کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے شوہر کے رازوں کی امین بنے اور اس میں کوئی خیانت نہ کرے۔

آپؐ اپنی بیویوں کو سرزنش بھی فرماتے تھے لیکن سرزنش کرنے کے معاملہ میں بھی حضورؐ کا ایک خاص انداز تھا۔ آپؐ اگر کسی بات پر سرزنش فرماتے تو اس طرح نہیں کہ جس کو سرزنش کی اس کے لتّے لے ڈالے۔ بلکہ اس طرح کہ مخاطب بات سمجھ بھی جائے اور اسے یہ کچھ زیادہ گراں بھی نہ گزرے۔ آپؐ کی ازواج کے باہمی تعلقات (معمولی فطری نسوانی جذبات رقابت کے وقتی ظہور کے علاوہ) نہایت خوشگوار تھے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے راز کی باتیں بھی ایک دوسرے پر ظاہر کر دیا کرتی تھیں۔ اس چیز پر بھی حضورؐ نگاہ رکھتے تھے کہ نہ تو غیر معمولی اعتماد کسی بے راہ روی میں مبتلا کرے اور نہ بلا وجہ کی بے اعتمادی کسی خرابی کا باعث بنے۔ حضورؐ کی ازواج کبھی کبھی خود حضورؐ کے مقابل میں بھی اپنی خودداری کا اظہار کرتی تھیں اور حضورؐ اس کو پسند بھی فرماتے تھے بشرطیکہ یہ اپنی جائز حدود سے آگے نہ بڑھے۔

زندگی کے یہ سارے نشیب و فراز جو حضورؐ کی گھریلو زندگی میں موجود رہتے تھے۔ ایک ایسی زندگی کا نقشہ پیش کرتے ہیں جس کو انسانی زندگی کا بہترین نمونہ کہا جا سکتا ہے۔ ہم یہاں قرآن مجید کی چند آیتیں نقل کرتے ہیں جن میں آپؐ کی گھریلو زندگی کے بعض مخفی گوشوں کی طرف اشارات کئے گئے ہیں۔ اگر آپ ان کی تہ میں اتر کر غور کریں گے تو وہ ساری جھلکیاں آپ خود دیکھ لیں گے جو اوپر کی سطروں میں نمایاں ہوئی ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ وَاللَّهُ
غَفُورٌ رَحِيمٌ. قَدْ فَرَضَ اللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ وَاللَّهُ مَوْلَاكُمْ
وَهُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ. وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَىٰ بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا
فَلَمَّا نَبَّأَتْ بِهِ وَأَظْهَرَهُ اللَّهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهُ وَأَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ
فَلَمَّا نَبَّأَهَا بِهِ قَالَتْ مَنْ أَنْبَأَكَ هَٰذَا قَالَ نَبَّأَنِيَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ
إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ
هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ

ذٰلِكَ ظَهِيرٌ (تحریم ۱-۴)

"(اے نبی جو چیز اللہ نے تمہارے لئے جائز ٹھیرائی ہے اس کو اپنی بیوں کی دلداری کے خیال سے اپنے لئے حرام کیوں ٹھیراتے ہو؟ اللہ مغفرت کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ اللہ نے تمہارے لئے تمہاری خلاف شرع قسموں کا توڑنا فرض ٹھیرایا ہے اور اللہ ہی تمہارا آقا و مولا ہے اور وہ حکمت والا ہے اور جب کہ پیغمبر نے اپنی کسی بیوی سے کوئی راز کی بات کہی۔ تو جب ان بیوی نے وہ بات دوسری بیوی کو بتادی اور اللہ نے اس امر سے آپؐ کو آگاہ کر دیا تو کچھ حصہ کا آپ نے ذکر کیا اور کچھ حصہ کو حذف کر دیا۔ تو جب آپؐ نے ان بیوی پر ظاہر کیا تو وہ بولیں کہ آپ کو اس چیز سے کس نے آگاہ کیا؟ آپؐ نے کہا کہ مجھے خدائے علیم و خبیر نے آگاہ کیا۔ اگر تم دونوں بیویاں اللہ کی طرف رجوع کرو تو یہی تمہارے شایان شان ہے۔ کیونکہ تمہارے دل پہلے ہی اللہ کی طرف مائل ہیں اور اگر تم پیغمبر کے خلاف ایکا کرو گی تو یاد رکھو کہ اللہ اس کا مالک ہے۔ اور جبریل اور تمام نیک مسلمان اور ملائکہ اس کے ساتھی ہیں"۔

ان آیات میں جس چیز کی طرف اشارہ ہے ان کے درپے ہونے کی تو ضرورت نہیں ہے۔ جو باتیں اللہ تعالیٰ نے راز رکھیں ان کی کھوج کرنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ بالخصوص نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج کے درمیان کے کسی راز کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا تو ہمارے لئے کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔ لیکن ان آیات سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی کے جو پہلو بالکل نمایاں ہوکر ہمارے سامنے آرہے ہیں۔ انھیں ہمیں ضرور سمجھنا چاہئے۔ ان سے اس بات کا ثبوت فراہم ہوگا کہ حضورؐ کی گھر کی زندگی کوئی بے رنگ، سپاٹ اور بے نشیب و فراز زندگی نہیں تھی بلکہ انسانی فطرت جن پاکیزہ تقاضوں اور جن خوبصورت داعیات سے مرکب ہے۔ ان کی دھوپ چھاؤں یہاں بھی موجود ہے۔ مثلاً ان آیات کے عمق میں اتر کر غور کیجئے تو مندرجہ ذیل باتیں نہایت واضح طور پر آپ کے سامنے آئیں گی:-

(۱) ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جائز حدود کے اندر اپنی ازواج کی دلداری فرماتے تھے۔ ان کے مذاق کا لحاظ رکھتے تھے۔ اور ان کے جو شوق بے ضرر ہوتے حتی الامکان وہ پورے کر دیتے۔

(۲) دوسری یہ کہ آپؐ کی بیویاں آپؐ کی شریک رنج و راحت تھیں۔ آپؐ ان سے ہر طرح کی باتیں کرتے تھے۔ یہاں تک کہ آپ ان کو اپنے رازوں کا امین بھی بناتے تھے۔

(۳) تیسری یہ کہ آپؐ کی بیویوں کے آپس کے تعلقات نہایت محبت اور اخلاص کے تھے۔ اگرچہ کبھی کبھی بتقاضائے فطرت انسانی ان میں سوتاپے سے جذبات کبھی ابھر آتے تھے۔ لیکن یہ عام حالت نہیں تھی۔ عام حالت اس قدر اعتماد و محبت کی تھی کہ ایک دوسرے کو شوہر کے راز سے بھی آگاہ کر دیتی تھیں۔ حالانکہ سوکنوں میں یہ اخلاق بہت کم پایا جاتا ہے۔

(۴) چوتھی یہ کہ آپؐ کی ازواج کو اپنے گھروں میں جائز حد تک اپنی خودداری کے اظہار کا پورا پورا موقع حاصل تھا یہاں تک کہ کبھی کبھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ایکا بھی کر لیتی تھیں۔ چونکہ یہ چیز محض بربنائے محبت و اعتماد

ہوتی تھی۔ اس زحمت کو ہمیشہ حضورؐ نے گوارا فرمایا۔ صرف اس وقت اس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو روکا جب اپنے فطری حدود سے بڑھتی نظر آئی۔

حضورؐ کی گھریلو زندگی کی یہ جھلکیاں ہمیں قرآن مجید میں نظر آتی ہیں۔ اگر اس کو ہم سیرت کی کتابوں میں دیکھیں تو اس کے ہر پہلو سے متعلق ہمیں پوری تفصیلات ملتی ہیں۔ لیکن ان تفصیلات کے لئے اس مضمون میں گنجائش نہیں ہے۔ اس وجہ سے ہم صرف زاد المعاد کی مندرجہ ذیل چند سطروں پر قناعت کرتے ہیں۔ علامہ ابن قیم لکھتے ہیں :-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے حضرت عائشہؓ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں اور آپؐ ان کو ان کے ساتھ کھیلنے کیلئے چھوڑ دیتے۔ اگر کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہوتی تو آپ ان کی خواہش پوری کر دیتے۔ وہ جس برتن سے پانی پیتیں آپ بھی اس برتن سے ان کے منہ لگانے کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے۔ جس ہڈی کو وہ چوستیں اس ہڈی کو آپ بھی لے کر چوستے"۔

ایک مرتبہ اہل حبشہ مسجد نبوی میں اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔ آپ نے حضرت عائشہؓ کے لئے اس کا موقع پیدا فرمایا کہ وہ آپ کے کندھے کی اوٹ سے ان کے کرتب دیکھیں۔ دو مرتبہ آپؐ سفر کے موقع پر ان کے ساتھ دوڑے بھی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا ہو اور میں اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہوں۔

نماز عصر پڑھ کر آپؐ کا معمول تھا کہ آپ تمام ازواج کے ہاں تشریف لیجاتے اور ان کی خیر خیریت دریافت فرماتے۔ پھر شب میں جس کی باری ہوتی ان کے یہاں قیام فرماتے۔ (زاد المعاد جلد ۱ صفحہ ۳۸)

محاسبہ

لیکن اس تمام اعتماد و محبت کے باوجود حضورؐ اپنے اہل بیت کے محاسبہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے تھے ایک طرف شفقت و مہربانی کا یہ عالم تھا کہ آپؐ کے خادم خاص حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال مسلسل خدمت کی (دوسری روایت میں نو سال کے الفاظ ہیں) لیکن حضورؐ نے میری کسی بات پر اف تک نہیں کہا۔ اگر میں نے کوئی کام کر ڈالا تو یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا؟ اور اگر کوئی کام میں نے نہیں کیا تو یہ نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں کیا؟ لیکن دوسری طرف محاسبہ کا یہ اہتمام تھا کہ دینی معاملات میں اگر ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے صادر ہوئی تو ناممکن تھا کہ وہ آپ کی گرفت سے بچ سکے۔ امہات المومنین کی یہ شہادت ہے کہ آپ اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے کبھی کوئی باز پرس نہیں کرتے تھے لیکن خدا اور دین کے معاملہ میں کوتاہی پر ضرور باز پرس فرماتے اور اس احتساب سے کوئی محبوب سے محبوب شخصیت بھی نہیں بچ سکتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ آپ کو اور کون محبوب ہو سکتا تھا؟ ایک مرتبہ ان کی زبان سے حضرت صفیہ کے بارے میں یہ الفاظ نکل گئے "حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا" (صفیہؓ میں یہ عیب کیا کم ہے کہ ان کا قد چھوٹا ہے) یہ بات ان کی زبان سے نکلی تھی کہ آپؐ نے فوراً ان کو تنبیہ فرمائی اور جن الفاظ میں فرمائی ان کے تیور ملاحظہ ہوں۔ ارشاد ہوا:-

لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَتْ بِمَاءِ الْبَحْرِ لَمَزَجَتْهُ — عائشہ تم نے ایک ایسی بات زبان سے نکالی ہے کہ اگر وہ سمندر میں بھی ملا دی جائے تو اس کی کڑواہٹ اس کو بھی تلخ کر کے رکھ دے۔

حضورؐ کا یہ محاسبہ بھی درحقیقت آپؐ کی سیرت کا ایک پہلو تھا جو لوگ اپنے گھر والوں سے محض مادی قسم کی محبت رکھتے ہیں وہ اپنے ذاتی عیش و آرام سے تعلق رکھنے والی باتوں میں تو بڑے سخت گیر اور تنک مزاج ہوتے ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ادنیٰ کوتاہی بھی کسی سے صادر ہو جائے اور وہ اس کو نظر انداز کر جائیں۔ لیکن خدا اور شریعت کے معاملات میں وہ بڑے روادار اور فیاض ہوتے ہیں۔ بیوی بچوں میں سے جس کا جی چاہے اپنی آخرت کی بربادی کے لئے جو چاہے کر گزرے۔ انھیں کبھی ان کو ٹوکنے کی توفیق نہیں ہوگی۔ حالانکہ حقیقی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کوتاہیوں کو نظر انداز کریں جو ان کی اپنی ذات کے معاملہ میں ہوں اور ان باتوں پر گرفت کریں جن کا تعلق خود ان کی اپنی آخرت سے ہو۔ حضورؐ کا طریقہ یہی تھا۔ آپؐ اپنے ذاتی آرام سے زیادہ اس بات کے لئے فکر مند رہتے کہ گھر والے اپنی آخرت کی ذمہ داریوں کی طرف سے غافل نہ ہونے پائیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مرتبہ اللہ تعالیٰ نے جتنا اونچا بنایا تھا۔ اسی اعتبار سے ان کی ذمہ داریاں بھی بھاری تھیں۔ دوسروں کے مقابلہ میں ان کا اجر بھی دگنا تھا اور اگر ان سے کوئی جرم سرزد ہو تو اس کی سزا بھی دگنی تھی۔

يٰنِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَّاْتِ ... مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ يُّضٰعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ
وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُّؤْتِهَا
اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا (الاحزاب - ۳۰ - ۳۱)

"اے پیغمبر کی بیویو! جو تم میں سے کسی کھلی ہوئی برائی کی مرتکب ہوگی تو اس کو دوہری سزا دی جائے گی۔ اور یہ اللہ کے لئے سہل بات ہے اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتی رہیں گی اور اچھے کام کرتی رہیں گی۔ ہم ان کو ان کا اجر بھی دوہرا دیں گے اور ان کے لئے ہم نے رزق کریم تیار کر رکھا ہے"۔

حضورؐ اپنے اہل بیت کی ان ذمہ داریوں کے احساس سے ہمیشہ گراں بار رہتے اور ہر وقت ان کو دنیا کے بجائے آخرت کی کامیابیوں کے لئے ابھارتے رہتے۔ آپؐ جب شب کی نماز کے لئے اٹھتے تو آپؐ کی یہ خواہش ہوتی کہ آپ کی بیویاں بھی اس سعادت میں شریک ہوں اور بسا اوقات آپ اس کے لئے نہایت نرمی اور محبت سے ان کو شوق بھی دلاتے۔ دروازے پر کوئی سائل آتا تو گھر والوں کو اس کے حقوق یاد دلاتے۔ کوئی مہمان آتا تو اس کی خدمت پر سب کو ابھارتے۔ اور کبھی کبھی سب کو جمع کر کے نام لے لے کر مخاطب فرماتے اور بتاتے کہ اپنی آخرت کے لئے جو کچھ کر سکتی ہو کر لو۔ میں وہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت

ڈاکٹر زین الساجدین ایم اے پی ایچ ڈی

محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا معنی ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے۔ اس امر میں علماء کرام کی رایوں میں اختلاف ہے اور ان کے بیانات مختلف ہیں۔ دراصل اس اختلاف کی بنیاد ان کے احوال و اذواق کا اختلاف ہے ہر ایک نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح کی ہے۔

صوفیا اور علماء کا ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع اور آپ کے حکموں کی پیروی کا نام ہی محبت ہے۔ ان کا نظر اس آیت کریمہ پر ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (فرما دیجئے اے پیغمبر ہو گا اگر تم (واقعی) اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی اور اللہ کے حکموں کی تعمیل کرو۔ پھر اللہ بھی تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمائے گا اور اللہ بڑا مغفرت کرنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے) اس آیہ کریمہ سے معلوم ہوا کہ محبت کا دعویٰ بغیر اتباع کے قابل قبول نہیں۔ اللہ اور اسی طرح اللہ کے رسول مقبول کی محبت کے دعوے داروں کو اپنے عمل سے اس کا ثبوت دینا چاہئے اور اللہ کے حکموں کی تعمیل اور اس کے رسول کی اتباع کرکے اپنے دعوے کی سچائی کو ثابت کرنا چاہئے۔

دوسرے علماء کرام کے ارشادات مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ محبت رسول اس عقیدے کا نام ہے کہ آپ کی نصرت دیاری اور آپ کی سنت کی حفاظت اور اس پر عمل کو فرض و واجب سمجھے۔ بعض کہتے ہیں کہ محبت اس کا نام ہے کہ ہر وقت آپ کے ذکر میں سرشار و مخمور رہے۔ بعض نے کہا ہے کہ محبت کے معنی یہ ہیں کہ اپنی جان و مال و اولاد سے زیادہ آپ کو عزیز تر سمجھے۔ اور جب ضرورت پیش آئے ان چیزوں کو بے جھجک آپ پر قربان کر دے۔ بعض نے کہا ہے کہ محبت اپنی خواہشوں کو آپ کی مرضی کے تابع کر دینا ہے کہ جس کو آپ پسند کریں اسے یہ بھی پسند کرے اور جسے آپ برا سمجھیں اسے یہ بھی برا سمجھے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ سب امور محبت کے ثمرات و نتائج ہیں۔ حقیقت محبت نہیں، حقیقت محبت تو دل کا زیادہ دلپسند چیز کی طرف مائل ہونا ہے، اور دل کی پسندیدگی چند اسباب سے ہوتی ہے۔

ایک سبب تو دل کی پسندیدگی کا یہ ہے کہ وہ اس چیز کے ادراک سے لذت پائے جیسے حسین صورت، سریلی آواز

یا مزیدار کھانا جن کی طرف ہر طبع سلیم مائل ہوتی ہے کیونکہ یہ چیزیں بالطبع انسانی طبیعت کے موافق ہیں۔
دوسرا سبب پسندیدگی کا یہ ہے کہ جسے کہ وہ عقل اور قلب سے کسی کے اوصاف باطنہ و شمائل شریفہ کا ادراک کرتا ہے جیسے محبت صالحین اور علمائے عارفین کی اور اہل خیر کی اور محبوب رکھنا ان کے عادات جمیلہ اور افعال حسنہ کا کیونکہ انسان کی طبیعت ان چیزوں کی جانب خود بخود مائل ہوتی ہے۔
تیسرا سبب کسی کو پسند کرنے اور محبوب رکھنے کا یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اس کے ساتھ احسان اور بھلا سلوک کرتا رہتا ہے کیونکہ انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے محسن کے ساتھ محبت کرتا ہے۔ بہرحال انسان کی کسی شخص یا کسی شئے سے محبت اور اس کی پسندیدگی مذکورہ بالا اسباب میں سے کسی سبب کی بنیاد پر ہوتی ہے۔
اب یہ امر واضح ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ سب اسباب محبت بدرجہ کمال موجود ہیں جہاں تک آپؐ کے ظاہری حسن وجمال کا تعلق ہے ہم (قاضی عیاضؒ) اس کا ذکر تفصیل کے ساتھ کر چکے ہیں۔ مثلاً حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ "میں نے آپؐ سے زیادہ حسین کوئی شخص نہیں دیکھا گویا آپؐ کے روئے مبارک میں سورج لہریں مار رہا ہے" اور جب آپؐ تبسم فرماتے تو آپؐ کے دندان مبارک کا عکس دیواروں پر چمکنے لگتا اور حدیث ابن ابی ہالہ میں ہے کہ آپؐ کا چہرۂ مبارک ایسا درخشاں تھا جیسے چودھویں رات کا چاند۔ وغیرہ۔
اسی طرح آپؐ کے اوصاف باطنی اور کمالات معنوی پوری تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں۔ اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ خود اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی شان میں فرمایا ہے وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (اے محمد بے شک آپ کے اخلاق بہت بلند ہیں) آپؐ کے متعلق کسی نے بالکل صحیح کہا ہے ؎

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

رہی تیسری بات یعنی آپ کا امت کے حق میں محسن ہونا اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنا تو آپ کے اوصاف حمیدہ کے ضمن میں اس کی بھی پوری تفصیل آ چکی ہے۔ قرآن کریم میں بھی متعدد مقامات پر اس کا ذکر فرمایا گیا ہے مثلاً فرمایا گیا:۔ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک اللہ کا پیغمبر آیا جسے تمہاری ہر تکلیف گراں گزرتی ہے۔ تمہاری بھلائی کا وہ حریص ہے اور ایمان والوں پر تو بڑا ہی شفقت کرنے والا اور مہربان ہے)
اور فرمایا:۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ۝ وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا ۝

(اے محمد! ہم نے تم کو بھیجا دین حق کا گواہ بنا کر اور نیکو کاروں کو خوشخبری دینے والا اور بدکاروں کو اللہ کے عذاب سے ڈرانے والا بنا کر اور اپنے حکم سے اللہ کی طرف دعوت دینے والا بنا کر اور دنیا کی رہنمائی کے لئے روشن چراغ بنا کر)

× × × × × × × × ×

بھلا ان اوصاف کو پیش نظر رکھتے ہوئے امت مسلمہ ہی کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے آپ کے

محسن اعظم ہونے میں کوئی شک کرسکتا ہے۔

فرمایا گیا:—

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ　　(اے محمد) ہم نے تم کو تو تمام کائنات کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سرور کائنات فخر موجودات جناب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی حقیقی محبت کے مستحق ہیں اور آپ میں وہ تمام اسباب بدرجہ کمال موجود ہیں جن کی وجہ سے کسی سے محبت کی جاتی ہے۔ بھلا جب کوئی شخص کسی سے اس کے حسین وجمیل ہونے کی وجہ سے، یا اس کے اخلاق حمیدہ واوصاف جمیلہ کی وجہ سے متصف یا اس کے کسی احسان وکرم کی وجہ سے محبت کرتا ہے تو جہاں یہ تینوں خوبیاں موجود ہوں اور ایسے اعلیٰ درجہ کی موجود ہوں جن سے زیادہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تو اس سے محبت نہ کی جائے تو کس سے کی جائے گی۔ پھر یہ محبت ظاہری اور زبانی ہی نہ ہوگی بلکہ دل وجان سے ہوگی۔ اور جب دل وجان سے ہوگی تو اس کے آثار وثمرات بھی نمایاں ہوں گے اس کا پہلا ثمرہ یہ ہونا چاہئے کہ آپ کی مقدس زندگی کو نمونہ بنائے اور آپ کے احکام کی پوری پوری تعمیل کرے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص کسی سے محبت بھی کرے اور اس کی حکم عدولی بھی کرے۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:—

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔

قسم ہے تیرے پروردگار کی وہ (ایمان کا دعویٰ کرنے والے) مومن نہیں بن سکتے جب تک اپنے جھگڑوں میں آپ کو حاکم نہ بنائیں۔ پھر جو کچھ آپ فیصلہ فرمائیں اسے دل وجان سے قبول نہ کریں اور اپنے دلوں میں اس سے کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور پوری طرح آپ کے آگے سر تسلیم خم کردیں۔

× × ×

اس آیہ کریمہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو (محبت ہی کی نہیں بلکہ) ایمان کی شرط قرار دیا ہے اور اطاعت بھی ایسی جو دل کی گہرائیوں سے ہو۔ آپؐ کے ہر حکم کے سامنے ہماری گردن ہی نہیں بلکہ دل جھک جائے۔ اور آپؐ کا کوئی حکم یا فیصلہ ہماری خواہش کے کتنا ہی خلاف ہو، ہمارے دل میں اس کی طرف سے معمولی کھٹک بھی پیدا نہ ہو۔

آئیے ہم اور آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے اپنے دعووں کو قرآن کریم کی بتائی ہوئی اس کسوٹی پر پرکھیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو سچا مومن بنائے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ضروری گذارش

از راہ کرم چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں اور کوپن (فارم کے نچلے حصہ) پر اپنا نام اور پورا پتہ صاف تحریر فرمائیں۔

(ایڈیٹر)

★ ———— مُلا یسر

ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ

درین ضمن ذکرِ سعدی و فصاحتش و اکثر سادہ گوئیش
باکیفیت ورد و درشعر عاشقانہ اش و نوعے بیان بعضے
مضامین خویش با بسیار اشعار سعدی و قدر علم آن بزرگ
وملاقاتِ خسرو در پیریش در وقت شباب و کرامات
سلطان المشائخ با سعدی و خسرو درمقدمہ طعام در
دہلی و باز طلبیدن سلطان خلجی سعدی را از شیراز
ونیامدنش و جوابش کہ آنچہ مقصود طلب من بود از خسرو
حاصل است دبارہ ذکر حال حافظ کہ اکثر فوائد سلوک
در شعر میگوید و عالم و متقی و مرید شاہ بیرنگ نامے
بود و شراب نمی خورد و چون امیر تیمور بعد فتح شیراز
وکشتن شاہِ شجاع نام آوران شہر را بطور برکة
بہ بخارا برد حضرت نقشبند حیات بود۔ ملاقات حافظ
ثابت و معروف اما استفادہ اش مجہول ارشاد شد کہ
یاد دارم روبروئے والد ماجد شخصے حال خود بیان کرد کہ
در شیراز بطور سیاحت رفتم قبر سعدی اندرون شہر و
قبر حافظ بیرون ست اکثر رندان و مے خواران در آنجا
جمع میشوند و جائے خوب است حافظ خود گفتہ ؏
کہ زیارت گہ رندان جہان خواہد بود هر دمان شہر مراجعت
نمودند مرا ہوا خوش آمد ماندم و گفتم اے حافظ امروز
مہمان توام و خرج راہ ندارم و گرسنہ ہم ہستم قریب
پہر شب یا زیادہ گذشتہ بود کہ دیدم یک مشعل روشن
معہ یکخوان برسر آدم یک کس مے آید اول خطرناک

اسی سلسلہ میں شیخ سعدیؒ کا اور ان کی فصاحت اور
بیشتر ان کے کلام کی سادگی کا باوجود اس کیفیت درد کے
جو ان کے عاشقانہ اشعار میں ہے ذکر فرمایا اور کچھ اپنے
مضامین بھی شیخ سعدی کے بہت سے اشعار کے ساتھ بیان
فرمائے اور ان محترم کے علم کا مرتبہ اور امیر خسرو کا جوانی کے
زمانے میں ان سے ملاقات کا حال جبکہ وہ بوڑھے ہوچکے
تھے بیان فرمایا اور دہلی میں شیخ سعدی اور خسرو کے ساتھ
کھانے کے سلسلہ میں حضرت سلطان المشائخ (نظام الدین
اولیاءؒ) سے جو کرامات صادر ہوئیں ان کا ذکر فرمایا۔
پھر سلطان (علاؤ الدین) خلجی کے شیخ سعدی کو شیراز سے
دوبارہ بلانے سے یہ وہ خسرو سے حاصل ہے* تذکرہ فرمایا
اور کچھ حافظ شیرازی کے حال کا کہ اکثر تصوف کے مضامین
اپنے اشعار میں بیان کرتے ہیں ذکر فرمایا (اور یہ بھی فرمایا)
کہ وہ پرہیزگار عالم تھے اور شاہ بیرنگ نام ایک بزرگ
کے مرید تھے۔ اور شراب نہیں پیتے تھے۔ (جیسا کہ بعض ظاہر
بین ان کے کلام میں شراب کے بکثرت ذکر سے گمان کرتے ہیں)
یہ بھی فرمایا کہ جب امیر تیمور شیراز کی فتح اور شاہ شجاع کے
قتل کے بعد شہر (شیراز) کے نام آور لوگوں کو برکت حاصل کرنے
کے لئے بخارا لے گیا تو حضرت (شیخ محمد) نقشبندؒ زندہ تھے۔
ان سے حافظ شیرازی کی ملاقات تو ثابت ہے۔ اور مشہور
بھی مگر استفادہ کرنے کا حال معلوم نہیں ہے۔
ارشاد فرمایا۔ مجھے (بچپن کا واقعہ) یاد ہے کہ والد ماجد

* ان کے اس ارشاد سے [illegible] مقصود ہے

شدم آخر شب چون قریب آمد آواز داد کہ مہمانِ حافظ کجاست
چون مہمان من بودم در بار کردم و حقیقت پرسیدم
گفت ہمیں کہ خسپیدہ بودم حافظ شیرازی فرمود شخصے مہمان
من شدہ گرسنہ است و خرچ ندارد چیزے ببر بدہ
بعد بیداری ہر چند طعام تقسیم شدہ بود بتلاش آنچہ
میسر شد بدو رسیدہ ابست بخوراندیم و پنج اشرفی ہم دادہ بازگشت

(حضرت شاہ ولی اللہ) کے سامنے ایک شخص نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ میں شہر شیراز میں سیر و سیاحت کے طور پر گیا (وہاں میں نے دیکھا کہ) حضرت شیخ سعدیؒ کی قبر شہر کے اندر اور حافظ شیرازی کی شہر کے باہر ہے۔ اکثر رند اور میخوار وہاں (حافظ شیرازی کی قبر پر) جمع رہتے ہیں۔ جگہ خوب ہے۔ حافظ نے خود کہا ہے کہ زیارت گہ رنداں جہاں خواہد بود (میری قبر دنیا کے رندوں کی زیارت گاہ ہوگی۔ (رات ہوتے) شہر کے لوگ لوٹ گئے۔ مجھے ہوا خوشگوار معلوم ہوئی۔ ٹھہر گیا اور کہا اے حافظ آج میں تیرا مہمان ہوں۔ راستہ کا خرچ بھی نہیں ہے۔ اور بھوکا بھی ہوں۔ جب ایک پہر یا کچھ زیادہ کے قریب رات گذری تو دیکھا کہ ایک شخص چلا آرہا ہے۔ ایک روشن مشعل ہاتھ میں ہے) اور ایک خوان ایک آدمی کے سر پر رکھوائے ہوئے ہے۔ پہلے تو مجھے ڈر لگا۔ پھر جب وہ قریب آیا تو آواز دی کہ حضرت حافظ کا مہمان کہاں ہے چونکہ مہمان میں خود ہی تھا۔ میں نے درگاہ کا دروازہ کھولا اور حقیقت حال پوچھی۔ اس شخص نے کہا: میری آنکھ لگی ہی تھی کہ میں نے (خواب میں) دیکھا کہ حضرت حافظ فرماتے ہیں۔ ایک شخص میرا مہمان ہوا ہے۔ بھوکا ہے اور خرچ بھی نہیں رکھتا۔ کچھ لے جا اور اسے دے۔ جاگنے کے بعد (میں نے ان کے حکم کی تعمیل کا ارادہ کیا) اگرچہ کھانا تقسیم ہو چکا تھا۔ تلاش کرنے سے جو کچھ مل سکا حاضر ہے کھاؤ۔ پھر اس شخص نے پانچ اشرفیاں بھی دیں اور لوٹ گیا۔

عہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور حضرت امیر خسروؒ دونوں کا سالِ وفات سنہ ۷۲۵ھ مطابق ۱۳۲۵ء ہے۔ حضرت امیر خسروؒ کی وفات اپنے شیخ کے وصال کے چھ ماہ بعد ہوئی۔ اور شیخ سعدیؒ کا سالِ ولادت سنہ ۱۱۹۳ء اور سالِ وفات سنہ ۱۲۹۱ء ہے۔ لہٰذا ان تینوں بزرگوں کا ایک مجلس میں اجتماع ممکن ہے۔ جہاں تک زمانہ کا تعلق ہے اس میں کوئی استحالہ نہیں۔ مگر ظاہر ہے کہ حضرت شیخ سعدیؒ کی ملاقات بڑھاپے میں ہی ہوئی ہوگی۔

عہ خواجہ محمد نقشبند رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ شیرازی دونوں کا سالِ وفات ایک ہی ہے۔ یعنی سنہ ۷۹۱ھ۔ اس لئے دونوں کی ملاقات بھی ممکن ہے۔

★ ——— ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی ایم اے پی ایچ ڈی پروفیسر و صدر شعبۂ عربی کالیکٹ یونیورسٹی کیرالا

چودھویں صدی کا مجاہد عظیم

امیر محمد بن عبد الکریم ریفی

امیر عبد الکریم ریفی کی شخصیت ایک مجاہد کی حیثیت سے پورے عالم اسلامی میں معروف ہے۔ خصوصاً جس زمانہ میں ریف میں وہ اسپینی فوجوں سے برسرپیکار تھے پورا عالم اسلام ان کے مجاہدانہ کارناموں کے تذکرہ سے گونج رہا تھا اور ہر خاص و عام کا موضوع گفتگو یہی تھا۔ امیر کی عظمت کا راز ایک روحانی طاقت ہے انہوں نے مادی وسائل کے فقدان کے باوجود جدید انداز کی مسلح فوجوں کو ریف سے نکال دیا اور ان کو شکست فاش ہوئی۔

امیر کے پاس تھوڑے سے آدمی تھے اور بہت معمولی سا جنگی سامان، مگر خدا کی ذات پر یقین سے انہوں نے اتنا عظیم کارنامہ پیش کیا۔

یہی تھوڑی سی مے ہے یہی چھوٹا سا پیمانہ
اسی سے رند رازِ گنبدِ مینا سمجھتے ہیں

"ریف" کی آبادی نصف ملین یا اس سے کچھ زیادہ ہے اور اس کا رقبہ وسیع ہے مگر آبادی اس لحاظ سے کم ہے۔ یہاں کے اکثر لوگ غریب ہیں۔ یہاں کے پہاڑوں پر چشمے بھی نہیں ہیں۔ جیسے دوسرے علاقوں میں موجود ہیں۔

یہ توقع کے بالکل خلاف بات تھی کہ ایک جدید تمدن یافتہ قوم اہل ریف غالب آجائیں گے۔ یہ پہلی مسلم قوم ہے جس نے دورِ جدید میں ایک مسیحی طاقت کو شکست دی ہے۔ ایک ریفی سپاہی کے مقابلہ میں چالیس یا اس سے زیادہ اسپینی سپاہیوں کا مقابلہ تھا۔ جدید طریقہ سے منظم فوجیں ایک لاکھ سے دو لاکھ تک کی تعداد میں اسپین کی جانب سے ریف فتح کرنے کے لئے بھیجی جاتی تھیں لیکن امیر تھوڑی سی فوجوں سے ان کا مقابلہ کرکے ان کو بھگا دیتے تھے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ریف میں مسلمانوں کی فتح اور طرابلس میں سنوسیوں کے فرانسیسیوں سے مقابلہ نے اسلام کی مجاہدانہ شان و عظمت کو بلند کردیا۔ امیر کے اس جرأت مندانہ اقدام سے مغربی حکومتیں خطرہ محسوس کرنے لگیں کہ کہیں دوسرے اسلامی ممالک بھی اہل ریف کی اقتدا کرکے جہاد نہ شروع کردیں۔

ایک مغربی سیاح امیر سے ملنے کے بعد لکھتا ہے کہ ہم خشکی کے راستے سے ریف پہنچے وہاں بہت سی وادیاں اور بہت سی پہاڑوں کی چوٹیاں دلکشی پیدا کرتی ہیں ریف کا طول ۲۰۰ میل ہے۔ اور عرض ۷۰ میل ہے۔ اس سے زیادہ سخت و مشکل راستہ میں نے اور کہیں نہیں دیکھیں۔

یہاں رہ کر جو چیز سب سے زیادہ متاثر کرنے والی تھی وہ امیر عبد الکریم کی عظیم مجاہدانہ کوشش تھی جس نے تمام ریف کو

ایک وحدت بنا دیا تھا۔ لوگ بڑے خلیق اور مہمان نواز نظر آئے۔
وہاں جا کر یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا سلوک قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا ہے اور اہل یورپ جھوٹی خبریں اڑاتے ہیں کہ
اسیر قیدیوں کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کرتے ہیں۔
وہاں یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ اہلِ اسپین نے بہت وقت سے راستے بنائے ہیں اور بڑی محنت کی ہے۔ اور فوجی مراکز اس
طرح قائم کئے ہیں کہ ان کو ڈھائے بغیر اہل ریف آگے نہیں بڑھ سکتے۔ مگر ان کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ اسپینیوں سے لڑکر ہتھیار لیتے ہیں۔
سے آگے بڑھتے ہیں۔ حمل و نقل کا ذریعہ ان کے پاس گدھے اور خچر ہیں۔ ان کو زیادہ نقصان ان جنگوں میں نہیں پہنچا۔ ہر جنگ
میں جتنے افراد ہیں سب شریک ہوتے ہیں۔ ان کی کامیابی کا اصل راز یہ ہے کہ ایک رہنما کی قیادت میں سب منسلک ہیں۔ ان
کے اندر کینہ و حسد نہیں ہے۔ وہ تیر اندازی میں کمال رکھتے ہیں۔ اب ان کا معاملہ آسان ہو گیا ہے۔ کیونکہ تمام فوجی مراکز سے اسپینی فوجیں
نکل چکی ہیں۔
ایک بات اور قابل تعجب ہے کہ پورے ریف میں ایک طبیب بھی موجود نہیں۔ اور نہ کسی قسم کی دوائیں ہی موجود ہیں البتہ
یہ بات قابل غور ہے کہ ان کے یہاں امراض بھی بہت کم ہیں۔
ریفی عام طور سے چرواہے اور کسان ہیں جو اکثر مٹی اور لکڑی سے تعمیر شدہ مکانات میں رہتے ہیں۔

(۱) حاضر العالم الاسلامی ج ۱ ص ۳۹۵، ۳۹۶

عبدالکریم ریفی نے جس زمانہ میں اسپینیوں کا مقابلہ کیا وہ اس لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل تھا کہ تمام اسلامی دنیا یہ
سمجھتی تھی کہ اب یورپ سے نجات حاصل کرنا بڑا مشکل ہے اور ان طاقتوں سے ہم لوگ نپٹ نہیں سکتے۔ حضرت مصطفیٰ کمال
اور عبدالکریم ریفی نے اس ذہنی جمود کو ضرب لگائی۔ اور یورپی طاقتوں سے کامیاب مدافعت کی۔
امیر شکیب ارسلان نے عبدالکریم کی زندگی پر بڑے اچھے انداز سے تبصرہ کیا ہے وہ لکھتے ہیں: وہ قریشی یا فاطمی تھے۔
انہوں نے تعلیم حاصل کرکے "ملیلا" شہر میں "قضا" کا عہدہ قبول کیا۔ اسپین والے ان سے بہت خوش تھے کسی معاملہ میں امیر ریفی
نے اور اسپینیوں سے اختلاف رونما ہوا جس کے نتیجہ میں انہوں نے امیر کو جیل بھیجدیا۔ امیر عبدالکریم کھڑکی کی راہ سے کود کر جیل
سے بھاگے۔ جس کی وجہ سے ان کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی کافی دن علاج ہوا۔ اسپینیوں نے دوبارہ ان کو قاضی بنایا اور ان کی تالیف
قلب کی کوشش کی مگر امیر کا دل ان سے متنفر ہو چکا تھا۔ حالانکہ امیر نے انہیں کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی اور اونچے
عہدہ پر انہوں نے انہیں کو فائز کیا۔ مگر چونکہ ان کا سلوک مسلمانوں کے ساتھ ٹھیک نہ تھا اس لئے امیر کی نفرت ان سے
بڑھتی ہی گئی۔ ان کا معاملہ مسلمانوں کے ساتھ ایسا ہی تھا جیسے آقا کا غلام کے ساتھ ہوتا ہے۔ بہر حال "ملیلا" شہر
سے باہر جانے کے لئے اجازت لینی ضروری ہوتی تھی۔ امیر نے اجازت چاہی مگر انہیں باہر جانے سے روک دیا گیا۔ لیکن
امیر چپکے سے نکل گئے اور اپنے ان ہم وطنوں سے جا ملے۔ جو اسپینیوں کے خلاف جہاد کر رہے تھے۔ امیر سے پہلے ہر قبیلہ اپنا
الگ الگ محاذ جنگ رکھتا تھا۔ امیر نے سارے قبائل کو متحد کرکے ان کے اندر تنظیم پیدا کر دی۔ امیر نے سب سے پہلا
کام یہ کیا کہ اسپینی چھاؤنیوں کا محاصرہ کرکے ان کا پانی بند کر دیا۔ کچھ دن تو ہوائی جہاز سے پانی اسپینی حکومت بھیجتی رہی
لیکن بالآخر ایک سال بعد عاجز آگئی۔ ریفیوں نے بے شمار اسلحہ بارود اور توپیں مال غنیمت میں پائیں اور بے شمار اسپینی
سپاہیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اسپینی حکومت نے امیر کے پاس کہلایا کہ آپ ہمارے قیدیوں کو رہا کر دیں تو

"ملیلا" شہر آپ کے حوالہ کردیں۔ امیر نے کہلا بھیجا کہ آپ "ملیلا" اپنے پاس رکھیں اور ۷۰۰ قیدیوں کے کھانے کے لئے سامان روانہ کردیں ورنہ یہ سب بھوکوں مر جائیں گے۔ چنانچہ حکومت نے ایک جہاز غلہ وغیرہ کے ساتھ نقد مال بھی روانہ کیا۔ کئی بار بعض عظیم اسپینی فوجی جنرل اس عزم کے ساتھ آئے کہ عبدالکریم ریفی کو گرفتار کرلیں گے۔ لیکن ہمیشہ ان کو شکست فاش ہوئی اور لیے ہزاروں فوجیوں کو قربان کرنا پڑا اور پیچھے ہٹنا پڑا۔ اس ساری داستان میں رنگ آمیزی صرف دو چیزوں سے عبارت ہے ایک تو اتحاد کامل اور دوسرے خدا پر یقین اور بھروسہ، چنانچہ جب امیر عبدالکریم نے پہلی بار عظیم شکست اسپینیوں کو دی تو تمام قبائل ایک مقام "انوال" پر جمع ہوئے اور وہاں انہوں نے لیے اپنے سردار چنے اور خندقوں کے کھودنے کا کام شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ جو اپنی باری سے غیر حاضر رہے اس کے لئے سزا تجویز کی۔ اس طرح جو نماز میں شریک نہ ہو اس کے لئے بھی سزا مقرر ہوئی اور چند باتوں کا اور بھی فیصلہ کیا گیا۔ قتل کا بدلہ قتل قرار پایا۔ زانی کی سزا رجم مقرر کی گئی اور چور کے ہاتھ کاٹنے کا بھی اس اجتماع میں فیصلہ ہوا۔ یہ واقعہ تقریباً ۱۹۲۱ء کے آس پاس کا ہے۔

ایک فرانسیسی جریدہ میں ایک نامہ نگار نے لکھا ہے کہ میں امیر عبدالکریم ریفی سے ریف میں ملا۔ آپ بہترین اسپینی زبان بولتے تھے کبھی عربی میں بات کرتے تھے اور کبھی اسپینی میں۔ ان کے چہرے سے ذہانت اور وقار نمایاں تھا۔ سوالات کے جوابات وہ بڑی ذہانت سے دیتے تھے

ان تمام حالات کی روشنی میں چند باتیں سامنے آتی ہیں ایک تو یہ کہ امیر کے اندر غیرت و حمیت دینی تھی پھر ان کے اندر قیادت کی خداداد صلاحیت تھی ان کا مقصود دنیا نہ تھا بلکہ خدا کے احکام کی پابندی ان کی غایت تھی اور اس کی ذات پر یقین ان کا سارا سرمایہ تھا۔

بقیہ مجاہد خاتون (صـ سے آگے)

رضی اللہ عنہا کے دل میں ایمانی جذبات ٹھاٹھیں مار رہے تھے۔ دوسری طرف ان کی کشتی سمندر کی موجوں پر کھیلتی جا رہی تھی۔ اس درمیان میں پاک بی بی نے اپنے ساتھ والوں سے وہ تمام واقعہ کہہ سنایا جو ان کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پیش آیا تھا۔ سننے والے اس قابل رشک بی بی کی قابل رشک سرگذشت اور بشارت کو سُنکر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو دی تھی رشک کرنے لگے۔

★ — قبرص کی سرزمین آگئی۔ مجاہدین تری سے خشکی پر آئے حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا کو سواری کے لئے ایک خچر پیش کیا گیا وہ سوار ہوئیں خچر بدکا اور حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا زمین پر آرہیں اور صدمہ سے جان بحق ہوگئیں اور پھر اُسی دن ان کو سپرد خاک کیا گیا۔ وہ اپنی آرزو کو پا گئیں ان کے حصہ میں صرف سمندر کا سفر نہیں آیا بلکہ حقیقی شہادت کا درجہ نصیب ہوا۔

حضرت مولٰنا محمد الیاس دہلویؒ کا خط
رئیس الاحرار مولٰنا محمد علی کے نام

مجدد تبلیغ، حضرت مولٰنا محمد الیاس کاندھلویؒ ان بزرگان دین میں سے تھے جن کو دیکھ کر قرون اولیٰ کے ان مبلغین اسلام کی یاد تازہ ہوتی تھی جن کی حرارت ایمانی اور آتش نفسی سے مشرق و مغرب میں اسلام کی روشنی پھیلی۔ حضرتؒ کا تبلیغ دین کا جذبۂ بے قرار ان کو اطمینان سے بیٹھنے نہ دیتا تھا اور وہ ہر وقت اس فکر میں سرگرداں رہتے تھے کہ کس طرح مسلمانوں کو سچا مسلمان بنائیں۔ اور کس طرح غیر مسلموں تک اسلام کا پیغام پہنچائیں۔ ان کی اپنی زندگی تو مَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ (میرا جینا اور مرنا اس اللہ کے لئے ہے جو سب جہانوں کا پروردگار ہے) کی عملی تفسیر تھی ہی جوان تک پہنچتا تھا۔ یا جس کسی تک ان کی پہنچ ہوتی تھی، وہ چاہتے تھے کہ اپنے دل کی آگ سے اس کے سینہ کو بھی گرما دیں بلکہ اسے اس آگ میں بھسم کر دیں۔ وہ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کا بندہ انہیں ملے جو اللہ کے اس کام میں ان کا ہاتھ بٹائے۔ اور ہر شخص سے اس کی صلاحیتوں کے مطابق کام لینا چاہتے تھے۔ اکابر ملت میں سے جو بزرگ اپنے اپنے ذوق کے مطابق دین و ملت کے کسی کام میں لگے ہوئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ تھوڑا بہت وقت وہ اس کام کے لئے بھی نکالیں۔ اور قلب ملت کی صحت و حفاظت کے کام سے غافل نہ ہوں جس سے ملت کے تمام جسم میں زندگی کا خون دوڑتا ہے۔

اسی سلسلہ میں مجاہد ملت حضرت مولٰنا حفظ الرحمٰن مرحوم پر ان کی نظر گئی۔ تو انہوں نے خاکسار راقم الحروف کے ذریعہ ان کو پیام بھیجا۔ اس زمانہ میں، خاکسار کا تعلق حضرت مولٰنا اور ان کی تحریک سے بھی تھا اور اس سلسلہ میں بستی نظام الدین حاضری ہوتی رہتی تھی۔ ندوۃ المصنفین سے بھی بحیثیت رفیق کے تھا، جس کے حضرت مجاہد ملت رفیق اعلےٰ تھے۔ میں نے مولٰنا سے عرض کیا کہ حضرت مولٰنا محمد الیاس کو شکایت ہے کہ آپ نظام الدین تشریف نہیں لاتے ہیں۔ اور ان کی مدد نہیں فرماتے ہیں۔ مولٰنا نے فرمایا کہ میں حضرت مولٰنا سے کسی وقت ضرور ملوں گا مگر ان سے کہہ دیجئے کہ ہم بھی یہاں قرول باغ میں بیٹھ کر آپ ہی کا کام کر رہے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ حضرت والا زبان سے کر رہے ہیں اور ہم لوگ قلم سے۔ میں نے حضرت مولانا محمد الیاسؒ تک یہ جواب پہنچایا۔ تو حضرت مولٰنا نے فرمایا بے شک مولٰنا نے ٹھیک فرمایا۔ میں بھی سمجھتا ہوں کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور ان کے رفقاء دین ہی کا کام کر رہے ہیں اگرچہ طریق کار مختلف ہے تاہم مقصد ایک ہے۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ مولٰنا مجھے مشورے دیتے رہیں۔ اور خدام دین ایک دوسرے کے کام سے باخبر رہیں۔

اسی طرح حضرت مولٰنا کی نگاہ اس وقت ملت کے ممتاز رہنما، رئیس الاحرار حضرت مولٰنا محمد علی جوہر پر بھی پڑی اور آپ نے ان کے نام ایک خط لکھا۔ یہ خط مولٰنا افتخار فریدی صاحب کے رسالہ "انسانی فریضہ" میں حال ہی شائع ہوا ہے۔ اس میں سے نقل کر کے درج ذیل کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ قارئین کرام اس سے مستفید ہوں گے۔

یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ حضرت مولانا نے یہ خط رئیس الاحرار مرحوم کے نام اس زمانہ میں لکھا تھا جب وہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کے لئے لندن تشریف لے جا رہے تھے۔ سب کو معلوم ہے کہ رئیس الاحرار وہیں جوار رحمت الٰہی میں پہنچ گئے۔ اور ان کا جسم خاکی بیت المقدس کی مقدس زمین میں دفن کر دیا گیا اللہ تعالیٰ ان دونوں بزرگوں کے درجات بلند فرمائے۔ (مدیر)

مخدومی مکرمی زیدت مکارمکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آں مخدوم کی قابلیت و ذکاوت اور قدرت علی الکلام ہمدردی اسلام اس خاکسار کے دل پر تو آج سے سکّہ جمائے ہوئے ہے بلکہ کامریڈ کی نیر تابانی کے وقت سے جو ہر شناس اور قدر داں ہے اور شیخ الکل یعنی سیدی و مولائی حضرت شیخ الہند رح کے زمانۂ نیازمندی اور آمد و رفت سامی کے برتاؤ نے اس خیال کو اور مضاعف اور مدلل کر دیا تھا۔ ہمیشہ سے اس پُرزور انجن کے اسلام کی کوئی بڑی گاڑی کھینچنے کی طبیعت متمنی اور جویا رہی۔ کچھ زمانے سے خاکسار کے ذہن نارسا میں یہ مضمون آ رہا ہے کہ کوئی قابل شخص خاص اور معتدل طریقے سے فطری اوسط الملل مذہب یعنی اسلام کی طرف اس یورپین قوم کو زور قوت اور پوری توجہ اور کوشش کے ساتھ دعوت الی الحق کرے تو اس کے لئے آپ کے سوا کسی پر نظر نہیں جمتی۔ اس وقت یہ قوم برسر اقتدار ہے۔ اور ایک مدت سے حکمرانی کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عادت مع الخلق پر نظر کرتے ہوئے یہ بات خیال میں آتی ہے کہ اہل حکومت لوگوں کو دعوتِ الی الحق کئے جانے پر مدعو دین کی دو راہیں ہوتی ہیں۔ دعوت الی الحق کو قبول کر کے فوز دارین اور دین خداوندی اور مذہب خداوندی کی تر و تازگی اور آب و تابی اور یا اس دین سے استنکاف اور اعراض کر کے استیصال و بربادی اور ہمیشہ کے لئے خسران و نامرادی غرض کسی ایک معاملے کا ان کے ساتھ متعین ہو جانا، اسی دعوت الی الحق کی قبولیت اور اعزاز اور رد و انکار پر مبنی ہے۔ اس مدعا کے لئے یہ پہلا خط لکھ رہا ہوں۔ خدا کرے یہ تخم بارآور شجر کا ہو اور مراسلت کو مداومت بخشے۔

اس کے لئے پہلی بات اس طرز و طریق کا متعین کرنا ہے۔ جو اس کے لئے اختیار کیا جائے جس کے لئے چند امور ذہن میں آئے ہیں یہ کہ:۔

۱۔ مناظرے اور صریح کسی پر چوٹ کرنے سے محفوظ ہو۔

۲۔ دوسرے جو خرابیاں اپنے مذہب کی اُن کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہیں، اُن کا شافی جواب لئے ہوئے ہوں۔

۳۔ اور مذہب کی اصولی چیزیں مثلاً حسن تعلیم وغیرہ کی خوبیوں پر روشنی ڈال رہی ہوں۔ باوجود اس کے مختصر ہونے کی بنا پر عام اشاعت کے قابل ہو۔ مختصر چیز کی اشاعت آسان ہوتی ہے۔ غرضیکہ میں ایک نااہل شخص قابل و یگانہ کو کیا متوجہ کروں کہ کن کن امور کی رعایت ضروری ہے۔ آپ خود مجھ سے اچھا سمجھ سکتے ہیں۔

خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ اس کے مالہٗ و ما علیہ پر کافی نظر کر کے کوئی طریقۂ اولیٰ متعین کر دیا جاوے۔ اور خدائے پاک وحدہٗ لاشریک لہٗ کی نصرت قطعیہ کا یقین کر کے خدائے پاک پر بھروسہ کرتے ہوئے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کی سُرخ روئی اور آخرت کا بہترین ذخیرہ سمجھتے ہوئے اس کام کو تن دہی سے شروع کر دیا جائے۔ پھر حق تعالیٰ اپنے وعدے کے مطابق حقاً علینا نصر المؤمنین، ان تنصروا اللہ ینصرکم کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی، انا لننصر رسلنا والذین آمنوا کشتی کو کسی کنارے لگا ہی دیں گے۔ رائے سامی سے مطلع فرمائیں۔

والسلام

بندہ محمد الیاس عفی عنہٗ

۲

کشمیر کا علمی سیمنار

مشاہدات و تاثرات

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

سیمنار کے دوران اعزازی دعوتوں کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ پہلی شاندار اور پُرتکلف دعوت کشمیر کے جوان سال عالم مولانا محمد فاروق صاحب میر واعظ و امام جامع مسجد سری نگر کے ہاں تھی۔ اس دعوت میں کشمیر کے علماء و مشائخ وزراء و عمائد، پروفیسر، ڈاکٹر، وکیل، تاجر، ہر طبقہ کے لوگ سیکڑوں کی تعداد میں موجود تھے۔ اور میر واعظ صاحب کے عظیم الشان دیوان خانہ کے مختلف حصے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ البتہ شیخ صاحب کسی ہنگامی مصروفیت کے پیش آجانے کی وجہ سے تشریف نہ لا سکے۔ مگر ان کے صاحبزادہ طارق عبداللہ صاحب موجود تھے۔ مولانا محمد فاروق صاحب نے ہم لوگوں کا ایک مختصر تقریر میں خیر مقدم کیا اور درخواست کی کہ مندوبین کرام کشمیری مسلمانوں کی اپنے ارشادات کے ذریعہ رہنمائی فرمائیں۔

پہلے مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی تقریر ہوئی۔ اول انہوں نے ہم لوگوں کی کشمیر حاضری کے مقصد پر روشنی ڈالی۔ حضرت الاستاذ اکبرآبادی نے علمی عظمت و جلالت کا ذکر کیا، پھر بتایا کہ امریکہ اور یورپ کی یونیورسٹیوں میں وہاں کے پروفیسر علوم اسلامیہ پر کیسا عظیم کام کر رہے ہیں۔ پہلے ان کا مقصد پیغمبر اسلام کی ذات بابرکات اور اسلام کی تعلیمات میں کیڑے نکالنا تھا مگر اب وہ خالص علمی اور تحقیقی جذبہ سے اس میں لگے ہوئے ہیں۔ ہمیں ان سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔ وغیرہ۔

مولانا اکبرآبادی کے بعد مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانی نے اکبر الہ آبادی کی مشہور رباعی ع دل جوش میں لا فریاد نہ کر تاثیر دکھا تقریر نہ کر پڑھی اور چند جملے مزاحیہ انداز میں کہہ کر اپنی تقریر ختم کر دی۔ ان کے بعد اس خاکسار کو میر واعظ صاحب نے اپنے خیالات پیش کرنے کا حکم دیا۔ میں نے عرض کیا:-

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے۔ یہاں ہر مذہب و ملت کے لوگوں کو برابر کے حقوق حاصل ہیں، تاہم ایک جمہوری ملک میں بھی جو قوم اکثریت میں ہوتی ہے اسے خصوصی نمود حاصل ہوتی ہے۔ اور وہاں کے

تمدن، معاشرت اور علوم ہر چیز پر اس کی چھاپ ہوتی ہے۔ اور ہندوستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ مگر بڑی خوشی کی بات ہے کہ ہندوستان کا ایک حصہ کشمیر بھی ہے جہاں فرزندان اسلام کی اکثریت ہے۔ اور جہاں عنان اقتدار کسی "عبداللہ" کے ہاتھ میں ہوتی ہے، اس لئے کشمیر پر آپ ہی کو نہیں ہمیں بھی فخر ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ یہاں کبھی زندگی کے ہر پہلو پر اسلام کی نمود ہو اور اللہ کی فرمانبرداری کی جھلک نظر آئے۔

آپ کے کرنے کے دو کام ہیں" امتِ خیر" کے افراد ہونے کی حیثیت سے آپ کا فرض ہے کہ ہندوستان کی دوسری قوموں کو اسلام کا صحیح تعارف کرائیں اور اسلام کا پیغام ان تک ان کی زبانوں میں پہنچائیں اور وہ غلط فہمیاں دور کریں جو اسلام اور مسلمانوں .... کے متعلق ان میں پھیلی ہوئی ہیں۔

دوسرا کام علوم اسلامیہ کی نشر و اشاعت ہے جس کی طرف میرے دوست مولانا اکبر ... نے توجہ دلائی اس کے لئے ضروری ہے کہ کشمیر یونیورسٹی میں اسلامیات کا شعبہ قائم کیا جائے۔ علاوہ ... دینی تعلیم کے ... دارالعلوم کھولے جائیں اور ان علوم کے مختلف پہلوؤں پر تحقیقات کے لئے تحقیقاتی ادارے قائم کئے جائیں۔ اسی سلسلہ میں کشمیر کے جلیل القدر عالم حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی یاد کو تازہ اور ان کے علوم کو زندہ رکھنے کے لئے "علامہ انور شاہ اکاڈمی" قائم کی جائے۔ میں نے یہ بھی عرض کیا کہ میں مستشرقین کے کاموں کو مثال بنانے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ علماء اسلام کی عمیق علمی کاوشیں مستشرقین مغرب کے سطحی کاموں سے نہیں، وہ دنیوی سود و زیاں کے پلڑوں میں تولتے ہیں کہیں زیادہ وزن رکھتی ہیں"۔ وغیرہ۔

میری تقریر کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے بڑی دل افروز تقریر فرمائی اور علماء اسلام کے عظیم و جلیل علمی کارناموں کی اہمیت پر اپنے مخصوص انداز میں روشنی ڈالی اور حضرت شاہ صاحب کے نام پر اکاڈمی قائم کرنے کی ضرورت واضح کی۔

رات کے دس بجے کے قریب یہ ضیافت علمی ختم ہوگئی اور ضیافت مادی کا دور شروع ہوا۔ کھانا نہایت مکلف اور خالص کشمیری انداز کا تھا۔ کشمیری ضیافت کا ڈھنگ یہ ہے کہ کھانے کے وقت چار چار کی ٹکڑیوں میں تقسیم ہوکر دو دو آمنے سامنے بیٹھ جاتے ہیں اور درمیان میں سادہ چاولوں کا خوان رکھ دیا جاتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد ... پتیلی لٹکائے ہوئے کھلانے والے آتے رہتے ہیں اور مختلف انواع و اقسام کا گوشت، پارچے، کوفتے، کباب ... اس میں ڈالتے رہتے ہیں ــــ ختم ضیافت تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے سب سے آخر میں بڑا کوفتہ آتا ہے۔ گوشت میں مختلف مسالے ڈال کر اسے کئی کئی روز تک پیسا جاتا ہے۔ بتایا گیا کہ ایک کیلو گوشت پر کئی کئی سو روپے لاگت آجاتی ہے، اسے گشتابہ کہتے ہیں۔ شیرینی یا پھلوں کا دستور نہیں ہے۔ نصف شب کے بعد دعوت ختم ہوئی اور قیام گاہ پر واپسی ہوئی۔

دوسرے روز دعوت حضرت مولانا محمد سعید مسعودی صاحب کے ہاں، ان کے بھائی نذیر احمد مسعودی صاحب کی کوٹھی پر تھی۔ مسعودی صاحب کشمیر کے ممتاز عالم اور قومی رہنما ہیں۔ باوجود ضعیف ہوجانے کے جواں ہمت ہیں۔ ... کل جنتا پارٹی کشمیر کے صدر رہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے عزیز بھی ہیں۔ مجھے ... سے ان کی خدمت میں نیاز ... ہے۔ اسی تعلق بزرگانہ کی وجہ سے کئی مرتبہ اس ناچیز کے کمرہ میں تشریف لائے۔

اس دعوت میں حاضرین کی تعداد تو اتنی زیادہ نہ تھی جتنی میر واعظ صاحب کی دعوت میں، مگر کشمیر کے تمام

[illegible] ... اندا[illegible]

[illegible] یہاں کے [illegible] دستور کے مطابق کھانے سے پہلے [illegible] بہت [illegible]

[illegible] صاحب بھی بڑے بے تکلفانہ انداز میں شریک [illegible] رہے۔ شیخ صاحب [illegible]

[illegible] ہیں اور بولتے کم ہیں۔ مگر جو ایک دو جملے بولتے ہیں وہ بڑی ہی [illegible] کی باتیں ہوتی ہیں۔ [illegible]

[illegible] ہے۔ معمولی سے معمولی آدمی سے بھی بے تکلفانہ [illegible] ملتے ہیں اور ذرا یہ ظاہر [illegible]

[illegible] علم ہیں۔ شیخ صاحب محترم کی کوٹھی پر تین مرتبہ جانے کا موقعہ ملا۔ پہلی مرتبہ جانے پر انھوں نے حضرت علامہ [illegible] کشمیری کی علمی یادگار قائم کرنے کے مسئلہ پر ابتدائی گفتگو کرنے کے لئے بلایا تھا۔ اس موقعہ پر حضرت مہتمم صاحب [illegible] مفتی عتیق الرحمن صاحب۔ مولانا سعید احمد صاحب اور یہ خاکسار۔ صرف چار اصحاب مدعو تھے۔ وقت پانچ بجے [illegible] ہم لوگ پہنچے تو شیخ صاحب سکریٹریٹ سے واپس نہ آئے تھے۔ وہاں کوئی اہم مسئلہ درپیش تھا۔ بیگم شیخ عبداللہ [illegible] کے صاحبزادہ طارق عبداللہ اور ان کے داماد صاحب نے ہم لوگوں کی پذیرائی کی۔ بیگم عبداللہ اعلیٰ تعلیم یافتہ [illegible] ہوشمند خاتون ہیں۔ انڈین پارلیمنٹ کی ممبر بھی ہیں اور ملکی و سیاسی معاملات میں شیخ صاحب کی مددگار بھی [illegible] رفیق حیات ہی نہیں رفیق سیاست بھی ہیں۔ ظاہر ہے پردہ تو نہیں کرتیں مگر گفتگو بڑے باوقار انداز سے [illegible] سلجھے ہوئے کرتی ہیں۔ شیخ صاحب مغرب سے ذرا پہلے تشریف لائے۔ اسی وقت ہمارے ہوسٹل میں کشمیر کے ممتاز [illegible] بشیر الدین صاحب کی طرف سے چائے کی دعوت تھی جس میں محترم شیخ صاحب کو بھی شریک ہونا تھا۔ چنانچہ [illegible] ہمارے ساتھ بیٹھ کر اپنی کار ہی میں ہمیں اپنے ساتھ لے کر شیخ صاحب ہوسٹل میں تشریف لائے۔ یہ دعوت بھی [illegible] پر تکلف تھی۔

تیسری دعوت، طعام شب کی، شیخ صاحب نے اپنی کوٹھی پر تمام مندوبین سیمنار کو دی تھی۔ اس میں ہم لوگوں کے علاوہ، چیدہ اکابر و اعیان کشمیر شریک تھے۔ کھانے کا وہی انداز تھا۔ شیخ صاحب محترم علماء دیوبند کی ایک "رباعی" میں شریک طعام تھے اور اپنی طبعی بے تکلفی کے ساتھ مصروف گفتگو۔ میں برابر ہی میں حضرت مہتمم صاحب اور مفتی صاحب [illegible] رباعی میں تھا۔ کھانا ختم ہوا تو میں نے شیخ صاحب سے کہا، شیخ صاحب، آپ کا وطن وادیٔ گل و ثمر کہلاتا ہے۔ مگر [illegible] دعوتیں کھاتے گذر گئے ہم نے دستر خوان پر پھل ہی نہ دیکھا۔ شیخ صاحب مسکرائے اور آنکھ سے اشارا کیا۔ پانچ منٹ [illegible] گذرے تھے کہ اعلیٰ قسم کے سیبوں کی پلیٹ سامنے لگا دی گئی۔ اور دس منٹ کے بعد بہترین قسم کا حلوا بھی آگیا۔

دعوات کے خاتمہ پر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی علمی یادگار قائم کرنے کے مسئلہ پر گفتگو شروع ہوئی۔ ہم لوگوں نے تجویز پیش کی کہ حضرت علامہ کشمیریؒ کے نام پر ایک اکاڈمی قائم کی جائے۔ جس میں اسلامی علوم و فنون پر تحقیق [illegible] کے علاوہ حضرت کشمیریؒ کی تصنیفات و افادات کی ترتیب جدید اور ان کی تلخیص و تسہیل اور ان کی نشر و اشاعت کا اہتمام [illegible] کیا جائے۔ تھی کہ یہ کام عربی زبان میں ہونا چاہیے تاکہ اس سے پورا عالم اسلام مستفید ہو سکے۔ عام اردو داں [illegible] کے لئے حضرت شاہ صاحبؒ کے خیالات و افکار سے استفادہ ممکن بھی نہیں۔ اس کے علاوہ ہم [illegible] نے یہ بھی کہ کشمیر یونیورسٹی میں "علامہ اقبال چیئر کی طرح" "علامہ انور شاہ چیئر" بھی قائم کی جائے۔ [illegible] نے دونوں تجویزوں سے اتفاق کیا اور پوچھا کہ اس کام کی ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے۔ مفتی عتیق الرحمن [illegible]

مشورہ ہوا میں نے اپنے لائق دوست مولانا سعید احمد اکبرآبادی کا نام پیش کیا، وہ بھی برابر ہی میں بیٹھے تھے۔ شیخ صاحب نے ان سے پوچھا، کیا آپ اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے لئے تیار ہیں۔ الحمدللہ مولانا اکبرآبادی نے بلا تکلف فرمایا "میں استاذ مرحوم کے سلسلہ میں ہر خدمت کے لئے اپنے خون کا آخری قطرہ بہانے کے لئے بھی تیار ہوں"۔

اس خوش آیند جواب کے بعد شیخ صاحب نے فرمایا کہ آپ صاحبان اس سلسلہ میں مفصل خاکہ مجھے بنا کر دیں۔

اس طرح کامیابی کے ساتھ یہ مجلس رات کو گیارہ بجے ختم ہوگئی۔

اگلے روز جناب مفتی صاحب اور مولانا سعید صاحب نے ڈاکٹر فضل الرحمن گنوری کی مدد سے یادگار کے دونوں شعبوں کا خاکہ تیار کر کے محترم شیخ صاحب کے سامنے پیش کر دیا۔

واپسی سے ایک روز قبل مجھے الگ سے شیخ صاحب سے گفتگو کا موقعہ ملا۔ شیخ صاحب نے اسکیم کی تفصیلات بتائیں اور میری رائے معلوم کی۔ میں نے اپنی حقیر رائے کا اظہار کیا اور ...... اس سے اتفاق کیا اور یہ بھی عرض کیا کہ اکاڈمی حضرت شاہ صاحب کی ہی نہیں آپ کی بھی ایک اچھی یادگار ہوگی۔

محترم شیخ صاحب نے از راہِ عنایت و کرم فرمایا کہ آپ کو بھی چھوڑا نہ جائے گا۔ اور اس علمی کام میں مدد لی جائے گی میں نے عرض کیا کہ ملازمت تو میرے بس کی نہیں اور کوئی خدمت ہو تو اس سے انکار نہیں۔

خدا کرے کشمیر کا یہ علمی سیمینار برگ و بار لائے، اور حضرت الاستاذ الکشمیری کے نام پر کوئی مستقل ادارہ قائم ہو جائے۔

اس موقعہ پر ہندوستان کے اکابر علم و فضل کے اجتماع سے فائدہ اٹھا کر یہاں کے کئی اداروں اور انجمنوں نے اپنے ہاں اجتماعات کا انتظام کیا۔

سیمینار کے ختم ہونے کے بعد ایک جلسہ "اسلامک اسٹڈیز سرکل" میں ہوا۔ یہاں حضرت مہتمم صاحب، مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی، ڈاکٹر فضل الرحمن گنوری اور اس خاکسار نے یونیورسٹی کے طلبہ اور کشمیر کے جدید تعلیم یافتہ اصحاب سے وقت کے جدید مسائل پر خطاب کیا۔ بعض اصحاب کے علمی سوالات کے جواب بھی دیے گئے آخر میں پر تکلف چائے سے تواضع کی گئی۔

یہاں میر واعظ مولانا محمد فاروق صاحب بھی موجود تھے۔ وہ مجھے اور مولانا اخلاق حسین قاسمی صاحب کو اپنے دولت کدہ پر لے گئے۔ تقریباً دو گھنٹے تک کشمیر کے تعلیمی و اصلاحی مسائل پر گفتگو رہی میر واعظ کا عہدہ کشمیر میں "شیخ الاسلام" اور "امیر شریعت" کی حیثیت رکھتا ہے اور آپ کے خاندان میں برسہا برس سے چلا آ رہا ہے۔ سری نگر کی عظیم الشان جامع مسجد کی امامت و خطابت بھی آپ ہی سے متعلق ہے اور اس کا انتظام بھی۔ مذہبی عظمت کے علاوہ، اصلاحی ریاست ہونے کی وجہ سے، میر واعظ صاحب کو سیاسی اہمیت بھی حاصل ہے آپ کی موٹر پر سبز ہلالی پرچم لہراتا رہتا ہے

آپ دیر تک کشمیر میں اپنے بزرگوں کی علمی، دینی و تبلیغی خدمات کا تذکرہ کرتے رہے اور اپنے عم محترم

مولانا محمد یوسف مرحوم کی کشمیری زبان میں تفسیر قرآن کریم کا بھی تعارف کرایا۔ میں نے اپنی بعض تالیفات پیش کی پیش کش کی تو فرمایا کہ آپ کی قاموس القرآن وغیرہ بلکہ "المحرم" کا فائل بھی میرے پاس پہلے ہی سے موجود ہے۔ آپ نے نصرت الاسلام اپنی تبلیغی انجمن کی کارگزاری کا بھی تذکرہ کیا۔ میں نے اور مولانا قاسمی نے کہا کہ آپ تو کشمیر کی تعلیمی و اسلامی و تبلیغی ذمہ داریوں کو پوری قوت سے سنبھال لیجئے اور اسی کے ہو رہئے۔ یہ بہت بڑا کام ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذاتی و خاندانی صلاحیتوں کی وجہ سے آپ کو ہر طرح اس کا اہل بنایا ہے۔ میرواعظ صاحب خاموش ہو گئے۔

نماز ظہر کے بعد کھانا کھایا۔ کھانا دہلوی انداز کا انھوں نے خاص طور پر ہمارے لئے تیار کرایا تھا جو بڑا لذیذ تھا۔ اور چونکہ ایک ہفتہ کے بعد یہ کھانا ملا تھا اس لئے لذیذ تر معلوم ہوا

۴ بجے کے قریب جامع مسجد کی سیر کرتے ہوئے واپس ہوئے۔ جامع مسجد اپنی وسعت کے لحاظ سے جامع مسجد دہلی سے کم نہیں۔ اگرچہ جامع مسجد دہلی کی شان نرالی ہی ہے مگر یہ مسجد بھی لکڑی کے باریک نقشین کام کا نادر اور حسین و جمیل نمونہ ہے

سری نگر کے قریب سوپور ایک تجارتی شہر ہے۔ یہاں مسلم ایجوکیشن ٹرسٹ کے نام سے ایک تعلیمی ادارہ قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے اور اس کے تحت لڑکوں اور لڑکیوں کے کئی شاندار کالج چل رہے ہیں اس ادارہ نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ پر ایک مجلس مذاکرہ کا اہتمام کیا تھا۔ اکثر مندوبین اس جلسہ میں شرکت کیلئے تشریف لے گئے اور شام تک وہاں مختلف تقریبات میں شرکت کی۔ میں نے اس روز بازار جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ اس لئے اس میں شریک نہ ہو سکا۔

"سری نگر" وادی کشمیر کا مرکزی شہر ہے۔ ادھر ادھر بلند و بالا پہاڑ اس کی پاسبانی کرتے نظر آتے ہیں جا بجا نہریں اس کی آغوش میں مصروف خرام ہیں۔ ان نہروں میں چھوٹی بڑی کشتیاں اور شکارے پڑے ہوئے تھے جو سیاحوں کی قیام گاہوں کا کام دیتے ہیں۔ آجکل بہار کا موسم ختم ہو جانے کی وجہ سے خالی ہی معلوم ہوتی تھیں۔ نہروں میں پانی بھی کم ہی تھا۔ البتہ کشمیر کی مشہور ڈل جو میلوں تک چلی گئی ہے سمندر کا ٹکڑا معلوم ہوتی تھی۔ اس میں جو کشتیاں پڑی ہوئی تھیں ان میں سے بعض اتنی بڑی تھیں کہ خاصی بلڈنگ معلوم ہوتی تھیں۔ ان کو فرش و فروش۔ رنگا رنگ پردوں اور خوبصورت نقشین فرنیچر سے اس طرح سجایا گیا تھا جس طرح ہمارے اطراف میں رام لیلا کے تہوار پر رتھوں کو سجایا جاتا ہے۔ کچھ بے فکرے جوڑے تیرتے ہوئے شکاروں میں آرام کرسیوں پر بیٹھے مصروف گلگشت تھے اور زبان حال سے کہہ رہے تھے "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

سری نگر کے جدید حصے کے بازار خوبصورت اور کشادہ ہیں اور کشمیری مصنوعات سے پٹے پڑے ہیں۔ ایشیا اور یورپ اور امریکہ کے مختلف وضع قطع کے خریدار، خریداری میں مصروف تھے۔ کچھ دیر میرے ساتھ میری رہنمائی کے لئے میرے ایک دہلوی دوست کے فرزند مولوی ریحان الحق صاحب رہے جو کشمیر یونیورسٹی میں اردو کے لکچرر ہیں۔ بڑے شریف الطبع اور سعادت مند نوجوان ہیں۔ سیمنار کی انتظامی کمیٹی کے بھی وہ ممبر تھے۔ [illegible]

کشمیر کے قیام سے دوران بڑی مدد ملی. جب وہ یونیورسٹی اپنی کلاس لینے چلے گئے تو میں تنہا ہی بازار میں گھومتا رہا اور بہت ضرورت کی چیزیں خریدیں.

میں نے اپنی عادت کے مطابق جو کچھ خریدا، ایک دوکان پر قیمت معلوم کر کے خریدا. میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ قیمتوں میں فرق بہت کم تھا. مختلف دوکاندار تقریباً یکساں ہی قیمتیں بتا رہے تھے. حکومت کشمیر کی طرف سے بعض جگہ بڑے بڑے بورڈ بھی لگے ہوئے تھے جن میں تاجروں کو دیانتداری کی ترغیب دی گئی تھی.

میں اس سفر کی مختصر مدت میں کشمیر کی ان سیرگاہوں کی سیر نہ کر سکا جنھوں نے اسے جنت نظیر بنا دیا ہے. بعض دوستوں نے کہا کہ کشمیر کی سیر کا لطف وہی اٹھا سکتا ہے جو سری نگر اور جموں کے درمیان موٹر یا بس سے سفر کر سکے اور راستے کے کوہساروں اور آبشاروں کے مناظر دیکھے. اور مجھے ترغیب دی کہ واپسی میں ان کے ساتھ زمینی سفر کروں. مگر میں ایک گھنٹہ کے سفر کو ڈیڑھ دن میں بدلنے کو تیار نہ ہوا. آخری دن ۲۴ اکتوبر کو چند گھنٹے نکال صرف شالامار باغ چلا گیا تھا.

راستہ میں ڈل کے مناظر سے لطف اندوز ہوا. دو بجے ہوسٹل واپس آیا. کھانا کھایا اور نماز ظہر ادا کی اور اندرابی صاحب کی معیت میں ایرپورٹ کے لئے روانہ ہو گیا. اندرابی صاحب میرے دیوبند کے ایک استاذ حضرت مولانا میرک شاہ کشمیریؒ کے نواسے ہیں اور اسی تعلق کی وجہ سے میرے بہت کام آئے. اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے.

ہوائی جہاز تقریباً ساڑھے چار بجے اڑ کر ساڑھے پانچ بجے دہلی پہنچا اور میں فوراً ہی وہاں سے روانہ ہو کر رات کو نو بجے میرٹھ اپنے مکان پر پہونچ گیا. اور یہ دل کش اور روح پرور سفر بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوا. فالحمد للہ العظیم.

فارم نمبر IV
(حسب منشا رول نمبر ۸)

ماہنامہ الحرم۔ ۲۱۱۷۔ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

۱۔ مقام اشاعت - ۲۱۱۷- قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

۲۔ وقفہ اشاعت - ماہوار

۳۔ نام پرنٹر - قاضی زین العابدین سجاد
قومیت - ہندوستانی
پتہ - ۲۱۱۷- قاسم جان اسٹریٹ- دہلی

۴۔ نام پبلشر - قاضی زین العابدین سجاد
قومیت - ہندوستانی
پتہ - ۲۱۱۷- قاسم جان اسٹریٹ دہلی-۶

۵۔ نام ایڈیٹر- قاضی زین العابدین سجاد
قومیت - ہندوستانی
پتہ - ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

۶۔ نام و پتہ مالک - قاضی زین العابدین سجاد معرفت ایس ایم اطہر ہاشمی ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶

میں قاضی زین العابدین سجاد تصدیق کرتا ہوں کہ تفصیلات مذکورہ بالا میرے علم و یقین کے مطابق صحیح ہیں

قاضی زین العابدین سجاد
یکم مارچ ۱۹۷۸ء

★ ——— منیبہ خاتون قاضیہ ایم اے (پبرلویس)

چند علماء حق کے واقعات

علم کا اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی اس پر عمل کرے۔ عالم بے عمل خود تو محروم ہی رہتا ہے دوسروں کے لئے بھی گمراہی کا سبب بن جاتا ہے کیونکہ دوسرے دیکھنے والے اس کی ہر بات کو نمونہ سمجھتے ہیں۔ اس کی تقلید کرتے ہیں اور وہ بھی گمراہ ہوتے ہیں اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ "علم بغیر عمل کے وبال ہے۔ اور عمل بغیر علم کے گمراہی کا سبب ہے۔" اب چند علماء حق کے واقعات سنئے جن کا علم صرف ان کے دماغ کی زینت نہیں تھا بلکہ پہلے اس نے ان کے سینہ کو روشن کیا پھر دنیا کو سچائی اور حق پرستی کے راستہ کی رہنمائی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو رنابت تقویٰ اور خدمت خلق کے ایسے سانچوں میں ڈھالا تھا کہ لوگ ان کے چہرے دیکھ کر اسلام قبول کرتے تھے۔

حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اکابر دیوبند میں ہوتا ہے وہ حضرت شاہ محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے بلا واسطہ شاگرد تھے۔ اور حضرت شاہ عبدالغنی رحمۃ اللہ علیہ محدث دھلوی کے ہم سبق تھے۔ وہ ایک مرتبہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے راستہ میں ایک بوڑھا آدمی ملا جو بوجھ لئے جا رہا تھا اور بمشکل قدم اٹھا رہا تھا حضرت مولانا مظفر حسین نے جب یہ حال دیکھا تو اس سے وہ بوجھ لے لیا اور جہاں وہ لے جانا چاہتا تھا وہاں پہنچا دیا۔ اس بوڑھے نے ان سے پوچھا! اجی تم کہاں رہتے ہو۔ انہوں نے کہا بھائی! میں کاندھلہ رہتا ہوں' اس نے کہا وہاں مولوی مظفر حسین بڑے ولی ہیں۔" اور ان کی بڑی تعریفیں کیں، مگر مولانا نے فرمایا" اور تو اس میں کوئی بات نہیں ہے ہاں نماز تو پڑھتے ہیں۔" اس نے کہا کہ واہ میاں تم ایسے بزرگ کو ایسا کہو ہو؟" مولانا نے فرمایا۔ میں ٹھیک کہتا ہوں۔" وہ بوڑھا ان کے سر ہو گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص آیا جو مولانا سے واقف تھا اس نے بوڑھے سے کہا" بھلے مانس مولوی مظفر حسین تو یہی ہیں۔ اس پر وہ بوڑھا مولانا سے لپٹ کر رونے لگا۔

ان ہی مولانا مظفر حسین کی عادت تھی کہ اشراق کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا کرتے تھے اور اپنے تمام رشتہ داروں کے گھر تشریف لے جاتے جس کسی کو بازار سے کچھ منگانا ہوتا اس سے پوچھ کر لا دیتے اور طرّہ یہ کہ اس زمانہ میں لوگوں کے پاس پیسے کم ہوتے تھے عموماً چیزیں غلہ کے عوض خریدی جاتیں چنانچہ آپ گھروں سے غلّہ باندھ کر لے جاتے اور اس سے اشیاء ضرورت خرید کر لاتے۔

حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو دیوبند میں حضرت میاں صاحب کے لقب سے مشہور تھے دارالعلوم دیوبند کے درجہ علیا کے استاد تھے ان سے ابوداؤد پڑھنے والے ابھی برصغیر میں ہزاروں ہوں

تھے۔ علوم قرآن و سنت کے بڑے ماہر اور جملہ علوم و فنون کے کامل محقق مگر بہت کم گو۔ حدیث کے درس میں نہایت مختصر مگر جامع تقریر ایسی ہوتی تھی کہ حدیث کا مفہوم دل میں اتر جائے۔ اور شبہات خود بخود کافور ہو جائیں۔

ان ہی کا ایک واقعہ ہے کہ آپ کا زنانہ مکان اور نشست گاہ بھی مٹی کی بنی ہوئی تھی۔ ہر برسات کے موقع پر اس کی لپائی پتائی ضروری تھی۔ جس میں کافی پیسہ اور وقت خرچ ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت میاں صاحب سے کہا کہ حضرت جتنا روپیہ سالانہ لپائی پتائی پر خرچ ہوتے ہیں۔ اگر ایک مرتبہ پختہ اینٹوں سے بنانے میں خرچ کر لیں تو دو تین سالوں میں یہ خرچ برابر ہو جائے اور ہمیشہ کے لئے اس محنت سے نجات ہو۔ یہ سن کر پہلے تو فرمایا: ماشاء اللہ بات تو بہت عقلمندی کی ہے ہم بوڑھے ہو گئے اور دھیان ہی نہ دیا پھر کچھ توقف کے بعد جو حقیقت حال تھی وہ ... فرمایا ... غریبوں کے کچے مکان ہیں اگر میں اپنا مکان پکا بنوالوں تو غریب پڑوسیوں کو حسرت ہوگی اور اتنی وسعت نہیں ہے کہ سب کے مکان پکے بنواؤں؟ اس وقت معلوم ہوا کہ یہ حضرات جو کچھ سوچتے ہیں وہاں تک ہر ایک کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اپنا مکان پختہ نہیں کیا جب تک پڑوسیوں کے مکان پختہ نہ بن گئے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کو اللہ تعالیٰ نے اس صدی میں اصلاح خلق کی توفیق خاص اور اس کا انتہائی حکیمانہ اسلوب مرحمت فرمایا تھا۔ اردو کے مشہور شاعر جگر مراد آبادی مرحوم کا واقعہ ہے کہ ایک مجلس میں حضرت خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت تھانوی سے ذکر کیا کہ جگر مراد آبادی سے ایک مرتبہ میری ملاقات ہوئی تو وہ کہنے لگے کہ تھانہ بھون جانے اور زیارت کرنے کو بہت دل چاہتا ہے، مگر میں اس معصیت میں مبتلا ہوں کہ شراب نہیں چھوڑ سکتا اس لئے مجبور ہوں کہ کیا منہ لے کر وہاں جاؤں"؟ حضرت نے خواجہ صاحب سے مخاطب ہو کر پوچھا! "پھر آپ نے کیا جواب دیا؟ خواجہ صاحب نے عرض کیا میں نے کہدیا "ہاں! یہ تو صحیح ہے ایسی حالت میں بزرگوں کے پاس جانا کیسے مناسب ہو سکتا ہے"؟ حضرت نے فرمایا: واہ خواجہ صاحب ہم تو سمجھتے تھے کہ اب آپ طریقت کو سمجھ گئے ہیں، مگر معلوم ہوا کہ ہمارا خیال غلط تھا۔ خواجہ صاحب کے تعجب پر حکیم الامت قدس سرہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیتے کہ جس حال میں بھی ہو اسی میں چلے جاؤ، ممکن ہے کہ یہ ملاقات ہی اس بلا سے نجات کا ذریعہ بن جائے"۔

چنانچہ خواجہ صاحب یہاں سے جب واپس گئے، تو پھر اتفاقاً جگر صاحب سے ملاقات ہو گئی اور یہ سارا واقعہ جگر صاحب کو سنا دیا۔ انہوں نے حضرت کے یہ کلمات سنکر زار زار رونا شروع کر دیا اور بالآخر یہ عہد کر لیا کہ اب مر بھی جاؤں تو اس خبیث چیز کے قریب نہ جاؤں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ شراب چھوڑنے سے بیمار پڑ گئے، حالت نازک ہو گئی۔ اس وقت لوگوں نے کہا آپ کو اس حالت میں بقدر ضرورت پینے کی تو شریعت بھی اجازت دیتی ہے گی۔ لیکن یہ جگر صاحب کا جگر تھا کہ اس کے باوجود انہوں نے اس ام الخبائث کو ہاتھ نہ لگایا۔

اللہ تعالیٰ اہل عزم و ہمت کی مدد فرماتے ہیں۔ اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کی مدد سے چند روز ہی میں شفائے کامل حاصل ہوئی۔ اس کے بعد وہ تھانہ بھون تشریف لائے اور حضرت نے ان کی بڑی قدر و عزت فرمائی۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا نام ... نہ ہوگا مرحوم اس پایہ کے عالم تھے کہ

برسہا برس آپ نے حرم شریف مدینہ میں احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا درس دیا تھا۔ مگر آپ کی انکساری اور تواضع کی یہ حالت تھی کہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہی نہ تھے۔ خاص طور پر مہمانوں کے لئے فرش راہ ہو جاتے تھے۔ ایک واقعہ سنئے کسی دیندار آدمی کا نہیں مشہور کمیونسٹ لیڈر محمد اشرف کا۔ وہ کہتے ہیں کہ ۱۹۴۶ء میں کمیونسٹ پارٹی نے مسلمانوں کے مسائل کے سلسلہ میں ایک رپورٹ پیش کرنے کے لئے مجھے دیوبند بھیجا۔ اور میں حضرت شیخ الاسلام کا مہمان بنا۔ حضرت نے میرے آرام کے لئے ایک الگ کمرہ کا انتظام فرمایا۔ کیونکہ حضرت کی قیام گاہ ساری رات ذکر اللہ کے شور سے گونجتی رہتی تھی اور میں لمبی تان کر سونے کا عادی تھا۔ ایک رات میں لیمپ گل کرنے کے بعد میٹھی نیند سو رہا تھا کہ مجھے اپنی ٹانگوں پر کسی کے ہاتھوں کی حرکت محسوس ہوئی۔ میری آنکھ کھل گئی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت والا میری ٹانگیں دبا رہے ہیں۔ میں بے انتہا شرمندہ ہوا اور میں نے فوراً پاؤں سکوڑ لئے اور بڑے ادب سے حضرت کو روکا۔ مگر حضرت نے فرمایا کہ آپ مجھے اس ثواب سے کیوں محروم کرتے ہیں۔ کیا میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ اپنے مہمان کی معمولی خدمت کر سکوں۔ مجھ پر حضرت کے اس ارشاد سے جو کیفیت گزری اس کا اظہار ممکن نہیں۔

علماء حق کے یہ چند واقعات نمونہ کے طور پر درج کر دیئے گئے ہیں۔ ایسے ہی بزرگوں کے نفوس قدسیہ سے دنیا میں اسلام کی روشنی پھیلی ہے۔

دردمندانِ ملت سے درخواست

(۱) الحرم کا شمارہ یعنی الحرم کے پرانے خریداروں اور دیگر احباب کی خدمت میں جو علمی و دینی ذوق اور تبلیغ و اشاعت اسلام [illegible] میں بطور نمونہ ارسال کیا جا رہا ہے۔ ایسے دور میں جبکہ باطل اپنی تمام قوتوں کے ساتھ حق کے مقابلہ پر صف آرا ہے۔ اگر ہماری اس ناچیز کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے تو ازراہ کرم اس کی خریداری منظور فرمائیں۔ اور چندہ سالانہ بارہ روپے بذریعہ منی آرڈر بھیج کر شکر گزار فرمائیں۔ وی پی کی صورت میں ڈھائی روپے زیادہ خرچ ہوں گے۔

(۲) اگر کسی مالی عذر کی وجہ سے خریدار نہیں بن سکتے تو ہمیں ایک کارڈ کے ذریعہ اطلاع دے کر شکر گزار فرمائیں۔

(۳) بعض غیر مستطیع حضرات چندہ میں رعایت چاہتے ہیں اگرچہ کاغذ و طباعت کی ہوش ربا گرانی کی وجہ سے کسی قسم کی رعایت دشوار ہے تاہم ایسے حضرات دس روپے بھیج کر خریدار بن سکتے ہیں۔

(۴) اس دینی و تبلیغی رسالہ کو اپنے حلقہ اثر میں متعارف کریں۔ اور زیادہ سے زیادہ اس کے خریدار بنانے کی کوشش کریں۔ جو صاحبان آٹھ خریدار بنا کر ان کا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوائیں گے ان کی خدمت میں ایک سال کے لئے رسالہ مفت جاری کر دیا جائے گا۔

(۵) آپ اپنے شہر کے ایجنٹ اخبارات کو ایجنسی لینے پر آمادہ کر کے بھی رسالہ کی مدد کر سکتے ہیں۔

(۶) خریداری کی توقع پر خواہش مند اصحاب کو نمونہ مفت بھیجا جائے گا۔

(۷) الحرم کا فروری کا شمارہ بالکل ختم ہو چکا ہے [illegible] طلب نہ فرمائیں۔

منیجر الحرم ۲۱۱۷۔ قاسم جان اسٹریٹ دہلی

مدنی خواتین ★———— استاد سعید رمضان

مجاہد خاتون

قبرص ترکی کے مغرب میں کچھ دور پر ایک جزیرہ ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مسلمانوں نے اسے فتح کیا تھا۔ آج بھی ایک تہائی مسلمان یہاں آباد ہیں۔ سمندر سے گھرا ہوا یہی پہلا علاقہ ہے جس کو مسلمانوں نے کشتیوں سے پہنچکر فتح کیا تھا۔

جزیرہ قبرص میں مشہور صحابی خاتون حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا کی قبر ہے۔ وہاں کے رہنے والے اس قبر کو "نیک بی بی کی قبر" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کیا آپ کو علم ہے کہ یہ پاک خاتون وہاں کیسے پہنچیں۔؟

حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا مشہور صحابی حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے گھر تشریف لے گئے دوپہر کا وقت تھا اور گرمی کا سخت موسم۔ آپؐ نے تھوڑی دیر آرام فرمایا اور مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔

حضرت اُم حرامؓ بولیں یا رسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کیوں مسکرائے۔

حضرت اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری اُمت کے کچھ مجاہد اس حالت میں میرے سامنے پیش ہوئے کہ وہ سمندر کی موجوں پر اس طرح سوار تھے جیسے کہ بادشاہ تخت شاہی پر بیٹھے ہوں۔" حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دعا فرمایئے کہ اللہ میرا شمار بھی اُنہی لوگوں میں فرمائے۔" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور پھر ایک نیند سو گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر بیدار ہوئے اور مسکرا دیئے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کیسے مسکرائے؟ ارشاد فرمایا: میرے سامنے کچھ ایسے لوگ پیش ہوئے جو غازی تھے۔ اور سمندر کی سطح پر اس طرح سوار تھے جیسے کہ بادشاہ تخت شاہی پر بیٹھے ہیں۔ میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ اُن میں میرا بھی شمار فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم ان سب ... آگے ہوں گی۔

★———— یہ ایک عظیم المرتبت واقعہ ہے اس میں آپ کو نظر آئے گا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکراتا ہوا چہرہ اور اس رُخ انور پر ایک شان نبوت اور سنجیدگی و متانت کا ایک دلکش عالم۔ آپ محسوس کریں گے ایک دلکش تصدیق۔

وہ تصدیق جو پاک طینت بی بی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی بشارت کی کی۔ ایک دلکش خواہش اور آرزو کہ اے اللہ میرا شمار بھی اُن خوش قسمت مجاہدین میں فرمائے جو تیری راہ میں سمندر کی موجوں پر سوار ہو کر جہاد کریں۔

★———— حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمائے ہوئے ایک زمانہ گزر گیا ... سال کی بات نہیں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم کا دور خلافت بھی ختم ہو گیا یہ وہ زمانہ تھا جبکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ برسرِ حکومت تھے اس زمانہ میں اسلام کے مجاہدین نے اللہ کے فضل و توفیق سے سمندر پر لشکر کشی کی ان مجاہدین میں حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ اور ... ان کی بیوی حضرت اُم حرام رضی اللہ عنہا بھی ہمرکاب ہوئیں اور سمندر میں اپنی کشتیاں ڈال دیں ایک ... اُم حرام (رضی اللہ عنہا)

بیان اللسان

مکمل عربی اردو ڈکشنری

تیس ہزار قدیم و جدید عربی لغات کا جامع و مستند ذخیرہ

تالیف :- مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (فاضل دیوبند)

یہ لغت اب اہل علم اور ارباب ذوق کے حلقوں میں کسی تعارف کا محتاج نہیں بلکہ بے نظیر خصوصیات کے سبب مقبول خاص و عام ہو چکی ہے، علماء، طلبہ اور شائقین عربی سب ہی اس کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

چند خصوصیات :- (۱) تقریباً تیس ہزار قدیم و جدید عربی لغات و محاورات کا جامع ذخیرہ (۲) قرآن کریم کے تمام لغات و اصطلاحات کا مجموعہ (۳) مصر و شام وغیرہ میں مستعمل جدید الفاظ کی تشریح (۴) ہر لفظ کی [illegible] تعلیم اپنی اصل صورت میں انگریزی ڈکشنریوں کے طرز پر ترتیب (۵) ہر عربی لفظ با اعراب (۶) ہر لغت سے متعلق [illegible] مصدر [illegible] باب و صلہ وغیرہ کی توضیح (۷) بغرض اختصار اشارات و رموز کا استعمال (۸) زبان سادہ، شگفتہ (۹) شروع میں [illegible] (۱۰) حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا [illegible] مبسوط مقدمہ۔

حضرت علامہ حسین احمد مدنی، حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ دہلوی، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا [illegible] علی [illegible] ندوی، حضرت [illegible] قطب الدین عبد الوالی فرنگی محلی، مولانا عبد الماجد دریابادی، مولانا نیاز فتحپوری، مولانا نصر اللہ خاں عزیز، پرنسپل ڈاکٹر [illegible] اور ہندوستان و پاکستان کے دیگر مشاہیر علم و قلم نے [illegible] الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ کتاب کی عمدگی کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کئی ایڈیشن چند سال میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے [illegible]

طباعت اعلیٰ کاغذ سفید چکنا [illegible] سرورق [illegible]

قیمت مجلد اعلیٰ پلاسٹک کور [illegible] روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ علمیہ [illegible]

قاموس القرآن

قرآن کریم کی مختصر انسائیکلوپیڈیا

تالیف : قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

پہلی مستند مکمل جامع قرآنی لغت جس نے اردو زبان کے ایک اہم خلا کو پر کر دیا ہے۔

خصوصیات کتاب :- (۱) الحمد سے والناس تک ترتیب حروف تہجی تمام الفاظ قرآنی کے معانی لکھنے کے بعد ان کی مکمل لغوی صرفی و نحوی تشریح درج کی گئی ہے۔ (۲) تمام اہم الفاظ قرآنی پر سلف صالحین کی مستند تفاسیر و متاخرین محققین کی معتبر تشریحات کی روشنی میں سادہ و شیریں زبان میں جامع و مفصل نوٹ لکھے گئے ہیں (۳) عصر حاضر کے بہت سے اقتصادی، تمدنی و معاشی مسائل بھی جا بجا زیر بحث آگئے ہیں (۴) ہر جگہ ماخذ کے حوالے بقید صفحات کتب دیئے گئے ہیں اور حوالوں کی اصل عبارت مع ترجمہ درج کی گئی ہے۔ (۵) زبان شستہ و شیریں اور انداز بیان شگفتہ و دلنشین اختیار کیا گیا ہے۔

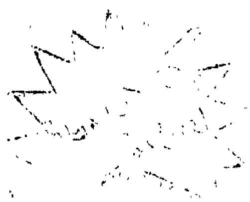
چند رائیں :- حضرت مولانا محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند :- اس کتاب کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہ محض لغات قرآنی کا حل نہیں ہے بلکہ اس سے مضامین قرآنی کا بھی ایک قابل قدر ذخیرہ ہے۔ حضرت مولانا محمد شفیع مفتی اعظم کراچی :- اردو زبان میں جتنے لغات قرآنی میری نظر سے گذرے ہیں بلا مبالغہ قاضی صاحب موصوف کا قاموس القرآن ان میں بے نظیر ہے۔ حضرت مولانا ابو الحسن ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ جہاں تک نظر پڑی آپ نے بڑا کارآمد مواد جمع کر دیا ہے۔ ہمارے یہاں کے اساتذہ نے خاص طور پر پسند کیا اور داد دی۔ حضرت مولانا محمد [illegible] قادری [illegible] الہ آباد :- قاموس القرآن کا مطالعہ کر رہا ہوں، ماشاء اللہ بہت نفیس کتاب ہے۔

طبع سوم، کتابت و طباعت اعلیٰ کاغذ چکنا سفید سرورق نظر افروز

صفحات :- آٹھ سو   قیمت مجلد :- پندرہ روپے

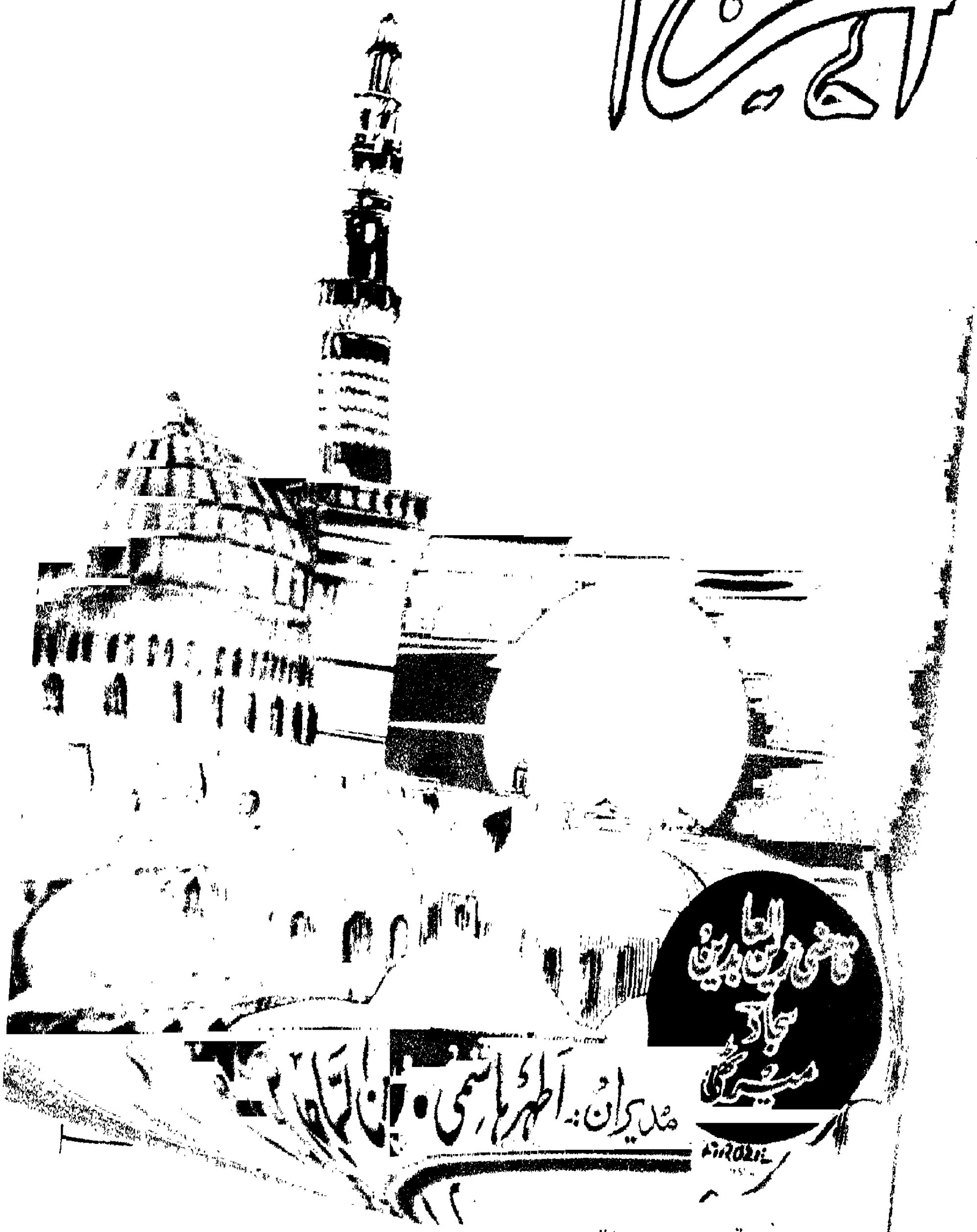
قاضی اسٹریٹ میرٹھ

[illegible]



MARCH 1978 ALHARUM DELHI REGD No D(D) 704
REGISTERED WITH THE REGISTRAR OF NEWS PAPERS
No. R. N. 28987/77

الحرم



مدیران :- اطہر ہاشمی • [illegible]

دفتر :- ۲۱۱۷ - ۹

الحرم

علمی دینی و تبلیغی ماہنامہ

مدیر اعلیٰ
قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

مدیران
اطہر ہاشمی بی اے علیگ
قاضی زین الساجدین صدیقی ایم اے پی ایچ ڈی

چندہ سالانہ
ہندوستان سے بارہ روپے
پاکستان سے بیس ″
بنگلہ دیش [illegible] ″
چندہ ششماہی (ہندوستان سے) [illegible] ″
فی پرچہ [illegible] روپیہ

جلد ۲ | اپریل و مئی ۱۹۷۷ء مطابق جمادی الاولیٰ و جمادی الاخریٰ | نمبر ۳ و ۴

گزارش (۱) ازراہ کرم چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ بذریعہ وی پی طلب کرنے میں دو روپے مزید خرچ ہوں گے۔ (۲) پتہ صاف انگریزی اور اردو میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط میں لکھیں اور نمبر خریداری بھی لکھیں (۳) ایڈیٹر سے متعلق ہر قسم کی خط و کتابت سب آفس (میرٹھ) کے پتہ پر کریں۔

جنرل منیجر: قاضی زین الراشدین (بی۔ کام)

ہیڈ آفس: ۲۱۱۷ قاسم جان۔ اسٹریٹ۔ دہلی۔ ۶
سب آفس: قاضی منزل۔ قاضی اسٹریٹ۔ میرٹھ۔ ۲

قاضی زین العابدین سجاد پرنٹر و پبلیشر نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر الحرم ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶ سے شائع کیا۔

بسمہٖ تعالیٰ سبحانہ

نقوشِ اولین

★ گنبدِ خضرا سے متعلق ایک افواہ کی تردید:-

پچھلے دنوں ان یہودی عناصر نے جو عالمِ اسلام میں عربوں سے محبت و عقیدت کے جذبات کو سرد کرنا چاہتے ہیں، کسی غیر ذمہ دار عربی اخبار کے حوالہ سے، لندن سے شائع ہونے والے اخبارات میں یہ شر انگیز خبر شائع کی کہ نا کم بدہن حکومت سعودیہ عربیہ آرام گاہ مصطفےٰ گنبدِ خضرا منہدم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ ایک خاص مسلم فرقہ کے لوگوں نے جن کو حرمین شریفین پر حکومت سعودیہ کا تسلط ایک آنکھ نہیں بھاتا اور وہ فروعی اختلافات کی بنا پر مسلمانوں کو باہم دست و گریباں رکھنے ہی کو بہترین خدمتِ اسلام سمجھتے ہیں اس افواہ کو خوب ہوا دی۔ اور ہندوستان اور پاکستان میں اس کا زور شور سے پروپیگنڈا کیا۔ بمبئی اس پروپیگنڈے کا خاص مرکز رہا اور وہاں کے کثیر الاشاعت اخبار "بلٹز" نے اسے شائع کرکے مسلمانانِ ہند کو سخت اضطراب والم کر دیا۔

ہم نے اس خبر کو سنتے ہی سمجھ لیا تھا کہ یہ دشمنانِ اسلام کی سازش ہے اور اس کو حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہو سکتا۔ الحمد للہ اس افواہ کی باضابطہ تردید آگئی ہے۔

دہلی سے انجمن تحفظ ناموسِ صحابہ کا ایک وفد سعودی سفارت خانہ میں، سفیر محترم سے ملا اور انہوں نے یقین دلایا کہ ان کی حکومت کے پیشِ نظر گنبدِ خضریٰ کے انہدام کا ہرگز کوئی منصوبہ نہیں ہے اور اس غلط خبر پر دلی رنج کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ روئے زمین پر بسنے والا کوئی مسلمان روضۂ اقدس سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق، ایسے ناپاک ارادہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا آپ نے یہ بھی فرمایا کہ عرب دشمن عناصر وقتاً فوقتاً عرب ملکوں کے خلاف اس قسم کی افواہیں پھیلاتے رہتے ہیں تاکہ عرب قوم دوسری قوموں کے اخلاقی تعاون سے محروم ہو جائے۔ یہ مفسدانہ خبر بھی اسی مذموم منصوبہ کا ایک جزو ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس ذمہ دارانہ تردید کے بعد، مسلمانانِ ہند مکمل اطمینان و سکون کا سانس لیں گے اور دشمنانِ دین و ملت کے کسی شر انگیز پروپیگنڈے کا شکار نہ ہوں گے۔

قدوائی مرحوم کا مجسمہ:-

رفیع احمد قدوائی، جنگِ آزادیٔ ملک کے مسلم رہنماؤں میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ قید و بند کی سخت آزمائشوں سے گزرنے کے بعد، جب انہیں وزیرِ غذا کی حیثیت سے مرکزی کابینہ میں اقتدار کی کرسی ملی تو انہوں نے اسے اپنی عظیم قربانیوں کا صلہ یا انعام نہیں سمجھا بلکہ خدمتِ ملک و ملت کا وسیلہ بنایا۔ انہوں نے ملک کی غذائی پوزیشن کو ایسا بہتر بنایا کہ آج تک ہندو اور مسلمان ان کو یاد کرتے ہیں۔

نجی زندگی میں بھی وہ بڑے مخیر فیاض اور اپنوں اور غیروں کے کام آنے والے انسان تھے۔ ان کی دہلی کی قیام گاہ سنا گیا کہ خاصی لنگر خانہ تھی جہاں ضرورتمند خانہ بے تکلف گھر سمجھ کر ہفتوں قیام کرتے تھے اور قدوائی صاحب کی میزبانی سے محظوظ ہوتے تھے۔

ایک اخباری اطلاع کے مطابق "رفیع احمد قدوائی جینتی تقریبات کمیٹی نے ۱۳ر اپریل کو، مرحوم کا ۸۳ سالہ یوم پیدائش منایا …

اعلان کیا ہے۔ تقریبات کا افتتاح نائب صدر جمہوریہ ہند کریں گے۔ اسی سلسلہ میں رفیع مارگ پر مسٹر قدوائی کا ۱۲ فٹ اونچا مجسمہ نصب کیا جائے گا جس پر ایک لاکھ تیس ہزار روپے خرچ ہوئے ہیں''

مسٹر رفیع احمد قدوائی کو بھلایا نہیں گیا ہے یہ امر باعث مسرت ہے، اور مزید مسرت اس سے ہے کہ انہیں آئندہ بھی یاد رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے مگر رفیع احمد قدوائی کو یاد رکھنے کی کیا اس سے بہتر صورت کوئی اور نہ ہوسکتی تھی؟ اگر ان کی یادگار کے طور پر کوئی محتاج خانہ کھول دیا جاتا، کوئی یتیم خانہ قائم کردیا جاتا یا کوئی ایسا ٹرسٹ قائم کردیا جاتا جس سے غریب اور ہونہار طلبہ کو وظائف تعلیمی دیے جاتے تو بلاشبہ یہ ان کے کردار وانداز کے زیادہ مطابق ہوتا۔ خود ان کو بھی اس سے فائدہ پہنچتا اور دوسرے بھی اس سے فائدہ اٹھاتے۔

میرا سفر بہار اور مدارس اسلامیہ کنونشن میں شرکت

خاکسار مدیر مدارس اسلامیہ کنونشن جامعہ رحمانی مونگیر میں شرکت کے لئے ۳۰ مارچ ۱۹۷۰ء کو میرٹھ سے روانہ ہوا اور ۳۱ مارچ کو ۱۱ بجے مونگیر پہنچ گیا۔ کنونشن اسی روز بعد نماز جمعہ … شروع ہوکر ۲ اپریل ۱۹۷۰ء کو بعد عصر ختم ہوا۔

کنونشن کے لئے جامعہ رحمانی کے شاندار ہوسٹل کے سامنے کے میدان میں ایک وسیع اور خوبصورت پنڈال بنایا گیا تھا جو صوبہ بہار، اڑیسہ و بنگال کے تقریباً ایک ہزار مندوبین سے بھرا رہتا تھا۔ ہندوستان کے بعض مشاہیر علماء دین تعلیم نے بھی خصوصی دعوت پر اس میں شرکت فرمائی۔ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند صدر کنونشن اور حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تقریروں نے خاص طور پر دلوں کو گرمایا، اور دماغوں کو روشنی عطا کی۔

ان کے علاوہ مولانا ابوالعرفان ندوی، مولانا محمد ہاشم فرنگی محلی، ڈاکٹر فضل الرحمن گنوری (مسلم یونیورسٹی)، ڈاکٹر سید حسن، اور مولوی حامد حسن صاحب ناظم جماعت اسلامی ہند، مولانا مفتی عبدالعزیز سہارنپوری، مولانا ظفیر الدین (دیوبند) نے بھی اپنی تقاریر سے محظوظ فرمایا۔ مولانا حامد الانصاری غازی صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے جشن صد سالہ کے انتظامات پر روشنی ڈالی۔ … بھی دو تقریریں ہوئیں۔ کنونشن کا موضوع بحث یہ مسائل تھے۔

(۱) کس طرح مدارس اسلامیہ کے طلبہ اور علماء میں طلب دین کے عظیم مقصد کی اہمیت وعظمت کا احساس بیدار کیا جائے تاکہ وہ دنیا طلبی کے جذبہ کو پامال کرکے دین وعلم دین کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیں۔

(۲) کس طرح مدارس اسلامیہ کا علمی معیار بلند کیا جائے تاکہ مختلف علوم وفنون کے ماہر و متبحر علماء پیدا ہوسکیں۔

(۳) کس طرح طلبہ مدارس کی اخلاقی و دینی تربیت کی جائے تاکہ وہ اپنے مزاج، طرز فکر اور بصیرت ایمانی کے لحاظ سے موجودہ عہد میں اپنا داعیانہ کردار ادا کرنے کے اہل ہوسکیں۔

(۴) کس طرح ان مدارس کو وفاق کی زنجیر میں باندھا جائے تاکہ وہ اپنا انتشار و پراگندگی دور کرکے اپنے مسائل کو مناسب طور پر حل کرسکیں۔

ان مسائل و مباحث پر تجاویز مرتب کرنے کے لئے مختلف سب کمیٹیاں بنادی گئی تھیں۔ چنانچہ ان کمیٹیوں کے جلسوں میں بڑے غور و فکر اور بحث و تمحیص کے بعد متعدد تجاویز مرتب کی گئیں اور کنونشن کے جلسہ عام میں ان کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مدارس اسلامیہ کونسل کی تشکیل کی گئی۔

یہ کنونشن، علماء وفضلاء بہار کی بڑی تعداد میں شرکت، مدارس اسلامیہ کے تعلیمی انتظامی مسائل پر عمیق بحث و نظر، باوقار اور پرسکون ماحول اور عمدہ نظم و ضبط کے لحاظ سے بلاشبہ بہت کامیاب رہا۔ ہم اس کامیابی پر کنونشن کے نگران اعلیٰ حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی امیر شریعت بہار و اڑیسہ اور ان کے دست و بازو مولانا مجاہد الاسلام صاحب قاسمی صدر مجلس استقبالیہ اور مولانا محمد ولی رحمانی سکریٹری مجلس استقبالیہ کی خدمت میں مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ خدا کرے یہ کنونشن مدارس اسلامیہ بہار میں بہار تازہ لائے اور اس کی تجاویز ان کے اعلیٰ مقاصد کے لئے شمع راہ بنیں۔

۳ اپریل ۱۹۷۰ء کی صبح کو مونگیر سے رخصت ہوکر پٹنہ روانگی ہوئی۔ عزیزم مولانا محمد ولی رحمانی ایم ایل سی رخصت کرنے اسٹیشن

آئے تھے۔ پٹنہ میں مختصر قیام اپنے محترم بزرگ اور پٹنہ کے ممتاز معالج ڈاکٹر عبدالحی سابق مشیر طبی صدر جمہوریہ ہند کی کوٹھی پر رہا۔ ڈاکٹر صاحب بڑے اخلاص و کرم سے پیش آئے۔ اسی روز شام کی گاڑی سے دربھنگہ کے لئے روانگی ہوئی۔ ۸ اپریل کی صبح کو عزیز مکرم نورالحق صاحب رئیس باندہ کے مکان پر پہنچنا ہوا۔

۸ اپریل کو جامعہ احمدیہ سلفیہ دربھنگہ کے شاندار اجتماع میں شرکت کی۔ پہلے میں نے مجمع کو خطاب کیا۔ پھر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نے اپنے ارشادات عالیہ سے سامعین کو مستفید فرمایا۔ جلسہ سے فراغت کے بعد مخلص محترم ڈاکٹر سید عبدالحفیظ سلفی صدر آل انڈیا اہل حدیث کانفرنس، ناظم جامعہ کے دولتکدہ پر پر تکلف کھانا کھایا۔

اسی روز سہ پہر کو دربھنگہ کے قدیم مدرسہ امدادیہ میں حضرت مولانا ندوی کو اور مجھے اساتذہ و طلبہ سے خطاب کا موقعہ ملا۔ یہ مدرسہ اس اعتبار سے تاریخی حیثیت رکھتا ہے کہ اس کے قدیم طلبہ میں علامہ سید سلیمان ندوی اور مولانا سید مناظر احسن گیلانی اور اساتذہ میں علامہ محمد ابراہیم بلیاوی اور مولانا سید مرتضیٰ حسن چاندپوری جیسے ممتاز علماء و فضلاء کے نام نظر آتے ہیں۔ خدا کرے یہ پھر اپنی پرانی روایات کو تازہ کرے۔

دربھنگہ میں میرا قیام نور صاحب کے ہاں ۱۱ اپریل تک رہا۔ اس دوران میں مختلف اہل علم و دین حضرات ملاقات سے بہرہ اندوز فرماتے رہے۔

ایک روز جناب ضیاء الحق صاحب پروفیسر ملت کالج کے مکان پر پرنسپل ملت کالج اور دوسرے پروفیسروں اور اصحاب علم کے ساتھ چائے پی۔ اور مختلف علمی و دینی مسائل پر مذاکرہ رہا۔

۱۱ اپریل کو عزیز مکرم نور صاحب اور اپنی لڑکی نسیمہ خاتون سلمہا، اور نواسی (سلامہ سلمہا) سے رخصت ہو کر علی گڈھ کے لئے روانہ ہوا۔ ۱۲ کی شام کو علی گڈھ پہنچا۔ الونہ ہاؤس میں مولوی حکیم افہام اللہ صاحب سابق پرنسپل طبیہ کالج علی گڑھ کے ہاں قیام ہوا۔ حکیم صاحب حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے خاص متوسلین میں سے ہیں اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں محبت للّٰہیت اور خلوص کا پیکر ہیں۔ ان کے فرزند عزیزم حکیم کلیم اللہ صاحب بھی ان کے نقش قدم پر ہیں اور حضرت تھانویؒ کے ممتاز خلیفہ مولانا شاہ ابرارالحق ہردوئی کے خلیفہ اور داماد ہیں۔

حکیم صاحب کے دولتکدہ ہی پر عزیزم ڈاکٹر زین الساجدین سلمہ اللہ تعالیٰ بھی آ گئے تھے علی گڈھ میں تھیالوجی ڈیپارٹمنٹ میں مکرمی جناب مولانا قاضی مظہرالدین بلگرامی ازہری صدر شعبہ سے ملاقات ہوئی۔ ڈاکٹر عبدالعلیم خاں، مولانا محمد رضا فرنگی محلی اور مولانا قاری رضوان اللہ صاحب ازہری سے بھی ملاقات ہوئی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اور پروفیسر ابرار مصطفٰے صاحب سے بھی ان کے شعبوں میں ملاقات کی۔ بڑے اخلاص و محبت سے ملے اور علمی و دینی موضوعات پر گفتگو رہی پروفیسر انوارالحق صاحب کی بیگم صاحبہ کی عیادت کے لئے یونیورسٹی ہسپتال بھی گیا۔

اسی روز رات کو ۹ بجے بس سے روانہ ہو کر بارہ بجے شب کے بعد مکان پہنچا اور سب کو بخیر پایا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ :-

اخباری اطلاعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کا مسئلہ موجودہ حکومت کے اعلیٰ حلقوں میں سنجیدگی سے زیر غور ہے اور اس سلسلہ میں پارلیمنٹ کے موجودہ سیشن میں ہی بل آجائے گا۔ تاہم ابھی یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ اس بل کی نوعیت کیا ہوگی، یونیورسٹی کو اقلیتی ادارہ تسلیم کیا جائے گا یا ۱۹۵۱ء سے پہلے کی پوزیشن کو بحال کرنے پر اکتفا کیا جائے گا۔

اس سلسلہ میں یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب اے۔ ایم خسرو یونیورسٹی کے ایک نمائندہ وفد کے ساتھ، جنتا پارٹی کے صدر، جنرل سکریٹری اور تین مرکزی وزیروں سے مشترکہ طور پر گفتگو کر چکے ہیں

پروفیسر خسرو مرکزی وزیر تعلیم سے بھی (جیسا کہ انہوں نے ایڈیٹرس کانفرنس میں بتایا) اس مسئلہ میں تبادلۂ خیالات کر چکے ہیں اور انہوں نے یونیورسٹی کے اقلیتی کردار کے سلسلہ میں وزیر تعلیم کے شبہات بڑی حد تک دور کر دئے ہیں۔ بہرحال اس وقت جنتا گورنمنٹ کے فیصلہ کی طرف مسلمانوں کی آنکھیں لگی ہوئی ہیں۔ یہ اس کی ہوشمندی کا معاملہ نہیں اور ہمت و جرأت کے امتحان کا وقت ہے اس کو جماعتی حیثیت سے مسلمانوں کے دلوں کو جیتنے کا اس سے بہتر موقع نہیں مل سکتا اسی سلسلہ میں ہم یونیورسٹی کے عزیز طلبہ سے بھی عرض کریں گے کہ وقت کی نزاکت کا احساس کریں۔ اس وقت وہاں سے [illegible] گروہ بندیاں [illegible] اور وائس چانسلر کے خلاف بعض طلبہ کی محاذ آرائی کی خبریں مل رہی ہیں وہ افسوسناک ہیں۔ اس وقت انہیں پوری ہوشمندی کے ساتھ اپنے روایتی ڈسپلن، اتحاد اور وقار کو برقرار رکھنا چاہئے اور یونیورسٹی کے مخالفین کو اس کا موقعہ نہ دینا چاہیے کہ وہ اندرونی اختلافات کو بہانہ بنا کر یونیورسٹی کے سلسلہ میں ان کی پوری ہوتی ہوئی آرزوؤں اور تمناؤں کے قلعہ کو ڈائنامیٹ کر دیں۔

کچھ اپنے متعلق :-

الحرم کے دورِ جدید کا یہ پانچواں شمارہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے گذشتہ ماہ خاکسار مدیر کے سفر بہار کے زمانہ میں منیجر الحرم بھی اسکے ساتھ رہے۔ ان کی طویل غیر حاضری کی وجہ سے اپریل کے پرچہ کی بروقت تیاری نہ ہو سکی اور مئی کے اس پرچہ کو اپریل و مئی کے مشترکہ پرچہ کی حیثیت سے نکالنا پڑ رہا ہے۔ مگر خریداروں پر اس کا اثر نہ پڑیگا اور ان کی مدت خریداری میں ایکماہ کا اضافہ کر دیا جائے گا۔

اسی سلسلہ میں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ الحرم کی حیثیت ہرگز اس قابل نہیں کہ وہ عملہ کی تنخواہوں کا بوجھ اٹھا سکے۔ تنخواہوں کی ادائیگی کی بات تو الگ رہی اس وقت تو پرچہ کی تیاری کے اخراجات کا کثیر حصہ مدیر نقیر کو اپنی جیب سے ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ الحرم کی پشت پر کوئی دینی یا سیاسی یا رفاہی ادارہ نہیں ہے جس کے خزانہ سے [illegible] مدد حاصل کی جائے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مدیر الحرم بھی کوئی سرمایہ دار نہیں اس کا جو کچھ سرمایہ ہے وہ توکل علی اللہ ہے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ وہ اسی سرمایہ پر [illegible] کوشش جاری رکھے گا۔

تاہم اس سلسلہ میں بھی خواہان الحرم کی بھی کچھ ذمہ داریاں ہیں۔ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کے الحرم دین و ملت کی کوئی خدمت انجام دے رہا ہے اور اس خدمت انجام دہی کے لئے اسے زندہ رہنا چاہیئے تو وہ بھی تعاونوا علی البر والتقویٰ (نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں مدد کرو) کے حکم کی تعمیل میں سرگرم عمل ہو جائیں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنا چندہ خریداری (اگر ابتک نہ بھیجا ہو) جلد از جلد روانہ فرادیں اور اپنے حلقۂ اثر میں اس کے زیادہ سے زیادہ خریدار بنا کر ان کا چندہ بھی بذریعہ منی آرڈر بھجوائیں۔ پھر جو لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مرفہ الحال ہیں وہ اپنی طرف سے دس پانچ خریداروں کا چندہ بھی بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ تاکہ ان کی طرف سے نادار اور غریب شائقین کو پرچہ جاری کیا جاسکے۔ ان کی اس پیشکش کا الحرم میں اعلان کر دیا جائیگا الحرم کی امداد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ دیانتدار کاروباری اصحاب اپنے کارخانوں اور فرموں کے اشتہارات الحرم میں شائع کرائیں۔ اس طرح وہ "ہم خرما و ہم ثواب" کے مستحق ہوں گے۔

اُمید ہے کہ ہمدردانِ الحرم اس آواز کو صدا بصحرا نہ ہونے دیں گے واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔

معارف القرآن

قاضی زین العابدین

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ؕ وَاللّٰهُ غَنِىٌّ حَلِيْمٌ ۝

ترجمہ: ان لوگوں کے نیک عمل کی مثال جو اپنے مالوں کو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات خوشے، ہر خوشہ میں ہوں سو دانے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا ہے اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ جو لوگ اپنے مالوں کو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں، اور نہ تکلیف پہنچاتے ہیں، ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے پروردگار کے پاس ان کو کوئی خوف نہ ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ نرم بات کہہ دینا اور درگذر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد دکھ پہنچایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے اور بڑے تحمل والا ہے۔

تفسیر: اس سے پہلے کی آیات میں موت کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کو ثابت کیا جا رہا تھا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس آخرت کی زندگی میں کام آنے والی چیز اور تمام اعمال خیر کی جڑ یہ ہے کہ راہ خدا میں اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ مال خرچ کیا جائے۔

فرمایا گیا، جو اللہ تعالیٰ کے نیک بندے راہ خدا میں اپنے مال کو خرچ کرتے ہیں ان کے اس نیک عمل کی مثال ان دانوں کی ہے جنھیں کاشتکار اپنے کھیت میں بکھیر دیتا ہے پھر ایک عمدہ دانہ عمدہ قسم کا ہوتا ہے، اس میں نشوونما کی پوری قوت ہوتی ہے اور دوسری طرف زمین زرخیز اور جوتی ہوئی ہوتی ہے، پھر ہر دانہ سے ایک ایک پودا پیدا ہوتا ہے جس میں سات سات خوشے ہوتے ہیں اور ہر ہر خوشہ میں سو سو دانے، یوں کاشتکار کے بکھیرے ہوئے دانے بہت سے کھیت کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ راہ خدا میں اپنا بہترین اور پاکیزہ مال صرف کرتے ہیں اور پورے اخلاص اور حسن نیت کے ساتھ صرف کرتے ہیں اور ان مصارف میں صرف کرتے ہیں جو بہتر ہیں، ان کے دانوں سے تعلق رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے اس مال کا ثواب بڑھاتا رہتا ہے جس طرح کھیتی پھلتی پھولتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ قیامت کے دن ان کو اپنے مال کا سات سو گنا ثواب ملے گا۔ آگے فرمایا گیا، اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے یعنی یہ سات سو کی تعداد پر ہی منحصر نہیں اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اپنے فضل و کرم سے اس میں اور اضافہ در اضافہ فرما دے گا۔ اس کے خزانہ میں کوئی کمی نہیں۔ وہ بڑی وسعت والا ہے اور یہ بھی اچھی طرح جانتا ہے کہ اس صدقہ کرنے والے کا مال کس نوعیت کا ہے اس کی نیک نیتی اور اخلاص کے حدود کیا ہیں اور وہ کس اجر کا مستحق ہے۔

حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے جہاد میں خرچ کرنے کے لئے کچھ مال بھیجا اور خود اپنے گھر بیٹھا رہا تو اسے قیامت کے دن ہر درہم کے بدلہ سات سو درہم کا ثواب ملے گا۔ اور جس نے خود بھی جہاد کیا اور اس میں اپنا مال صرف کیا تو اسے ہر درہم کے بدلہ سات لاکھ درہم کا ثواب ملیگا۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (اللہ جسے چاہتا ہے بڑھا چڑھا کر دیتا ہے)

(تفسیر ابن کثیر ۱۷۰) بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ صدقہ اور خیرات کرکے غرباء پر احسان جتاتے ہیں یا انہیں حقیر سمجھتے ہیں اور دوسروں سے اپنے اس احسان کا ذکر کرکے انہیں سوسائٹی میں ذلیل کرتے ہیں۔ یہ وہ باتیں ہیں جو صدقہ کے ثواب کو غارت کردیتی ہیں اس کی مثال ایسی ہے جیسے بیج میں کیڑا لگ جائے تو وہ بیج اگرچہ اعلیٰ قسم کے پودے کا ہو بیکار ہی جاتا ہے۔

اس خطرہ سے صدقہ اور خیرات کرنے والوں کو آگاہ کرنے کے لئے فرمایا گیا۔

جو لوگ اپنے مالوں کو ضرورت مندوں اور محتاجوں کی امداد کرکے یا مدرسوں، یتیم خانوں اور دوسرے ملی کاموں میں صرف کرکے ملت کے پس ماندہ افراد کے کام آتے ہیں، پھر بھی اس امداد پر نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ امداد لینے والوں کو ذلیل وحقیر کرکے ان کو اذیت دیتے ہیں تو ان کو آخرت میں اپنے پروردگار سے وہ اجر وثواب ملیگا جو ان کے شایان شان ہوگا۔ انھیں قیامت کے دن عذاب الٰہی کا خوف نہ ہوگا جب کہ بخیل لوگ لرزاں وترساں ہوں گے اور نہ دنیا اور سازوسامان دنیا کے چھوٹنے کا کوئی غم ہوگا جب کہ دوسرے دولت مند اپنی دنیوی آسائش سے محرومی پر غمگین ہوں گے۔

خوف کہتے ہیں آئندہ سامنے آنے والے خطرات سے ڈرنے کو اور حزن کہتے ہیں پچھلی حاصل شدہ نعمتوں اور آسائشوں کے جانے پر غم کھانے کو۔ آگے فرمایا گیا۔

"قول معروف" یعنی نرم بات کہکر یا بھلا بول بول کر سائل سے معافی چاہ لینا اور اگر وہ پیچھے پڑجائے اور پریشان کرنے لگے تو اسکی اس زیادتی کو معاف کردینا ایسی خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد دکھ پہنچایا جائے۔ اور اللہ تعالیٰ غنی ہے اس نے تمھیں خیرات کا حکم اس لئے نہیں دیا کہ اس کے خزانہ میں کچھ کمی تھی بلکہ اس لئے کہ تمھارے دلوں کو کنجوسی کے روگ سے پاک کرے اور تمھارے درجات میں اضافہ کرے۔ دنیا میں تمہارے وقار میں اضافہ کرکے اور آخرت میں تمھیں جنت کی نعمتوں سے نوازکر۔ اور وہ حلیم بھی ہے۔ ان لوگوں کو فوراً سزا نہیں دیتا جو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے یا خرچ کرکے احسان جتاتے ہیں اور دکھ پہنچاتے ہیں۔ تاہم آہستہ آہستہ وہ دنیا میں بھی ذلیل وبے وقار ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی محروم ونامراد ہوں گے۔ دراصل مذکورہ بالا آیات میں راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب اور اس کے آداب کا بیان ہے۔ نیک کاموں میں خرچ کرنے والے کو چاہیے کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی اور خوشنودی کے لئے خرچ کرے۔ کوئی دنیوی غرض اس میں شامل نہ ہو۔ دراصل یہی اخلاص عمل کی روح اور اس کا جوہر ہے۔ یہ جس قدر زیادہ ہوگا اسی قدر عمل گراں قدر ہوگا۔ جو لوگ کسی محتاج اور ضرورتمند کی مدد کرکے اس پر احسان جتاتے ہیں، اور مجلسوں میں اس کا ذکر کرکے اپنا وقار بڑھاتے ہیں، وہ یہ ثابت کردیتے ہیں کہ ان کا یہ کام اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے نہ تھا بلکہ اس کا مقصد دنیوی عزت ووقار کا حصول تھا۔ جب عمل اللہ تعالیٰ کے لئے ہوا ہی نہیں تو پھر اس کا ثواب کیوں ملے؟ البتہ دنیا ہی میں ان کو اس کا تھوڑا بہت فائدہ حاصل ہوجائے گا اور بس۔ وَفَّقَنَا وَإِيَّاكُمْ لِلْخَيْرِ وَالطَّاعَةِ وَاتِّبَاعِ سَيِّدِ الْمَوْجُودَاتِ۔ عَلَيْهِ الصَّلَوَاتُ الطَّيِّبَاتُ

شرائط ایجنسی: (۱) کم از کم دس پرچوں پر ایجنسی دیجائیگی
(۲) کمیشن ۳۳ فیصد دیا جائے گی۔
(۳) بغیر رجسٹری روانگی کے اخراجات دفتر کے ذمہ ہوں گے
(۴) رقم پیشگی فرمائش کے ساتھ بذریعہ منی آرڈر آنی چاہئے
(۵) غیر فروخت شدہ پرچے ایجنٹ کے خرچہ پر واپس لئے جائیں گے۔

ابو المجاہد زاہد

درود و سلام

شفیعِ محشر، قسیمِ کوثر، درود تم پر سلام تم پر ٭ ہمارے ہادی ہمارے سرور درود تم پر سلام تم پر
خلوص و مہر و وفا کے خوگر درود تم پر سلام تم پر ٭ عطا و فقر و غنا کے پیکر درود تم پر سلام تم پر
کمالِ انساں جمالِ قرآں کتابِ ناطق لبوں پہ آیات ٭ نبیِ خاتم، حبیبِ داور، درود تم پر سلام تم پر
تمام رحمت، تمام رأفت، ہمہ صداقت، ہمہ امانت ٭ طہیر، اطہر، منور، انور، درود تم پر سلام تم پر
کرم کی یہ شان یہ نوازش جھولی میں تنگیٔ بارش ٭ دیے انھیں کو دعا کے گوہر درود تم پر سلام تم پر
پیامِ امن و سلام لائے مکمل اکمل نظام لائے ٭ حیات کا جاگ اٹھا مقدر درود تم پر سلام تم پر
دلائے سارے حقوقِ نسواں کیا یتیموں کو زیرِ داماں ٭ الم نصیبوں کے یار و یاور درود تم پر سلام تم پر
چراغِ عشق و یقیں جلائے دلوں کی تاریک بستیوں میں ٭ کیا جنوں کو خرد کا رہبر درود تم پر سلام تم پر
سبق مساوات کا پڑھا کر غرورِ نسل و وطن مٹا کر ٭ بدل دیے زندگی کے تیور درود تم پر سلام تم پر
معلم و مصلح و مبشر، مبلغ و مرسل و منذر ٭ حکیم، عارف، نصیر، انصر، درود تم پر سلام تم پر
صدیق، محسن، رفیق، دانا، کریم بھائی، رحیم نانا ٭ شفیق والد، خلیق شوہر، درود تم پر سلام تم پر
ذکور و نسواں، شباب و صبیاں، غلام و آقا، فقیر و سلطاں ٭ سبھی پہ یہ لطف و کرم برابر درود تم پر سلام تم پر
ذلیل تھی جو ہر ایک سمت عورت اسی عطا کی رہینِ عزت ٭ نقابِ عفت، حیا کی چادر، درود تم پر سلام تم پر
عمرؓ، ابوبکرؓ اور عثمانؓ، علیؓ و طلحہؓ، بلالؓ و سلمانؓ ٭ تمھارے پرتو سے سب منور درود تم پر سلام تم پر
نہ عشرت و عیش کی تمنا نہ عز و جاہِ جہاں کا سودا ٭ تمھارے غم پر یہ سب نچھاور درود تم پر سلام تم پر

مدثر، احمد، حمید، حامد، شہید، شاہد، سعید، زاہد
نذیر، منذر، مطہر، اطہر، درود تم پر سلام تم پر

جواہر الحدیث

از :- مدیر

لعنت و تکفیر

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المؤمنون ع ۱)

اور (کامیاب ہوئے وہ (ایمان والے) جو بیہودہ باتوں سے منھ پھیرنے والے ہیں)

بدزبانی کی ایک بدترین قسم کسی پر لعنت بھیجنا اور [illegible] کافر بنانا بھی ہے۔ لعنت کے معنی یہ ہیں کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محرومی کی بددعا دی جائے۔ اور کافر بنانا اسلام کے دائرہ سے خارج کرنا ہے۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کی بھلائی اور خیرخواہی میں لگا رہے اور اپنی زبان سے اور اپنے عمل سے ان کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتا رہے۔ جو شخص کسی پر لعنت بھیجتا ہے یا اسے کافر بتاتا ہے وہ اس کی دینی و دنیوی تباہی و بربادی کی کوشش کرتا ہے۔ کسی پر لعنت بھیجنے یا کافر بنا لینے سے کوئی مردود یا کافر نہیں ہو جاتا، البتہ یہ شخص اپنی بدطینتی اور بداخلاقی کا مظاہرہ کرتا ہے اور بہت بڑے گناہ کا [illegible]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے کہ اگر کسی مسلمان کے کلام میں [illegible] پہلو کفر کے ہوں اور ایک پہلو خواہ وہ کمزور ہی ہو اسلام کا ہو تب بھی اس کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔ مگر افسوس ہے کہ بعض علماء نے تکفیر کو معمولی بات سمجھ رکھا ہے ذرا ذرا سے اختلاف پر مسلمانوں کو اسلام کے دائرہ سے خارج کرتے ہیں [illegible] غیرمسلموں تک اسلام کی تعلیم پہنچانے اور انہیں اسلام کے دائرہ میں داخل کرنے کی انھیں فرصت کہاں سے [illegible] وہ بیٹھے ہوئے [illegible] کرتے ہیں شب و روز مسلمانوں کی تکفیر

لعنت بھیجنا قتل کرنے کی برابر ہے

عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ وَمَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهٖ

(رواہ البخاری وغیرہ۔ التاج الجامع)

حضرت ثابت بن ضحاک سے روایت ہے کہ [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت بھیجی تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے اسے قتل کر دیا اور جس نے کسی مسلمان پر کفر کا الزام لگایا تو وہ ایسا ہے جیسا کہ اس نے اسے قتل کر دیا (بخاری، مسلم۔ التاج الجامع۔ باب اللعن والفحش)

شرح :-

" لعنت اللہ علیہ " بد دعا ہے جس کے معنی ہیں اللہ اسے اپنی رحمت سے دور رکھے۔ کسی مسلمان کے لئے ایسی بد دعا کرنا یا اسے ...ر کہہ کر اسلام کے دائرہ سے خارج کرنا، اس کے اسلامی حقوق کا خون کرنا ہے اور اس کا گناہ بھی قتل کے گناہ کے ...بر ہے۔

عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رض عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ ...یْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَایَکُوْنُوْنَ ...دَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔

(رواہ مسلم۔ التاج الجامع)

حضرت ابو الدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لعنت بھیجنے والے قیامت کے دن نہ گواہ بن سکیں گے اور نہ سفارشی۔

(مسلم۔ التاج۔ باب مذکور)

شرح :- قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نیک بندے پیغمبروں کی تبلیغ کے گواہ بنیں گے اور گنا ہگاروں کے سفارشی ...ت بھیجنے والے اس اعزاز سے محروم رہیں گے، کیونکہ اس برائی کی وجہ سے انھوں نے اپنی ثقاہت اور اپنا اعتبار کھو دیا ہے

...) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ ...یْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ لِصِدِّیْقٍ اَنْ ...ُنَ لَعَّانًا۔ (رَوَاہُ مُسْلِمٌ۔ باب حفظ اللسان)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کسی سچے مسلمان کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ لعنت بھیجنے والا بنے (مسلم۔ مشکوٰۃ۔ باب حفظ اللسان)

...) عَنْ سَمُرَۃَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ ...سُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَلَاعَنُوْا ...لَعْنَۃِ اللّٰہِ وَلَا بِغَضَبِ اللّٰہِ وَلَا بِجَھَنَّمَ رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ ...بُوْدَاؤُدَ۔ مشکوٰۃ باب حفظ اللسان)

حضرت سمرۃ بن جندب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ کسی کو اللہ کی رحمت سے دور ہونے کی بد دعا کرو نہ اللہ کا غضب نازل ہونے کی اور نہ دوزخ میں ڈالے جانے کی (ابوداؤد۔ بحوالہ مذکور)

...ے رحمت ہی بنا کر بھیجا گیا ہے

...) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ...ُعُ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ قَالَ اِنِّیْ لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا ...نَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَۃً

(رواہ مسلم۔ التاج الجامع)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ (جب دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیفیں پہنچائیں تو) آپ سے کہا گیا، اے اللہ کے رسول (اب تو) مشرکوں کے لئے بد دعا کیجئے۔ آپ نے فرمایا، میں لعنت بھیجنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا۔ میں تو سراسر رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں (مسلم۔ التاج۔ باب اللعن)

قرآن کریم میں بھی فرمایا گیا ہے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (اے محمد! ہم نے آپ کو سب ...نوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے) پھر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ آپ کسی وقت اور کسی حالت میں بھی دوسروں کے لئے اذیت ...بب بنیں۔

...ی کو ناحق کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے

...ن ابنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

إِيُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِأَخِيهِ كَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِهَا أَحَدُهُمَا (مشکوٰۃ ـ باب حفظ اللسان)

جس کسی نے اپنے بھائی کو کافر کہا تو وہ کفر دونوں میں سے کسی ایک پر ضرور پڑے گا (بخاری و مسلم۔ مشکوٰۃ باب حفظ اللسان)

(۷) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ وَلَا يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَٰلِكَ۔ رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ ۔ مشکوٰۃ ۔ باب حفظ اللسان)

حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص کسی دوسرے پر فسق (بدکاری) کا الزام لگاتا ہے یا کفر کا تو وہ الٹا اسی پر لوٹ کر آتا ہے۔ اگر وہ شخص ایسا نہو۔ (بخاری۔ بحوالہ مذکور)

تشریح:۔

دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ جسے فاسق یا کافر کہا جائے اگر واقعی وہ ایسا نہو تو کہنے والا فاسق یا کافر ہو جاتا ہے یا کم از کم اس کہنے کا وبال کہنے والے کی طرف لوٹ کر آتا ہے۔

(۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ الرَّجُلُ هَلَكَ النَّاسُ فَهُوَ أَهْلَكُهُمْ (رَوَاهُ مُسْلِمٌ ۔ مشکوٰۃ ۔ باب حفظ اللسان)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ لوگ ہلاک ہوگئے، تو سب سے زیادہ ہلاک ہونے والا وہ خود ہوتا ہے۔ (مسلم۔ بحوالہ مذکورہ)

تشریح:۔

بعض لوگ دوسروں کی کمزوریاں بیان کرکے اپنی بزرگی اور بڑائی کا اظہار کیا کرتے ہیں۔ اس حدیث میں بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگ خود اس الزام کے مستحق بن جاتے ہیں جو وہ دوسروں پر لگاتے ہیں۔

(بقیہ از صـ) حضرت معاویہ کے غلاموں کو سخت تعجب ہوا اور اس نے معاویہؓ سے کہا کہ اگر بغیر سزا کے چھوڑنا تھا تو پلانیکی کیا ضرورت تھی۔ حضرت معاویہؓ نے جواب دیا کہ "انعلا ذتہ تذھب الغیظ" انسان جب قادر ہوتا ہے تو غصہ جاتا رہتا ہے

لاعلمی کا اظہار شرم کی بات نہیں

حضرت شعبیؒ کا نام ارباب علم و فضل کیلئے غیر متعارف نہیں۔ ایک مرتبہ امام شعبیؒ سے کسی نے کوئی مسئلہ دریافت کیا۔ اتفاقاً اس وقت شعبیؒ کو وہ مسئلہ مستحضر نہیں تھا۔ انھوں نے پوری دیانت کے ساتھ مسئلے سے اپنی ناواقفیت کا اظہار کیا۔ اس شخص نے شعبیؒ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ کا علم و فضل زبان زد خاص و عام ہے۔ ایک معمولی مسئلے سے ناواقفیت کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو شرم نہیں آئی۔ شعبیؒ نے جواب دیا کہ اپنی لاعلمی کے اظہار میں فرشتوں کو شرم نہیں آئی تو مجھے شرم کیوں آتی۔ خدا نے جب فرشتوں کو چیزوں کے نام بتلانے کا حکم دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۵ (اے خدا ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں، ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں جتنا تونے ہم کو سکھایا ہے)

مفسرِ قرآن ——— حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی

شاہ عبدالقادر دہلویؒ کی ——— قرآن فہمی

سورۂ نساء کے آخری رکوع میں ایمان والوں کی یہ شان بیان کی گئی ہے کہ وہ کسی معاملہ میں خدا کی بندگی و عبادت سے ننگ و عار اور شرم و ندامت محسوس نہیں کرتے۔

تن آسانی اور غفلت کی بنا پر خدا کی عبادت اور اس کے احکام شرع اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پابندی سے دور رہنا الگ بات ہے لیکن سوسائٹی اور برادری میں رسم شرع کی پابندی پر ننگ و عار محسوس کرنا اور بات ہے۔

یہی صورت غفلت اور لاپرواہی کی ہے اور وہی نکبت اور نفاق کی، سورۂ نساء میں یہ مضمون حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے شروع کیا گیا ہے۔ فرمایا:-

لَنْ يَسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِلَّهِ
وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ
عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا
فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَيُوَفِّيهِمْ
أُجُورَهُمْ وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَأَمَّا الَّذِينَ
اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا

مسیح ہرگز برا نہ مانے اس سے کہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ فرشتے نزدیک والے اور جو کوئی کنیاوے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے، سو وہ جمع کرے ان سب کو اپنے پاس اکٹھا، پھر جو ایمان لائے ہیں اور عمل کئے نیک سو ان کو پورا دے گا ان کا ثواب اور بڑھتی دے گا اپنے فضل سے، اور جو کنیائے اور تکبر کیا سو ان کو مارے گا دکھ کی مار۔

(آیت نمبر ۱۷۳)

اردو اور فارسی مترجمین میں تمام حضرات استنکاف کا ترجمہ عار، ننگ، انکار اور نفرت کر رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ تمام الفاظ فارسی اور عربی کے ہیں۔ اور ان تمام الفاظ سے غرور و تکبر ہی کا مفہوم نکلتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنی ٹھیٹ ہندی میں اس لفظ کا ترجمہ کیا ہے۔ دلی والے اس لفظ کو اور اس کے مشتقات کو کثرت سے استعمال کرتے ہیں:-

کہا جاتا ہے وہ شخص ہم سے کنیانے لگا ہے ——— وہ شخص ہم سے کنی کاٹ گیا ہے۔

کنیانا بنایا گیا ہے (کان) سے، کان چارپائی یا کپڑے کی ٹیڑھ کو کہتے ہیں۔ چارپائی اکڑ جاتی ہے اور اس میں کان آ جاتی ہے۔ کپڑا آڑا ترچھا ہو جاتا ہے اسے کان آنا کہتے ہیں۔ کنکوے اور گڈی کے ایک طرف جھکنے کو کنیانا کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ٹیڑھی ہو جاتی ہے۔

کنی ـــــ کپڑے کے کنارے کو کہتے ہیں۔ اس اصلی معنی سے یہ لفظ مجازاً شرمانے اور کنارہ کنارہ چلنے اور الگ الگ رہنے کے معنی میں بولا جاتا ہے (اردو معارف تا مہ ص ۲۷۸)

یستنکف عربی میں نکف سے بنایا گیا ہے، اس کے معنی علامہ زمخشری نے لکھے ہیں ـــــ انگلیوں سے چہرے کے اوپر سے آنسو پونچھنا (کشاف ج ۱ ص ۳۹۹)

اس کے علاوہ ارباب لغت نے یہ معنی لکھے ہیں۔ تنکف۔ ناک بھوں چڑھانا، رک جانا، بیزار ہونا، نفرت یا نغض دور کرنا۔ (تسہیل العربیہ ص ۸۸۳)

حضرت شاہ صاحب نے اردو میں اس لفظ کے ترجمہ کا واقعہ یہ ہے کہ حق ادا کیا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ کے لئے لکھا کہ بندہ خدا کہلانے سے برا نہیں مانتے، انھیں شرم نہیں آتی کہ وہ اپنے آپ کو خدا کا بندہ کہیں۔

اس کے بعد دونوں جگہ شاہ صاحب نے کنیانے ترجمہ کیا ہے۔ قرآن نے استنکاف اور استکبار ـــــ دونوں لفظ جمع کر دیے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دونوں جگہ یہ دونوں لفظ الگ الگ معنی میں استعمال کئے گئے ہیں۔ شاہ صاحب یہ بتاتے ہیں کہ یہاں استنکاف کے معنی کنارہ کشی اور الگ الگ رہنے کے ہیں۔

کبھی کسی چیز سے الگ الگ رہنے اور اس سے کنی کاٹنے کے دو سبب ہوتے ہیں۔

ایک احساس کمتری اور ایک احساس برتری۔ کبھی آدمی احساس کمتری کی وجہ سے دور دور رہتا ہے اور کبھی غرور و گھمنڈ کا جذبہ اسے دور دور رکھتا ہے۔

قرآن کریم نے یستکبر کا لفظ لاکر یہ ظاہر کر دیا کہ ان لوگوں کا حق سے دور رہنا غرور و تکبر کی وجہ سے ہے نہ کہ غفلت اور لاپرواہی کی وجہ سے"۔

پس آیت پاک میں اس جگہ یَسْتَنْکِفُ کے معنی عملی طور پر کنارہ کشی کے ہیں اور یَسْتَکْبِرُ کے معنی ذہنی اور خیالی گھمنڈ اور غرور کے ہیں۔

اس طرح قرآن کریم کی یہ آیت حسن کلام اور حسن معانی ـ دونوں کا بہترین نمونہ ثابت ہوتی ہے۔

مفسرین میں حافظ ابن کثیرؒ کے ہاں بھی اس کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کے معانی میں فرق ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں ای امتنعوا من طاعة الله وعبادته واستكبروا عن ذلك۔ یعنی وہ لوگ خدا کی اطاعت سے باز رہے، اس کی عبادت سے رکے رہے اور غرور و تکبر میں مبتلا ہو گئے (ابن کثیر ج ۱ ص ۵۹۲)

اگرچہ قرآن میں حسن تلفظ اور زور کلام کے لئے ہم معنی اور مترادف الفاظ بھی استعمال کئے گئے ہیں، جسے تاکید کہا جاتا ہے لیکن اگر حسن عبارت کے ساتھ معانی کا تنوع بھی ہو تو اس سے کلام کی بلاغت کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

اس آیت پاک میں یہ دونوں لفظ الگ الگ مفہوم میں بولے گئے ہیں اور شاہ صاحب اپنے ترجمہ میں اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

مولانا احمد علی خاں قاسمی اناوی
استاذ دار التعلیم و الصنعت جاجمئو کانپور

ہندوستان کے دینی مدارس

ہماری اہم ملّی ضرورت

اس سے انکار ممکن نہیں کہ دنیا کی تمام ترقیاں علم کی محتاج ہیں۔ دنیا کی تمام ترقی یافتہ قومیں اس علم کے زینہ سے آسمان ترقی پر پہونچتی رہی ہیں۔ اس لئے علم کی اہمیت اور اس کی افادیت ہر زمانہ میں اور ہر طبقہ کے نزدیک مسلم رہی ہے۔ آج اس ترقی یافتہ اور مشینی دور میں بھی اس سے بے اعتنائی اور بے توجہی نہیں برتی گئی بلکہ دانشوروں اور مفکروں نے علم کو اپنی شہری، ملکی، سیاسی زندگی، تمدن و تہذیب، صنعت و تجارت اور معیشت و معاشرت میں ترقی کے لئے بے انتہا اہمیت دی ہے۔

شہروں اور دیہاتوں کے چپہ چپہ میں کروڑوں اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں کا بچھا ہوا جال جن پر اربوں روپے سالانہ کے مصارف ہیں۔ یہ سب صرف اسی مقصد کے لئے ہے کہ علم کی ترویج و اشاعت سے ملک ہر اعتبار سے صحت مند اور کامیابی کی راہوں پر گامزن ہوگا اور دوسرے ملکوں پر اسے ذہنی برتری حاصل ہوگی۔ لیکن یہ علوم جن کی اہمیت و عظمت مسلم، جن کی افادیت و قدر و قیمت میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، صرف انسانی زندگی کے مادی اور حیوانی تقاضوں ہی کو پورا کرتے ہیں۔ زندگی کو اطمینان و سکون، مسرت و طمانیت، خوشی و شادمانی، امن و آشتی سے ہمکنار کرنا ان کی اثر و تاثیر کے دائرہ حدود سے کوسوں دور ہے۔

آپ ان علوم کے سانچوں میں ڈھلے ہوئے افراد کی زندگیوں کا جائزہ لے لیجئے تو آپ کو خود دیکھ کر یقین ہو جائے گا کہ نہ انھیں اپنی تہذیب و ثقافت کا پتہ ہے اور نہ اخلاق و ادب کا احترام، نہ والدین اور بزرگوں کی خدمت کا جذبہ ہے نہ اساتذہ کی قدر اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کا ولولہ۔ بلکہ صورت حال یہ ہے کہ اساتذہ کی شان میں گستاخی ہی نہیں بلکہ ضرورت پڑنے پر ان کی پٹائی محبوب مشغلہ اور فخر کی بات ہے۔ پھر طرفہ تماشہ یہ ہے کہ مال و دولت اور وقت کی بے انتہا قربانی دینے کے بعد جب یہ ہمارے ہیرو بڑی بڑی ڈگریاں لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں سے نکلتے ہیں تو انھیں فکر معاش ادھر اُدھر در در لئے پھرتی ہے۔ پریشانی اور مصیبت کے عالم میں ہر در پر جاتے ہیں اور ہر دروازہ کو دستک دیتے ہیں اور کھٹکھٹاتے ہیں لیکن کوئی بھی ان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ مجبوراً وہ چند ٹکوں کے عوض اپنے آپ کو کسی کی غلامی میں دیدیتے ہیں، یا کوئی ناجائز ذریعۂ معاش اختیار کر لیتے ہیں۔ کامیاب سیکڑوں میں صرف دو ہی تین ہوتے ہیں باقی تعلیم یافتہ افراد کا مسئلہ پھر بھی رہ جاتا ہے۔ غور کیجئے کہ کتنا بھیانک اور تاریک مستقبل ہے۔ علامہ حالی مرحوم نے

کتنی صحیح بات کہی ہے ۔

نہ پڑھتے تو سو طرح کھاتے کماکر وہ کھوئے گئے اور تعلیم پاکر

یہ بالکل سچ ہے کہ علم الٰہی اور تعلیم نبوی ہر درد کی درماں، ہر مرض کے لئے مداوا، ہر زخم کے لئے مرہم اور ہر غم کے ازالہ کے لئے ایک نسخۂ کیمیا ہے اور یہی علم مدار نجات بھی ہے۔ اس لئے اس علم کی بہت ضرورت ہے اور پھر آج جب کہ مغربیت کا تیز رو سیلاب اور بھیانک طوفان اسلام کو خس و خاشاک کی طرح بہانے اور اڑانے کے لئے تیار کھڑا ہے اور مادیت اپنی تمام تر دلفریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ انسان کی عجلت پسند طبیعت بہت جلد مادیت کے دلفریب مناظر سے مسحور ہوجایا کرتی ہے اور پانی کے دھوکہ میں سراب کی طرف دوڑنے لگتی ہے، اور ہماری موجودہ نسل جو اس مادی دور میں پرورش پا رہی ہے اور جس کے نرم و نازک ذہن و مزاج کی نشو و نما انگریزی اسکولوں میں اہل کلیسا کے نظام تعلیم کے ذریعہ ہو رہی ہے جو اسلام کے خلاف یقیناً ایک زبردست سازش ہے۔ عارف لاہوری علامہ اقبال مرحوم کے الفاظ میں ۔

اور یہ اہل کلیسا کا نظام تعلیم ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف

اور ان بچوں کے قتل کے مترادف ہے۔ بقول اکبر الہ آبادی مرحوم ۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان نازک حالات میں زبردست خطرہ ہے کہ یہ نسل عملی طور پر نہیں بلکہ قولی طور پر بھی اسلام کو سلام کر بیٹھے۔ اس لئے دینی تعلیم اور دینی مدارس کی سخت ضرورت ہے۔

دینی مدارس نے ملک و ملت کی ہر دور میں زبردست خدمات انجام دی ہیں۔ جب بھی اسلام کے خلاف کوئی سازش اپنوں یا غیروں کی جانب سے ہوئی یا اسلام پر کوئی حملہ ہوا تو ان مدارس کے فضلاء نے حملہ کا دفاع کرکے خود حملہ آوروں پر ان کے وار کو لوٹا دیا۔

اٹھارویں صدی عیسوی کے پر آشوب و پرفتن دور میں جو مسلمانوں کی تاریخ کا ایک نہایت ہی تاریک اور مظلم دور ہے۔ جب ہندوستان میں مشرقیت کی بہار خزاں میں تبدیل ہو رہی تھی اور مشرقی تہذیب کی بساط الٹ کر مغربی تہذیب کا فرش بچھانے کے لئے برسر اقتدار قوم انگریز ہمہ تن مصروف و مشغول تھی۔ ساتھ میں عیسائی حکومت فاتح قوم کے ایماء و اشارہ پر مسلمانوں کے ذہن و مزاج اور ان کے دل و دماغ کو عیسائیت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے انتھک جد و جہد ہی نہیں بلکہ جبر سے کام لے رہی تھی۔

لارڈ میکالے نے تعلیم کی تجویز پیش کرکے یہ نعرہ لگایا تھا کہ ہم ہندوستان میں اسکولوں اور کالجوں کا جال بچھا کر مغربی نظام تعلیم کے ذریعہ مسلمانوں کے ذہن و دماغ کو بدل دیں گے۔ ہماری اس تعلیم کے نتیجہ میں ایسے افراد تیار ہوں گے جو گوشت و پوست اور ڈھانچہ کے لحاظ سے ہندوستانی اور دل و دماغ، ذہن و فکر کے لحاظ سے یوروپین ہوں گے"۔

ان طوفان خیز حالات میں یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ اسلام کا چراغ جو ٹمٹما رہا ہے، اب گل ہوا تب گل ہوا اب ہندوستان میں اسلام زیادہ دنوں تک محفوظ نہ رہ سکے گا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ حکومت کے خاتمہ کے بعد اسلام کا

وجود بھی خطرہ میں ہے۔ ان حوصلہ شکن حالات میں چند اللہ والوں نے (جن کا سب سے قیمتی سرمایہ اسلام تھا) دینی تعلیم کی تجویز پیش کی کہ اس ایک تدبیر سے مسیحی سازش کا قلع قمع ہو سکتا ہے اور ہندوستان میں اسلامی احکام و شعائر محفوظ رہ سکتے ہیں۔ اور مسلمان عیسائیت کی تبلیغ اور اس کے زہریلے اثرات سے بچ سکتے ہیں۔ چنانچہ بالہام خداوندی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور ان کے رفقاء نے ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کو قائم کرکے نہ صرف اسلام ہی کو صحیح خد وخال کے ساتھ محفوظ کر لیا بلکہ اس تدبیر سے عیسائی مشنریوں کی ساری سازشیں ناکام ہو گئیں اور پادری ہندوستان سے بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ اور اس ادارہ نے ایسے سپاہی و مجاہد تیار کئے جنھوں نے اسلام پر ہونے والے ہر حملہ کا منھ توڑ جواب دیا۔ اور اس سانچے میں ایسے افراد ڈھل کر تیار ہوئے جن کی ہندوستان کیا دنیا کے کسی خطہ میں نظیر نہیں ملتی۔ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے الفاظ کھول پر شبنم کے قطروں کی طرح صحیح ثابت ہو رہے ہیں۔ شیخ الاسلامؒ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا تھا کہ میں عرب میں عرصہ تک رہنے کی وجہ سے دنیا کے ہر خطہ کے عالموں سے ملا ہوں لیکن میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ فضلاء دیوبند کی نظیر دنیا میں نہیں مل سکتی (رسالہ القاسم)

دا تا رکھے آباد اں، ساقی تری محفل کو

اور پھر جب سائنس، ٹکنالوجی اور جدید فلسفہ کی راہ سے اسلام پر حملہ ہوا جو یقیناً بڑا زبردست تھا تو اس وقت حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ اور ان کے رفقاء نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی، اور اس ادارہ نے ایسے افراد تیار کئے جنھوں نے اسلام پر ہونے والے ہر حملہ کا جدید اسلوب کے ذریعہ دفاع کیا۔ ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے عربی مدارس کی ایک شاندار تاریخ ہے اور اسلام کی خدمات کے سلسلہ میں ان کا ایک اہم رول ہے۔ جس طرح سے آسمان پر تابندہ و درخشاں شمس و قمر اور چمکتے ہوئے ستارے کائنات کی اندھیریوں کو بقعۂ نور بنائے ہوئے ہیں، بالکل اسی طرح سے ان دینی مدارس نے دلوں کی گھٹا ٹوپ اندھیریوں کو اسلام کے نور اور اس کی روشنی سے جگمگا دیا ہے۔ اگر ہندوستان جیسے ملک میں اسلام پوری شان و شوکت اور آب و تاب کے ساتھ موجود ہے تو یقیناً یہ انھیں مدارس عربیہ کی کوششوں کا ثمرہ ہے اور اگر مسلمانوں کی زندگی میں شرک و بدعت سے نفرت اور کتاب و سنت کی خالص و دلآویز تعلیم سے محبت اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ پایا جاتا ہے تو اس میں بھی دینی مدارس کا زبردست حصہ ہے۔

شورش عندلیب نے، روح چمن میں پھونک دی ورنہ یہاں کلی کلی، مست تھی خواب ناز میں

بقول حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ ہندوستان کے موجودہ حالات میں دو چیزیں بہت اہم ہیں۔ دینی تعلیم اور دین کی دعوت۔ اگر ان دو چیزوں سے مسلمانوں نے غفلت برتی تو وہ اپنا دین، اپنا امتیاز اور اپنا ملی وجود کھو دیں گے۔

دینی تعلیم کی اہمیت کے پیش نظر اس کے فروغ کا مسئلہ نہایت اہم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ دینی تعلیم کی بقا اور اس کا دینی فروغ، دینی مدارس کے وجود سے وابستہ ہے اسلئے ہندوستان کے کونے کونے میں کتاب و سنت کے یہ چمنستان قائم کرنے، ان کی آبیاری اور سرسبزی و شادابی کا اہتمام کرنا، ان کی افادی حیثیت کو بہتر سے بہتر بنانا امت مسلمہ کا وہ فریضہ ہے جس پر خود اس کے وجود و بقا کا انحصار ہے ٭٭٭

ملایر

حضرت مولنا فضلِ رحمٰن گنج مرادآبادیؒ

کمالات و ملفوظات

(ملخص از کمالات رحمانی)

مدرسہ رحیمیہ دہلی کے فیض یافتہ علماء ہیں جن سے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اور ان کے جانشین حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ کا فیض دور تک اور دیر تک پہنچا۔ حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن گنج مرادآبادی ممتاز حیثیت کے مالک ہیں۔

آپ نے ان بزرگوں سے علوم ظاہری کی تحصیل کے بعد خاندان مجددیہ کے مشہور بزرگ حضرت شاہ محمد آفاق نقشبندی دہلویؒ سے سلوک و معرفت کے منازل کی تکمیل کی۔ پھر ۰۵ا سال کی طویل عمر گنج مرادآباد کے گوشہ میں بیٹھکر، کتاب و سنت کی روشنی پھیلانے اور طریقت و معرفت کی راہ دکھانے میں وقف کر دی۔

آپ کے حالات و ملفوظات بہت سی کتابوں اور رسالوں میں جمع کئے گئے ہیں۔ منجملہ ان کے ایک کتاب "کمالات رحمانی" ہے جو آپکے ایک فیض یافتہ بزرگ مولانا شاہ تجمل حسین بہاری نے مرتب کی ہے اور دارالاشاعت رحمانی مونگیر سے شائع ہوئی ہے۔

اس تذکرہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زبان نہایت سادہ اور بے تکلف ہے مؤلف نے اپنے دیکھے ہوئے حالات اور سنی ہوئی باتیں لکھدی ہیں زیادہ تر وہی جیسے جوں کے توں نقل کر دئے ہیں جو حضرت مولنا گنج مرادآبادیؒ کی زبان مبارک سے نکلے۔ اس لئے اسے پڑھکر قلب پر خاص اثر ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پڑھنے والا حضرت مولنا رح کی مجلس میں بیٹھا ہوا براہ راست آپکے خطاب سے [illegible] ہو رہا ہے۔

اس مضمون میں ہم اس تذکرہ سے کچھ حالات و ملفوظات انتخاب کر کے پیش کریں گے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپکے مختصر حالات زندگی بیان کر دئے جائیں۔

مختصر سوانح حیات:۔

آپ کا سنہ ولادت ۱۲۰۸ھ ہے۔ "فضل رحمٰن" تاریخی نام ہے۔ آپ ملانواں میں پیدا ہوئے جہاں آپکے والد بزرگوار شاہ اہل اللہ مقیم تھے۔ ابتدائی تعلیم مولنا نور ابن مولنا انوار الانصاری فرنگی محلی سے حاصل کی۔ پھر شیخ حسن علی محدث لکھنوی کے ساتھ جو آپ کے استاد بھی تھے دہلی تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی حضرت شاہ محمد آفاق مجددی نقشبندی اور حضرت شاہ غلام علی دہلوی کی خدمت میں حاضری دی۔ حضرت شاہ عبدالعزیز سے "حدیث مسلسل بالاولیہ" اور "حدیث مسلسل بالمحبۃ" کو سنا۔ نیز صحیح بخاری کا بھی کچھ حصہ سنا۔ آپ چھ مہینہ وہاں رہے پھر والدہ صاحبہ کی طلب پر واپس چلے آئے۔ پھر حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد دہلی کا سفر کیا اور حضرت شاہ محمد اسحٰق کی خدمت میں طویل عرصہ تک رہے۔ ان سے صحاح ستہ پڑھیں۔

علوم ظاہری سے فارغ ہونے کے بعد، حضرت شاہ محمد آفاق مجددیؒ کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور فیوض باطنی ان سے حاصل کئے اور طریقہ مج[illegible]یہ کی تحصیل کی۔

آغاز دعوت وارشاد:-

علوم ظاہری وباطنی کی تکمیل کے بعد آپ اپنے وطن لوٹے اور حدیث وتفسیر کی تعلیم اور مخلوق خدا کی ہدایت وفیض رسانی میں مصروف ہو گئے اس زمانہ میں آپ دعوت دین کے لئے سفر بھی فرماتے۔ ذریعہ معاش کے طور پر دینی کتابوں کی تصحیح کا کام کرنے لگے۔ دینی کتابوں کی تصحیح کا کام [illegible] کے صلحاء کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔ آپ کی پہلی بیوی صاحبہ سے دو فرزند ہوئے میاں عبد الرحیم و میاں عبد الرحمن [illegible] کا انتقال ہو گیا تو اہل وطن سے کچھ تکلیف پہنچی۔ ترک وطن کرکے گنج مراد آباد (ضلع اناؤ) تشریف لے آئے۔ [illegible] قریب ہی تھا تشریف [illegible] بزرگ کے مقبرہ میں جس کے متصل ایک شاندار مگر غیر آباد مسجد تھی قیام فرمایا۔ مسجد کے پہلو میں اس زمانہ کے [illegible] دستور کے مطابق ایک تعزیہ بھی رکھا رہتا تھا۔ آپ نے اس میں آگ لگا دی۔ لکھنؤ قریب ہی تھا کسی نے نواب کو خبر کر دی۔ وہ شیعہ تھا۔ آپ کی گرفتاری عمل میں آئی مگر پھر.. کسی رئیس کی سفارش پر رہائی ہو گئی۔

وہاں کے ایک رئیس حضرت [illegible] کے معتقد ہوئے اور انہوں نے اپنی بھتیجی کا حضرت سے نکاح کر دیا۔ یہ بیوی بھی بڑی نیک طبیعت اور دیندار تھیں۔ [illegible] آرام ملا۔ آپ کے فرزند حضرت احمد میاں اور [illegible] میاں اور ایک صاحبزادی ان سے پیدا ہوئیں۔

رجوع خلائق:-

آہستہ آہستہ آپ کی نیکی پارسائی خدا پرستی اور درویشی کی شہرت پھیلنے لگی اور ہر طرف سے عقیدتمند کھنچ کھنچ کر آنے لگے۔ آپ کے علم وفضل اور حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلوی اور حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی جیسے بلند پایہ بزرگوں سے آپ کے تعلق کی وجہ سے ہندوستان کے اس زمانہ کے مشہور علماء وصلحاء بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کرنے لگے۔ ان ممتاز علماء میں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری، حضرت مولانا عالم علی مراد آبادی، حضرت مولانا عبد الحی فرنگی محلی، حضرت مولانا احمد حسن کانپوری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا محمد حسین الہ آبادی، حضرت مولانا محمد علی کانپوری، حضرت مولانا عبد الحی حسنی [illegible]، حضرت مولانا لطف اللہ علی گڑھی، حضرت مولانا عبد الحق حقانی، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندی جیسے اکابر علم شامل ہیں۔ راقم الحروف کے والد بزرگوار حضرت مولانا قاضی بشیر الدین میرٹھی نے بھی حضرت کی خدمت میں حاضری کا شرف حاصل کیا تھا۔ اور اجازت حدیث حاصل کی تھی۔

فیاضی وسیر چشمی:-

آخر عمر میں تو آپ کی شہرت کا وہ ڈنکا بجا اور عوام وخواص میں آپ کو وہ مقبولیت حاصل ہوئی جو کم کسی کے حصہ میں آئی ہوگی۔ شروع شروع میں تو بڑی تنگی ترشی تھی۔ مگر بعد میں جب تحفے اور ہدیے آنے لگے۔ تو ہزاروں کا شمار نہ تھا۔ مگر آپ کی نگاہ میں وہ ٹھیکری سے زیادہ نہ تھے۔ رات کو آرام فرمانے سے پہلے ساری رقم ضرورتمندوں کو تقسیم فرما دیتے تھے۔ کوئی رات ایسی نہ گزرتی تھی کہ آپ کے پاس روپیہ پیسہ ہو۔ اس سلسلہ میں بھی سنت نبوی پر پورا عمل تھا۔

خانقاہ شریف میں روزانہ سینکڑوں مہمانوں کا ہجوم رہتا تھا۔ ان کے کھانے پینے کے سامان کو مہیا کرنے کی ذمہ داری آپ نے ہندو بنیوں پہ ڈال رکھی تھی۔ ان کے ہاں سے خورد ونوش کا سامان قرض آجاتا اور جب کہیں سے آتا تو بنیوں کو بلا کر معلوم کیا جاتا کہ ان کی رقم کسقدر ہے۔ جو کچھ وہ بتا دیتے ادا کر دی جاتی۔ اس معاملہ میں بنیئے بددیانتی سے بھی کام لیتے مگر آپ اس کی جانتے ہوئے بھی پروا نہ کرتے۔

چنانچہ مولف رسالہ کمالات رحمانی خود اپنا چشم دید واقعہ لکھتے ہیں کہ ایک بار منشی امتیاز علی مرحوم وزیر ریاست بھوپال نے دو سو روپے ہمارے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجے۔ حضرت گنج مرادآبادیؒ نے ایک بنیئے کو طلب فرمایا اور اس سے پوچھا کہ تمھارے کتنے روپے ہمارے ذمہ واجب ہیں۔ اس نے تین سو سے کچھ اوپر بتائے آپ نے اسے دو سو روپے دیدیے۔ تھوڑی دیر بعد کسی اور رئیس نے سو دو سو روپے کی رقم پیش کی۔ آپ نے پھر اسی بنیئے کو بلاکر پوچھا کہ کتنی رقم تمھاری واجب ہے۔ اس نے تقریباً اتنی رقم بتادی۔ حضرت نے اسی کو مان کر موجودہ رقم ادا فرمادی۔ ہم خدام نے عرض کیا کہ یہ کئی بار رقم وصول کرچکا ہے مگر اس کا قرض جوں کا توں باقی ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا تم کیا جانو۔ اگر بے ایمانی کرے گا تو خود تباہ ہوجائے گا۔

حضرت کی وفات کے بعد نو ہزار روپیہ کا مطالبہ ان لوگوں کا آپ کے ذمہ تھا جسے راجہ صاحب نان پارہ نے ادا کیا۔ آپ کی داد و دہش میں، مذہب و ملت کا کوئی سوال نہ تھا۔ مولف کمالات لکھتے ہیں کہ ایک دن ایک ہندو بنیا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میری لڑکی کی شادی ہونے والی ہے۔ لڑکے والے تلک کا چھ سو روپے مانگتے ہیں۔ پریشان ہوں کہ کہاں سے ادا کروں۔ تھوڑی دیر بعد حیدرآباد دکن سے نواب خورشید جاہ زیارت کے لئے حاضر ہوئے اور ایک ہزار روپے نذر پیش کئے حضرت نے اس میں سے چھ سو روپے اس بنیئے کو دیدیے اور باقی چار سو روپے دوسرے قرض خواہوں میں تقسیم فرمادیے۔

درویشانہ زندگی:- مال و دولت کی اس بارش کے باوجود حضرت کا اپنا حال یہ تھا کہ مسجد کے حجرہ میں قیام رہتا۔ ایک کھری چارپائی [illegible] دو گھڑے [illegible] کے اور ایک لوٹا [illegible] اور کچھ کتابیں یہ کل سامان تھا۔ لباس [illegible] کا خیال رکھتے کہ [illegible] شان و شوکت ظاہر نہ ہو۔ لمبا انگرکھا گاڑھے خلطہ کا پاجامہ اور دو پلیہ ٹوپی لباس تھا۔ کھانے میں مونگ کی کھچڑی پسند تھی کیونکہ آپ کے پیر و مرشد کی یہ مرغوب غذا تھی۔ رمضان شریف میں صرف سادہ پانی سے روزہ افطار فرماتے۔ تراویح سے فراغت کے بعد رات کے دس بجے باجرہ کی روٹی [illegible] مونگ کی دال آتی اور کچھ تناول فرمالیتے۔

مولف کرامات بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم نے درخواست کی کہ افطار کے وقت [illegible] شربت کا انتظام کرلیا جائے۔ چنانچہ ہم نے پانی میں چینی ملاکر مٹی کے پیالہ میں حضرت کی خدمت میں پیش کیا کہ [illegible] شربت ہے۔ حضرت نے نگاہ اٹھاکر دیکھا تو ہیبت سے میرا ہاتھ کانپنے لگا اور شربت جسم مبارک پر گر گیا۔ رات کو ہم لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا تم کو ہمارے کھانے پر تعجب ہوتا ہوگا، اہل اللہ کا کھانا مطبخ دنیا سے نہیں بلکہ "مطبخ جبریل" سے ہوتا ہے۔ یہ وہی بات ہے جو حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائی کہ اِنَّ رَبِّیْ یُطْعِمُنِیْ وَیُسْقِیْنِیْ (کہ میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے)

مسلکِ اعتدال:- حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ، دوسرے بزرگوں کی طرح فروعی مسائل میں تشدد کے قائل نہ تھے۔ دین کی بنیادی باتوں ... پر ہی زور دیتے تھے۔ تعلق مع اللہ، اتباع سنت رسول اللہ، تزکیۂ اخلاق اور درستی اعمال کی طرف زیادہ توجہ فرماتے تھے یہی وجہ تھی کہ مختلف نقطہ ہائے نظر کے علماء و صلحاء کا، جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ان کے ہاں مجمع رہتا تھا۔ اور حضرت سب سے یکساں التفات فرماتے تھے۔

جواز مولود وعدم جواز کے جھگڑے اس زمانہ میں بھی چل رہے تھے۔ صاحب کمالات رحمانی لکھتے ہیں۔ کہ ایک بار ہم نے مولود شریف اور اس میں قیام کے متعلق عرض کیا کہ جائز ہے یا نہیں۔ آپ نے جواب دیا تمام قرآن شریف میں انبیاء کرام کی پیدائش کا ذکر ہے۔ بس یہی مولود شریف ہے۔ ایک بار ایک جماعت باہر سے آئی اور حضرت سے میلاد کے متعلق پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں۔ حضرت سکر کی سی حالت میں تھے۔ فرمایا "ہاں جائز ہے" مولوی عبدالکریم صاحب نے عرض کیا حضرت یہ اس مولود کو پوچھتے ہیں جس میں چند آدمی آواز ملا کر اشعار پڑھتے ہیں اور جھوٹی روایتیں پڑھتے ہیں۔ حضرت قبلہ نے فرمایا "ہرگز ایسا مولود جائز نہیں ہے"

الغرض نزاعی فروعی مسائل میں آپ کی رائے بڑی معتدل اور متوازن ہوتی تھی اور ان معاملات میں تشدد کو ناپسند فرماتے تھے یہی وجہ ہے کہ مختلف نقطہ نظر کے علماء کرام آپ کا احترام کرتے تھے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کرتے تھے۔ آپ ... بڑے مستجاب الدعوات اور صاحب کشف و کرامات تھے۔ اس سلسلہ کے چند واقعات آگے ذکر کئے جائیں گے۔ مگر آپ کی سب سے بڑی کرامت آپ کی اتباع سنت پر مداومت تھی۔ چھوٹی سے چھوٹی سنت بھی آپ سے ترک نہ ہوتی۔

حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا دن رات کا محبوب مشغلہ تھا۔ زمانہ علالت میں وصیت فرمائی کہ نزع کے وقت بھی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھی جائیں چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

آخر ۲۲ ربیع الاول ۱۳۱۳ھ کو آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور رحمت خداوندی کی آغوش میں پہنچ گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً کاملۃً۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس مضمون کی دوسری قسطوں میں "کمالات رحمانی" سے تلخیص کرکے اپنے الفاظ میں حضرت کے چشم دید حالات اور گوش شنید ملفوظات لکھے جائیں گے۔

(بقیہ صفحہ ۲۴ کا) جماعت مجاہدین کا بنگال میں بھی بڑا اثر تھا اور ان کے چھوٹے مراکز راج محل اور مالدہ وغیرہ میں تھے، اس علاقہ میں بڑا کام مولانا کرامت علی نے کیا ہے۔ وہ نامور عالم، مصنف اور مبلغ تھے، کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاتھ پر بنگال میں لاکھوں آدمی مسلمان ہوئے اور بہت سی کتابیں ان کی تصنیف ہیں۔ اسی زمانہ میں عیسائیت کے رد میں مولانا رحمت اللہ خاں کیرانوی، ڈاکٹر وزیر خاں، مولوی عبدالمنصور دہلوی مشہور ہیں، مولانا کیرانوی کی "ازالۃ الاوہام" مشہور تصنیف ہے۔

دارالعلوم دیوبند کا اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ بعض علماء نے زمانہ جدید کی ضروریات کے پیش نظر "ندوۃ العلماء" کی تشکیل کی اور اس میں ضروریات زمانہ کو ملحوظ خاطر رکھا۔ مولانا شبلی نعمانی نے اپنی معتمدی کے زمانہ میں اس میں بہت سی اصلاحات کیں۔ مولانا شبلی نے اپنے آخر زمانہ میں ایک مستقل تحقیقی اور علمی ادارہ "دارالمصنفین" قائم کیا جس نے تاریخ اسلام، تاریخ ہند اور ادب وغیرہ پر بڑی گرانقدر تصانیف شائع کی ہیں۔ مولانا شبلی کے بعد اس کے سربراہ علامہ سید سلیمان ندوی مقرر ہوئے تھے۔ ان کے زمانہ میں اس ادارے نے بڑی ترقی کی اور حقیقت یہ ہے کہ آج تک اس کی ٹکر کا کوئی ادارہ وجود میں نہ آسکا۔

انہی کے نقش قدم پر ۱۹۴۰ء میں مولانا حفظ الرحمن، مفتی عتیق الرحمن وغیرہ نے دہلی میں "ندوۃ المصنفین" کی بنیاد رکھی۔ اس ادارے نے بھی علوم اسلامیہ پر بڑی اچھی کتابیں شائع کی ہیں۔ ان کے ماہانہ "برہان" میں ماہ بہ ماہ علوم اسلامی پر بہت سے مقالے شائع ہوتے ہیں۔

آخر میں ہم مشہور اسلامی ریاست حیدرآباد دکن کی ان خدمات کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں جو اس نے معارف اسلامیہ کی ترویج و اشاعت میں انجام دی ہیں "دارالترجمہ جامع عثمانیہ"، "کتب خانہ آصفیہ"، "دائرۃ المعارف" خاص ادارے تھے، جن کی وجہ سے تفسیر، حدیث، فقہ، اسماء الرجال، علم الکلام، سیرت، تاریخ اسلام، اور فلسفہ و حکمت وغیرہ پر بیشتر کتابیں تصنیف و تالیف اور ترجمہ ہوئیں۔

محمد عثمان (ایم ۔ ایل ۔ ایس)
علامہ اقبال کالج ۔ کراچی

برصغیر میں علوم اسلامیہ کا نشو و ارتقار

اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ وہ چند عقائد و رسوم کا مجموعہ نہیں ہے، اس کا اپنا سیاسی، معاشرتی اور تعلیمی نظام ہے۔ مسلمانوں کی اپنی ایک تاریخ ہے جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ماضی نہایت شاندار رہا ہے انہوں نے نہ صرف فتوحات کے میدان میں شہرت حاصل کی اور اپنے دور فتوحات میں متمدن دنیا کو اپنے زیر اقتدار لے آئے بلکہ انہوں نے عالم انسانیت کو حیات نو بخشی، تہذیب و تمدن سے آشنا کیا، علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کے لیے مدارس تعلیم گاہیں اور جامعات قائم کیں جن میں علوم و فنون کو مدون کیا۔ بڑے بڑے کتب خانے قائم کئے اور ہر شعبہ علوم و فنون میں انہوں نے بیش بہا اضافے کیے جس کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان اور علم و حکمت لازم و ملزوم ہیں۔

قرآن کریم میں اس کی متعدد جگہ نشاندہی کی گئی ہے۔

" اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۚ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۚ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ "

(سورہ ۹۶ ۔ رکوع ۱ ۔ آیات ۱ ۔ ۵)

ترجمہ: ۔ (اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھ جس نے (عالم کو) پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ

(سورہ ۲ ۔ رکوع ۴ ۔ آیت ۳۱)

ترجمہ: ۔ اور اللہ نے آدم کو نام سکھا دیئے کل کے کل پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا۔

وَمَن يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(سورہ ۲ ۔ رکوع ۳۷ ۔ آیت ۲۶۹)

ترجمہ: ۔ جس شخص کو حکمت دی گئی اس کو بڑی دولت دی گئی۔

ان ارشادات کی روشنی میں مسلمانوں نے اس وقت دنیا کو علوم و فنون کے خزانوں سے مالا مال کر دیا جب کہ یورپ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا تھا اور مینارۂ رشد و ہدایت مشرق میں فروزاں تھا۔ کونسا وہ علم ہے اور کونسی وہ ایجادات ہیں جن سے مسلمانوں کا تعلق نہیں رہا۔ مسلمانوں نے دوسری زبانوں سے اپنی زبانوں میں علوم و فنون بذریعہ تراجم منتقل کئے اور دوسری قوموں سے علوم و فنون حاصل کئے اور ان کو ترقی دی دور بنو عباس کے "بیت الحکمت" سے کون ناواقف ہے۔

جب مسلمان بہ حیثیت فاتح برصغیر ہند و پاک میں داخل ہوئے تو انہوں نے نہ صرف اپنی حکومت قائم کی بلکہ اس سرزمین کو علوم و

…ون سے بھی بہرہ ور کیا۔ عربوں کے دورِ حکومت میں بڑے بڑے محدث اور علماء آئے اور انہوں نے اپنے تبلیغی ادارے اور مدارس قائم کئے۔ مسلمانوں کا پہلا دور بھی علمی اعتبار سے نہایت شاندار رہا۔ منصورہ، قصدار، دیبل، حدیث کے بڑے مراکز تھے، ربیع بن صبیح ہندوستان میں پہلے مصنف ہیں اور سندھ میں قرآن کریم کا پہلا ترجمہ یہاں کی مقامی زبان میں مہروک بن رائق کی فرمائش پر ہوا (بزرگ بن شہریار)

مسلمانوں کا دوسرا دور غزنوی عہد کی فتوحات سے شروع ہوتا ہے اس نے مغربی پاکستان کے شمالی مغربی حصے کو اپنی حکومت میں شامل کرکے یہاں اسلامی تہذیب و ثقافت کا اجرا کیا۔ شیخ علی ہجویری، اسمٰعیل محدث اور سخی سرور اس دور کی نامور علمی و تبلیغی شخصیتیں ہیں، بہت سے قبائل داخل اسلام ہوئے اور اسلامی معاشرے کو استحکام نصیب ہوا۔ شیخ علی ہجویریؒ کی کتاب کشف المحجوب تصوف کے ادب میں ایک نمایاں حیثیت کی مالک ہے۔

مسلمانوں کا تیسرا دور غوری فتوحات سے شروع ہوتا ہے جس کا پہلا بادشاہ قطب الدین ایبک تھا جو ۱۲۰۶ء میں لاہور میں تخت نشین ہوا اس کی آخری آرام گاہ بھی لاہور ہی میں ہے اور مسلمانوں کے اقتدار و سطوت کی آخری نشانی بہادر شاہ ظفر تھے جو ۱۸۵۸ء میں انگریزوں کے ہاتھوں قید ہوکر رنگون میں ۷ نومبر ۱۸۶۲ء کو فوت ہوئے۔

قطب الدین ایبک سے لے کر آخری تاجدار مغلیہ کے زمانے تک مسلمانوں نے ہند و پاکستان میں علوم و فنون کی ہر شاخ میں بڑی بیش قیمت تصنیف و تالیف پیش کیں اور علوم معارف اسلامیہ ان کے خاص موضوع رہے۔

اس زمانے کے بادشاہ اسلام دوست اور مذہب کے پابند ہوتے تھے اس لئے وہ علماء و فضلاء کی خاص قدر کرتے تھے اور ان کو وظائف دے کر معاش کی طرف سے فارغ البال کردیتے تھے تاکہ وہ اپنی زندگی رشد و ہدایت، درس و تدریس، تصنیف و تالیف میں گذاریں، ہند و پاکستان کے مسلمان حکمرانوں کا علماء و فضلاء کو وظائف اور جاگیریں اور جائدادیں دینے کا یہ طریقہ آخری وقت تک قائم رہا جس سے تصنیف و تالیف کے شعبوں کو خاص مدد ملی۔ شمس الدین التمش کے مدمقابل ملتان و اوچ کے حکمران ناصر الدین قباچہ کی علمی سرپرستیوں سے کون واقف نہیں۔ اس کے عہد میں سندھ کی سب سے پہلی تاریخ "چچ نامہ" عربی سے فارسی زبان میں منتقل ہوئی اور عوفی کا مشہور فارسی تذکرہ "لباب الالباب" اور اس کی دوسری کتاب "جوامع الحکایات و لوامع الروایات" لکھی گئیں۔

اس زمانہ میں دہلی علوم و فنون کا مرکز تھا۔ خاندان غلامان اور خلجیوں کے زمانہ میں بھی تصنیف و تالیف کا خاصہ کام ہوا لیکن تغلق دور میں تصنیف و تالیف کے کام میں بہت ترقی آئی بہت سی تاریخی اور علمی کتابیں لکھی گئیں۔ محمد تغلق اور فیروز شاہ تغلق دونوں بادشاہ خود صاحب علم اور اہل علم کے قدردان تھے۔ فیروز شاہ تغلق نے کانگڑہ کے پہاڑوں پر ایک فوجی مہم کے دوران وہاں کے کتب خانہ کو خاص طور پر دہلی لانے حکم دیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ ان کتابوں کو سنسکرت سے فارسی میں منتقل کرنے کا حکم بھی صادر فرمایا۔ وہ خود بھی "فتوحات فیروز شاہی" کا مصنف ہے۔ اسی دور میں حضرت امیر خسرو اور میر حسن وغیرہ جیسے ادیب اور شاعر ملتے ہیں جن کی تصانیف سے دنیا واقف ہے۔

لودھیوں کا دور بھی علمی اعتبار سے بڑا شاندار ہے۔ سکندر لودھی علوم و فنون اسلامیہ کا بڑا شائق تھا۔ معارف اسلامیہ سے اس کی دلچسپی کا ایک خاص واقعہ ملتا ہے کہ اس نے اپنے سنبھل کے قیام کے زمانہ میں برہمنوں سے ایک مجلس مباحثہ منعقد کرائی اور اس کے زمانہ میں فارسی زبان کے دروازے ہندوؤں پر کھولے گئے۔

مغلوں کا دور علوم و فنون کے اعتبار سے عظیم الشان ہے۔ ان کا ہر بادشاہ خود ذی علم اور علم پرور تھا۔ بابر نے صرف فارسی

ہ ترکی زبان کا شاعر تھا بلکہ وہ "توزک بابری" کا مؤلف بھی تھا۔ ہمایوں کی علمی دلچسپی کا اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ کتب خانہ کی سیڑھیوں سے گر کر فوت ہوا۔ اکبر خود ذی علم نہ تھا مگر اس کے زمانہ میں باقاعدہ اس کی سرپرستی میں ایک ریسرچ اکیڈمی یا دار التصنیف قائم تھا جس نے تحت بہت سی کتابیں لکھی گئیں اور سنسکرت سے ترجمہ بھی ہوئے۔ اس زمانہ کے مشہور مصنفوں میں ملا عبد القادر بدایونی، فیضی، ابو الفضل، اور عبد الرحیم خان خاناں وغیرہ مشہور ہیں۔

جہانگیر اور شاہجہاں کا دور بھی تصنیف و تالیف کے اعتبار سے خاصہ اہم اور مشہور ہے۔ جہانگیر تو خود بھی "تزک جہانگیری" کا مصنف ہے۔ اس کے زمانہ میں دو ایسی شخصیتیں موجود تھیں جنہوں نے تبلیغ و اشاعت اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ اسلامیہ کی بڑی خدمت کی۔ ان میں پہلا نام حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کا ہے اور دوسرا نام شاہ عبد الحق محدث دہلوی کا ہے۔ حضرت مجدد کی تصنیفات میں ان کے مکتوبات بہت مشہور ہیں جو عالم اسلامی کے دائرۃ المعارف ہیں۔ ان کی دوسری تصانیف "معارف لدنیہ"، "اثبات النبوت" اور "رسالہ تحلیلیہ" وہ تصانیف ہیں جن میں انہوں نے اسلامی فلسفہ کو بیان کیا ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے حدیث، فقہ اور تاریخ و سیرت پر بڑی گراں قدر تصانیف چھوڑی ہیں۔ "شرح مشکوٰۃ" (عربی و فارسی)، "مدارج النبوت"، "اخبار الاخیار" اور "مکتوبات" وغیرہ مشہور ہیں۔

اورنگ زیب عالمگیر خود عالم، فقیہ اور متشرع بادشاہ تھا۔ اس نے علم و فضل پر اس کے دور میں بڑا کام ہوا۔ اس کے زمانہ کا سب سے بڑا کارنامہ معارف اسلامیہ کے اعتبار سے "فتاویٰ عالمگیری" کی تدوین ہے جو فقہ اسلامی کی بڑی خدمت ہے۔ آج تک تمام عالم اسلام میں کسی زبان میں اس نوع کی کتاب تیار نہ ہو سکی۔ بادشاہ نے اس کتاب کی تدوین کے سلسلہ میں برصغیر کے چیدہ علما کی ایک مجلس قائم کی تھی اور خود بہ نفس نفیس علما کے مذاکروں میں شرکت کرتا تھا۔

مغلوں کا آخری دور سیاسی اعتبار سے انحطاط کا دور ہے لیکن اس زمانہ میں بھی علوم و فنون اسلامیہ کی بڑی خدمت ہوئی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اسی دور کی شخصیت ہیں۔ انہوں نے علوم اسلامیہ کے سلسلہ میں بہت عمدہ کتابیں لکھیں۔ ان کی کتابوں کی تعداد کم و بیش سو کے قریب ہے۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تصوف، علم الکلام اور تاریخ و سیر ہر موضوع پر انہوں نے گراں قدر تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ انہوں نے قرآن کریم کا فارسی میں ترجمہ کیا اور حدیث کی مشہور کتاب "موطا" (امام مالک) پر شرحیں لکھیں۔ ان کی کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" علوم معارف اسلامیہ پر بے مثل کتاب ہے۔ اسی طرح "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کا جواب نہیں۔

ان کے فرزند اول شاہ عبد العزیز نے بھی اپنے والد ماجد کی طرح اسلامی علوم و فنون پر گراں قدر تصنیفات یادگار چھوڑی ہیں۔ تفسیر، حدیث، فقہ، اور علم القرآن وغیرہ پر ان کی متعدد کتابیں ہیں جن میں "تفسیر عزیزی"، "بستان المحدثین"، "فتاویٰ عزیزی" اور "تحفۂ اثنا عشریہ" مشہور ہیں۔ ان کے دیگر فرزندان شاہ عبد القادر اور شاہ رفیع الدین نے قرآن کریم کے اردو میں تراجم کئے۔ اس طرح ان خانوادہ نے علوم معارف اسلامیہ کی بڑی خدمات انجام دیں۔

شاہ عبد العزیز کے بعد اس خاندان کے نامور رکن شاہ محمد اسحاق دہلوی تھے جو علم حدیث کے بڑے عالم تھے، انہوں نے مشکوٰۃ شریف کا اردو ترجمہ کیا اور دو کتابیں "مسائل اربعین" اور "مائۃ مسائل" ان کی یادگار ہیں۔ ان کے مشہور تلامذہ میں نواب قطب الدین خان، مفتی عنایت احمد کاکوری، مولانا احمد علی سہارنپوری اور شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی جیسے نامور اکابر علما رہیں۔

نواب قطب الدین خاں نے قرآن کریم کی اُردو میں تفسیر "جامع التفاسیر" کے نام سے لکھی اور مشکوٰۃ شریف کا ترجمہ کیا اور شرح "مظاہر حق" کے نام
ی اور عربی کی مشہور کتاب "حصن حصین" کا اردو ترجمہ "ظفر جلیل" کے نام سے کیا۔ اس کے علاوہ ان کے بہت سے چھوٹے چھوٹے
حی اور تبلیغی رسالے بھی ہیں۔

مفتی عنایت احمد کاکوری کی اُردو میں سیرت پر مشہور کتاب "تواریخ حبیب اِلٰہ" ہے، اس کے علاوہ انہوں نے بہت سے مسائل
ی مسائل پر لکھے ہیں، "تواریخ حبیب اِلٰہ" سر سید کی کتاب "خطبات احمدیہ" سے پہلے لکھی گئی۔ اور اس موضوع پر قابل قدر کتاب ہے۔
مولانا احمد علی سہارنپوری کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ۱۸۵۷ء سے پہلے حدیث کی مشہور کتاب بخاری شریف وغیرہ کو اپنی تصحیح
یہ کے ساتھ اپنے مطبع دہلی سے شائع کیا۔

شاہ عبد الغنی مجددی دہلوی نے علم حدیث کی بڑی خدمت کی . . . . انہوں نے سنن ابن ماجہ پر حاشیہ لکھا۔ شاید یہاں یہ ذکر بھی
ب نہ ہوگا اکابر علماء دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی وغیرہ شاہ صاحب کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے
علوم دیوبند نے علوم [illegible] اسلامیہ کی جو خدمات انجام دیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔
مولانا محمد قاسم صاحب کی مشہور تصانیف "آب حیات"، "تقریر دلپذیر"، "حجۃ الاسلام" وغیرہ مشہور ہیں۔ اسی طرح مولانا گنگوہی کی متعدد
ں کے مصنف ہیں۔ علماء دیوبند میں کثرت تصانیف کے اعتبار سے مولانا اشرف علی تھانوی سب سے ممتاز ہیں انہوں نے علوم
می کے ہر موضوع پر کتاب لکھی ہے۔ شیخ الہند مولانا محمود الحسن کا ترجمہ قرآن کریم، مولانا شبیر احمد عثمانی کی "شرح مسلم"
ما انور شاہ صاحب کی "شرح ترمذی" وغیرہ مشہور ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلوی کے زمانہ میں لکھنؤ میں علماء فرنگی محل اپنی مسند علم بچھائے ہوئے تھے، جن میں ملا نظام الدین سہالوی سرخیل
بت ہیں اور کہا جاتا ہے کہ موجودہ درس نظامی انہی سے منسوب ہے ان کے نامور فرزند ملا عبد العلی بحر العلوم علمی دنیا میں کسی
یف کے محتاج نہیں۔ اس خاندان میں بڑے بڑے نامور اکابر و افاضل گذرے ہیں جیسے ملا حسن اور ملا مبین وغیرہ۔ دور آخر میں سب سے
ی شخصیت مولانا عبد الحئی فرنگی محلی کی تھی جو نامور استاد اور بہت سی کتابوں کے مصنف تھے۔ علماء فرنگی محل کو زیادہ دلچسپی علوم
ل سے رہی ہے۔ علماء معقول کی ایک ممتاز شاخ خیر آباد میں بھی تھی جس کے [illegible] ارکان مولانا فضل امام صاحب مرقات اور
حکماء مولانا فضل حق خیر آبادی تھے۔ مولانا فضل حق کی متعدد تصانیف [illegible] سعیدیہ [illegible] الجود وغیرہ مشہور ہیں۔

ہند و پاکستان پر انگریزوں کا تسلط ہونے کے باوجود علوم معارف اسلامیہ کی شمع ٹمٹماتی رہی اور علماء اسلام نیز ملت
لامیہ نے اپنی بے بضاعتی اور محدود وسائل کے باوجود علوم معارف اسلامیہ کی بڑی خدمت کی۔ علماء اسلام نے انفرادی
اعی طور سے اپنی ذمہ داری کو محسوس کیا۔ عیسائیوں نے ملک میں [illegible] ت کی تبلیغ کے لئے چرچ، بائبل سوسائٹیز، ہسپتال
بہت سے ادارے کھولے، علماء اسلام نے اس میدان میں ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ انگریزوں کے سیاسی استیلاء اور
نیت۔ کے مقابلہ میں جماعت مجاہدین نے جن کو عرف عام میں "وہابی" کہا جاتا ہے بڑا کام کیا۔ جماعت مجاہدین کے دو مشہور
ز دہلی اور صادق پور (پٹنہ) میں تھے۔ اکابر دہلی میں حضرت سید احمد شہید، اسمٰعیل شہید، مولانا عبد الحئی مولانا خرم علی، اور
نا سخاوت علی وغیرہ مشہور ہیں اور ان سب کی اسلامی تعلیمات پر متعدد کتابیں ہیں۔ مولانا شاہ محمد اسمٰعیل کی "تقویۃ الایمان"
مولانا خرم علی کی "نصیحت المسلمین" شہرۂ آفاق ہیں۔ علماء صادق پور میں مولوی احمد اللہ، مولوی یحییٰ، مولوی ولایت علی اور مولوی
یت علی بہت مشہور ہیں۔ آخر الذکر دونوں حضرات کے متعدد اصلاحی رسالے شائع ہو چکے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۰ پر)

✡ ——— مولانا شکیل احمد قاسمی

تاریخی جواہر ریزے

آجکل ابوالقاسم عبدالکریم رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "الرسالۃ القشیریہ" جو فن تصوف کی ایک گراں قدر کتاب ہے۔ اور محمد عوفی کی کتاب "جوامع الحکایات ولوامع الروایات" جو اپنی افادی حیثیت اور موضوعی خصوصیت کی بنا پر ایک اہم کتاب ہے، مطالعہ میں تھی۔ دوران مطالعہ چند واقعات نے دل و دماغ کو بہت زیادہ متاثر کیا۔ آج کی فرصت میں اس سلسلے کے چند واقعات ایک خاص ترتیب کے ساتھ قارئین الحرم کی نذر ہیں۔

حقیقی شکر گزار

کعب احبار رضی اللہ عنہ کا شمار اجلۂ صحابہ میں ہوتا ہے۔ ایک مرتبہ کعب احبارؓ سخت گرمی اور تیز لو کے زمانے میں کسی کوہستانی علاقے کے سفر پر تھے۔ مسلسل چلنے کی وجہ سے آفتاب کی تمازت ان کے لئے ناقابل برداشت ہو گئی تو سایہ لینے کیلئے ویران جگہ پہونچ گئے۔ وہاں انھوں نے پھٹے پرانے کپڑے میں ملبوس ایک ایسے شخص کو خدا کی نعمتوں کا شکر اور الحمد للہ علی نعائہ کا ورد کرتے ہوئے دیکھا جس کے دونوں ہاتھ ہی نہیں بلکہ دونوں آنکھیں بھی غائب تھیں۔ اپنے ظاہری جسم و جثے سے بھی وہ شخص ہڈیوں کا ڈھانچہ نظر آرہا تھا۔ اس کے پچکے ہوئے گال اور نکلی ہوئی پسلیاں اس کی مسلسل گرسنگی اور فاقہ کشی کی چغلیاں کھا رہی تھیں۔

کعب احبارؓ کو بڑی حیرت ہوئی کہ ایسا شخص جو ہر طرح مفلوج و معذور ہے۔ تیمار داروں اور خدمت گاروں کا تعاون بھی اسے حاصل نہیں۔ اپنی زندگی کے دن بہت بے کسی کے ساتھ پورے کر رہا ہے۔ اس حالت میں بھی خدا کی نعمتوں کا دم بھرنے سے غافل نہیں ہے۔ کعب احبارؓ نے اسے سلام کیا اور کہا کہ بظاہر تو خدا کی ہر طرح کی نعمتوں سے محروم نظر آتا ہے پھر بھی خدا کی نعمتوں کے ذکر سے تیری زبان نہیں تھکتی۔

کعب احبارؓ کی یہ بات سنکر وہ شخص غصے سے پھٹ پڑا اور انتہائی کرخت لب و لہجے میں کعب احبارؓ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ خدا کی اس سے بڑی نعمت کونسی ہوگی کہ اس نے گناہوں کے تمام ذرائع مجھ سے چھین لئے۔ آنکھوں سے اس لئے محروم رکھا کہ کسی کو بری نظروں سے نہ دیکھوں۔ ہاتھوں سے اس لئے کہ ناجائز چیزوں کو نہ چھوؤں۔ پاؤں سے اس لئے کہ بری جگہ نہ جاسکوں۔ ان سب کی جگہ دل بخشا ہے کہ اس میں اس کی معرفت کے نور کو جگہ ملے — اور زبان دی ہے کہ اسے اس کی شکر گذاری میں استعمال کروں۔

کعب احبارؓ یہ کہکر وہاں سے چل دیئے کہ اس شخص سے بڑھ کر خدا کا شکر گذار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔

☆ ☆ ☆

عبادت اور معصیت

شیخ حسن زنجانی رحمۃ اللہ علیہ سلطان مسعود کے زمانے کے مشہور مشائخ طریقت میں سے ہیں۔ ایک دن سلطان مسعود شیخ حسن زنجانی رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے آئے تو شیخ حسن زنجانی رو سلطان مسعود کو دیکھتے ہی بارگاہ خداوندی میں سر بسجود ہو گئے سلطان مسعود کا وزیر ثقۃ الملک سلطان کے ہمراہ تھا، اس نے شیخ سے سجدہ کا سبب پوچھا، شیخ نے جواب دیا کہ یہ سجدہ شکر اسلئے کہ خدا نے بادشاہ کو مجھ تک پہنچا دیا، مجھے بادشاہ کے یہاں جانے کی غلطی نہیں کرنی پڑی۔ کیونکہ درویشوں کا بادشاہ کے پاس جانا معصیت اور بادشاہوں کا درویشوں کے پاس آنا عبادت ہے۔

عبادت اور اطاعت

سلطان طغرل کا وزیر ابو منصور ربانی اپنی عبادت و دیانت اور نیکی و خدا ترسی کی وجہ سے بہت عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ صبح کی نماز با جماعت سے فارغ ہو کر آفتاب نکلنے کے وقت تک اپنے مصلے پر بیٹھ کر تسبیح کا پڑھنا اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ ایک دن سلطان نے کسی ضروری کام کی وجہ سے صبح سویرے اپنے خادم کو ابو منصور کو بلانے کے لئے بھیجا۔ خادم نے منصور کے پاس پہنچکر بادشاہ کا پیغام پہنچایا، مگر منصور نے اس پر کوئی توجہ نہ دی اور حسب دستور اپنے وظیفے کا سلسلہ جاری رکھا۔ خادم نے بادشاہ کے پاس شکایت پہنچائی کہ:

وزیر صاحب عالی جاہ کے حکم کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اور یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس طرح کی گستاخیاں یہ پہلے بھی کرتے رہے ہیں۔ خادم سے یہ شکایت سنکر بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور وزیر کو معزول کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

بادشاہ ابھی غصہ میں پیچ و تاب کھا ہی رہا تھا کہ عین اسی درمیان ابو منصور وظیفے سے فارغ ہو کر بادشاہ کے پاس پہونچ گیا۔ ابو منصور کو دیکھتے ہی بادشاہ نے بہت سخت لب و لہجہ میں کہا کہ اس حکم عدولی کی سزا بجز وزارت سے معزولی کے اور ہو ہی کیا سکتی ہے۔

ابو منصور نے بغیر کسی تامل کے کہا، بادشاہ سلامت میں پہلے خدا کا بندہ ہوں، اس کے بعد آپ کا خادم۔ جب تک میں خدا کی عبادت سے فارغ نہیں ہو لیتا تب تک آپ کے حکم کی اطاعت کے قابل نہیں ہوتا۔

ابو منصور ربانی نے کچھ ایسی ایمانی جرأت سے ان الفاظ کو ادا کیا کہ غیظ و غضب سے بھرے ہوئے بادشاہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور اس نے ابو منصور کی بہت تعریف کی اور یہ کہہ کر اسے رخصت کیا کہ تم اپنے معمول کے مطابق خدا کی عبادت کو ہمیشہ اطاعت پر مقدم رکھا کرو تاکہ اس کی برکت کا فائدہ بھی میں اٹھا سکوں۔

مصر کی ولایت

خلفائے عباسیہ میں ہارون رشید کا نام۔ اس کے علم و فضل کی وجہ سے بہت عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ ہارون رشید ایک دن تلاوت کرتے ہوئے اس آیت پر پہنچا اَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْأَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ؕ فرعون نے کہا "کیا میری حکومت میں ملک مصر نہیں ہے

نہریں میرے محل کے نیچے بہ رہی ہیں۔ کیا تم لوگ نہیں دیکھتے ہو) ہارون رشید اس آیت کو پڑھ کر رک گیا۔ اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اپنے دربان کو حکم دیا کہ بغداد میں گشت کر کے ایک ایسے آدمی کا پتہ لگاؤ جو تمام بغداد میں سب سے زیادہ حقیر اور کمینہ سمجھا جاتا ہو۔

حاجب تلاش کرتے کرتے ایک اجڑے ہوئے محل کے کھنڈروں کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ زمین پر ایک شخص مُردے کی طرح پڑا سو رہا ہے اور اس کے اردگرد بہت سے کتے لیٹے ہیں۔ نام پوچھنے پر اس نے اپنا نام طولون بتایا۔

ہارون رشید کا مطلوبہ آدمی پاکر دربان اس آدمی کو ہارون رشید کے پاس لے گیا۔ ہارون رشید نے اس سے اس کا نام اور پیشہ وغیرہ پوچھ کر اسے مصر کا والی بنا دیا۔ لوگوں کو مصر کی ولایت کے لئے انتہائی غیر موزوں شخص کو دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ ایک خاص مصاحب نے ہارون رشید سے یہ پوچھنے کی جرأت بھی کر لی کہ اس ذلیل ترین شخص کو اتنے بڑے عہدے پر مامور کرنے کا سبب کیا ہے؟

ہارون رشید نے کہا کہ ملعون فرعون کو مصر پر بڑا ناز و غرور تھا۔ میں نے اس کے غرور کو نیچا دکھانے کے لئے بغداد کے سب سے حقیر اور ذلیل آدمی کو اس ولایت کا والی بنا کر بھیجا ہے تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی کوئی وقعت نہیں۔

شفیق بلخی رح کی نصیحت

ہارون رشید کی ملاقات مشہور بزرگ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی تو ہارون رشید نے شفیق بلخی رح سے نصیحت کے لئے اصرار کیا۔ شفیق بلخی رح نے ہارون رشید کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ خدا تعالیٰ نے ایک جگہ بنائی ہے جس کا نام دوزخ ہے۔ تمہیں اس کا دربان مقرر کر کے تین چیزیں عطا کی ہیں (۱) بیت المال (۲) تلوار (۳) تازیانہ۔ تمہیں حکم دیا کہ ان تینوں چیزوں کے ذریعہ لوگوں کو اس جگہ جانے سے روکو۔ اس طرح کہ جو شخص خدا کے حکم کے خلاف کرے، اسے تازیانے کی سزا دو۔ جو شخص کسی کو بلا وجہ قتل کرے اسے تلوار سے قتل کرو۔ جو شخص محتاج اور غریب ہو اس کے لئے بیت المال میں حصہ محفوظ کرو۔

اگر تم نے اس پر عمل نہیں کیا تو اس جگہ سب سے پہلے تم ہی کو داخل ہونا پڑے گا۔ دوسرے لوگ تمہارے پیچھے ہوں گے۔

قابو پانے کے بعد معافی

حضرت معاویہؓ کے غلام کو سعید کے غلاموں نے پیٹا جس کی وجہ سے حضرت معاویہ کے غلام کو سخت چوٹ آئی۔ حضرت معاویہؓ نے جب سعید کے غلاموں کی زیادتیوں کی داستان سنی تو حضرت معاویہؓ سخت برہم ہوئے اور انتقام کے لئے سعید کے غلام کو بلانے کا حکم دیا۔ سعید کے غلام اپنے انجام کے خوف سے کانپتے ہوئے حضرت معاویہؓ کے پاس حاضر ہوئے مگر انھوں نے بغیر کسی گوشمالی کے غلاموں کو جانے کی اجازت دیدی۔ (بقیہ بر صـــ)

انصار احمد صدیقی ایم۔ اے۔ ایم فل
ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

بابا فرید گنج شکر کا عرفانی پیغام

بھارت ہمیشہ سے خدا رسیدہ بزرگوں اور دیوں کا مسکن، شاعروں کا معدن، معلموں اور فلسفیوں کا مخزن رہا ہے۔ اس خاک سے ایسے ایسے جوہر تابدار پیدا ہوئے جو نہ صرف اپنے زمانے میں منفرد تھے بلکہ آج تک دنیا ان کا ثانی نہیں پیدا کر سکی۔ بقول علامہ اقبالؒ کے ؏

اس خاک سے اٹھے ہیں، وہ غوّاصِ معانی
جن کے لئے ہے بحرِ پُرآشوب بھی پایاب

بابا فرید ایسے ہی غواصِ معانی بزرگ تھے۔ ان کا شمار بھارت کی باکمال ہستیوں کی صفِ اول میں کیا جاتا ہے وہ علم و فن اور فضل و کمال کی مجسم تصویر تھے، ان کی ہمہ گیر اور دل کش شخصیت نے ایک عالم کو شیدائی بنا لیا تھا۔ امیر و غریب، ہندو مسلمان سب ان کے فدائی تھے اور ان کی قدر و منزلت کرنا اپنا فخر سمجھتے تھے۔

بابا فرید ۵۶۹ھ م ۱۱۷۳ء میں پیدا ہوئے اور ۶۶۴ھ م ۱۲۶۵ء میں وفات پائی۔ باباصاحب کے ایک ہم عصر شیخ کمال الدین زاہدؒ تھے۔ جن کی دینداری ان کے علم کی طرح ہر طرف مشہور تھی۔ سلطان بلبن نے ان کو دربار میں بلایا اور یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ جامع مسجد کی امامت قبول کرلیں۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ اور جب سلطان نے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا کہ مسلمانوں کے پاس بس ایک چیز ان کی نماز باقی رہ گئی ہے کیا بادشاہ چاہتا ہے کہ وہ بھی ان سے چھین لے؟ دراصل ان بزرگوں کی زندگی کی یہ نمایاں قدریں تھیں۔ جن کو رفتارِ زمانہ اور گردشِ لیل و نہار کی طرح کسی قانون و آئین کے تحت منضبط کرنے سے سائنس و فلسفہ عاجز و قاصر ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہدایت و اصلاح کی کامیابی کا انحصار ہادی یا مصلح کی ذہنی اور علمی صلاحیتوں پر ہوتا ہے۔ کسی شخص سے اہمیت کے چند جملے لکھ دینا کوئی مشکل کام نہیں لیکن اس نصیحت کے ساتھ ساتھ اس کی زندگی کا سانچہ بدل دینا آسان کام نہیں۔ اس کے لئے کردار کی خوبیاں درکار ہیں۔

ایک معلم اخلاق کے لئے ضروری ہے کہ خود ان اخلاقی اقدار کا حامل ہو جن کی تبلیغ وہ دوسروں کو کرتا ہے۔ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے "کیا تم دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو"۔

ایک معلم اخلاق کو پورے طور پر قوم کی اجتماعی اور انفرادی نفسیات سے واقف ہونا چاہئے۔ کسی انسان کے فکر و عمل

میں اس وقت تک تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی جب تک اس کے ذہنی حرکات، قلبی کیفیات اور طبعی رجحانات کا صحیح اندازہ نہ ہو۔ اس صلاحیت کو حضرت نظام الدین اولیاء نے "نفس گیرا" سے تعبیر کیا ہے۔ وہ حقیقت میں یہی چیز ہے کہ شیخ کی نظر وجدان و احساس اتنا تیز ہو کہ وہ دل کی گہرائیوں کا پتہ لگا لے۔

ایک معلم اخلاق کو مہر و محبت کا مجسمہ ہونا چاہئے۔ تیز آدمی کی بات سننے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا۔ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے" اور (محمدؐ) اگر تم بدخلق اور سخت دل ہوتے تو لوگ تمہارے پاس سے چل دیتے"۔ خود رسول اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا۔ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوتا جب تک میں اس کے باپ اور بچوں سے زیادہ اس کو محبوب نہ ہو جاؤں"۔

اسلام اور اسلام کے اصولوں کی اشاعت کے لئے جو طریقہ صوفیوں نے اختیار کیا تھا وہ رائج طریقوں سے بالکل مختلف تھا وہ صرف زبان سے کسی اصول کی تبلیغ و اشاعت کو بے سود دیے کار سمجھتے تھے، وہ کہتے تھے کہ جب تک انسان کی زندگی خود ان اصولوں کی تفسیر نہ بن جائے۔ کسی کو ان اصولوں سے دلچسپی پیدا نہیں کرائی جا سکتی۔ عمل میں ایک جاذبیت ہے اس کا اثر زیادہ گہرا اور زیادہ پائیدار ہوتا ہے۔ بابا فرید خود بھی بہت بڑے متبع شریعت بزرگ تھے، اور روحانی ترقی کے لئے احکام شریعت کی پابندی کو نہایت ضروری سمجھتے تھے۔

فرمودات

جب ہم بابا فرید کے فرمودات کا بغور مطالعہ کرتے ہیں تو یہ حقیقت بھی سامنے آجاتی ہے کہ ان کے ذریعہ جو بات ذہن نشین کرائی گئی ہے اور جو تعلیم دی گئی ہے وہ اعلیٰ ترین روحانی اور مذہبی تعلیمات کا عطر ہے وہ ایسے راسخ العقیدہ مسلمان تھے جو خود اسلام کا نمونہ تھے۔

بابا فرید نے درویش سے متعلق ارشاد فرمایا کہ وہ یہ اختیار کرے:

"اپنی آنکھوں کو بند کر لے کہ خدا کے بنائے ہوئے عیب نہ دیکھ سکے"۔

"کانوں کو بہرا کر لے کہ جو باتیں سننے کے قابل نہ ہوں انھیں نہ سن سکے اور زبان کو گونگی کر لے کہ جو باتیں کہنے کی نہ ہوں نہ کہہ سکے"۔

"پاؤں کو لنگڑا کر لے کہ جب اس کا نفس غیر ضروری یا ناجائز کام کی طرف لیجانا چاہے تو نہ جا سکے۔ اگر یہ باتیں اس کو حاصل ہیں تو وہ درویش ہے ورنہ جھوٹا ہے"۔

آپ نے فرمایا "جس درویش کے دل میں ذرہ بھر بھی دنیا کی محبت ہوگی وہ مردود طریقت ہے"۔

درویشوں کا طریقہ تحمل ہے، اور تحمل بھی ایسا کہ اگر کوئی شخص اس کی گردن پر ننگی تلوار بھی رکھ دے تب بھی وہ اس سے خوش رہے اور اس کے لئے بد دعا نہ کرے۔ بابا صاحب نے سلوک کی بنیاد دل کی صلاحیت کو قرار دیا ہے۔ آپ نے فرمایا حکمت کا مرکز وہ دل ہو سکتا ہے جس میں دنیا کی حرص، رشک اور حسد نہ ہو۔ اور جاہ و مرتبہ کی خواہش مند نہ ہو۔

بابا فرید نے ایک بار فرمایا کہ میں نے چار چیزوں کے متعلق بہت سے پیروں سے سوال کیا۔ سب نے متفقہ طور پر ایک ہی جواب دیا۔ وہ یہ ہے کہ :-

(۱) لوگوں میں سب سے عقل مند وہ ہے جس نے دنیا کو ترک کیا۔
(۲) سب سے بزرگ وہ شخص ہے جو کسی سے بدلہ نہ لے۔
(۳) سب سے زیادہ غنی وہ ہے جو قانع رہے۔
(۴) سب سے زیادہ محتاج وہ ہے جس نے قناعت کو ترک کر دیا۔

صوفی کی تعریف کرتے ہوئے بابا فرید نے فرمایا صوفی تمام چیزوں کو صاف کرتا ہے لیکن کوئی چیز اسے میلا نہیں کر سکتی۔ پھر فرمایا کہ اپنے آپ کو ایسا ظاہر کرو جیسے کہ تم ہو۔

پھر فرمایا کہ جب تم نئے کپڑے پہنو تو خیال کرو کہ کفن پہنا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ خوش قسمت ہے وہ شخص جو دوسروں کے عیبوں کو چھوڑ کر اپنے عیبوں کے دیکھنے میں مشغول رہے۔

بابا فرید نے ایک موقع پر فرمایا:- اگر تم بزرگی کے رتبے کے خواہش مند ہو تو بادشاہوں کی طرف توجہ نہ کرو، دانا نما نادان سے ڈرو۔ جو سچائی جھوٹ کے مشابہ ہے وہ اختیار نہ کرو۔ مال و متاع اور مرتبے کے خاطر غم نہ کرو۔ نفس کو اپنے مرتبہ کے لئے خوار نہ کرو، دل کو شیطان کا کھیل نہ بناؤ، لوگوں کا احسان اپنے اوپر سمجھو لیکن کسی پر اپنا احسان نہ جتاؤ۔ جب تم دولت مندوں کے پاس بیٹھو تو دین کو نہ بھلاؤ۔ عزت و حشمت انصاف میں جانو۔ دولت مندی کے وقت ہمت بلند رکھو۔ جو درویش دولت مندی کا متوقع ہے اسے لالچی سمجھو، اس کوشش میں لگے رہو کہ تم مرنے کے بعد زندہ جاوید رہو۔ اگر ساری دنیا کو دشمن بنانا چاہتے ہو تو تکبر کیا کرو۔

ایک مرتبہ اپنے جلیل القدر جانشین حضرت نظام الدین اولیا پر شرعی علوم کی اہمیت واضح کرتے ہوئے فرمایا کہ حجاب دو قسم کا ہوتا ہے۔
(۱) ظلماتی (۲) نورانی۔

ظلماتی حجاب گناہ و برائیاں ہیں اور نورانی حجاب علم ہے جس کو نہ ہر شخص عبور کر سکتا ہے اور نہ اس کے کنارے سے اٹھ سکتا ہے۔ جس وقت تک شرعی علوم میں کمی دسترس نہیں ہوگی، خدا کی معرفت اور قربت حاصل نہیں ہو سکتی اس لئے کہ علم ایک بڑا حجاب ہوتا ہے۔

بابا فرید نے اپنی نصائح میں جگہ جگہ دنیا کی ناپائیداری اور دنیاوی جاہ و جلال کی بے ثباتی کو بڑے دلکش اور بہت پر زور انداز میں بیان کیا ہے دنیاوی لذات و شہوات کی تحقیر کی ہے اور بتایا کہ ان کا اصلی گھر آخرت ہے جہاں کامیابی اور جہاں کا عیش صرف یادِ الٰہی اور عمل صالح ہی سے مل سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انسان کی غفلت اور خدا فراموشی کا یہ عالم ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ فرصت عمل بہت کم ہے اور موت اس کی گھات میں ہے وہ دنیا اور دنیاوی لذات میں اس طرح منہمک ہے کہ موت کا اسے بھول کر بھی خیال نہیں آتا۔

مولانا بدرالدین اسحاق کے علمی غرور کا یہ عالم تھا کہ کسی کو نظر میں نہ لاتے تھے۔ لیکن بابا فرید کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا کہ ایک بادشاہ ہے جو اپنے قلب و نظر کے تصرف سے آنے والوں کے دلوں کی دنیا بدل دیتا ہے۔ نظر کی یہ تاثیر حسن عمل سے پیدا ہوتی ہے۔ بابا فرید نے کامیابی کا یہ راز پیغمبر اسلام کی پاک سیرت کی پیروی سے سیکھا تھا۔

⁂ ⁂ ⁂

گودھرا کا تبلیغی اجتماع

پچھلے ماہ ۱۱ مارچ ۱۹۷۸ء کو گجرات کے ایک شہر گودھرا میں ہندوستان کی تبلیغی جماعت کا جو عظیم الشان اجتماع ہوا وہ اپنی خصوصیات کے اعتبار سے عجیب و غریب تھا۔ جن لوگوں نے اس اجتماع میں شرکت کی اُن کے بیانات کا خلاصہ یہ ہے۔

اس اجتماع میں جس کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ مسلمان سچے مسلمان بن جائیں اور اسلام کو اپنی زندگی میں رچا بسا لیں اور دوسروں کو زبان سے نہیں بلکہ اپنی پاکبازانہ زندگی سے اسلام کی دعوت دیں، ایک محتاط اندازہ کے مطابق کم از کم پانچ لاکھ اصحاب شریک ہوئے۔ ہندوستانیوں کے علاوہ امریکہ، کنیڈا، انگلستان، فرانس اور یوروپ کے دوسرے ملکوں کی جماعتوں نے بھی شرکت کی۔ مڈل ایسٹ کے مختلف عرب ملکوں سے بھی بہت سے حضرات آئے تھے۔ سب سے بڑی جماعت سعودی عرب کی تھی۔

جلسہ کے سلسلہ میں علاقہ کے لوگوں میں اس قدر جوش و خروش تھا کہ ان تین روز تک ٹرک مفت چلائے اور بس والوں نے شرکاء جلسہ سے بس کا کرایہ نہیں لیا۔

گجرات کے مختلف اضلاع کے لوگوں نے ایک ایک صوبہ کے شریک ہونے والوں کی ذمہ داری بانٹ لی تھی۔ جلسہ گاہ اور قیام گاہوں کے انتظامات میں بھی مختلف اصحاب نے مختلف چیزوں کو جو ہر ایک علیحدہ کا کام تقسیم کر لیا تھا۔ مثلاً کسی نے فرش کی ذمہ داری قبول کی، کسی نے شامیانوں کی، کسی نے روشنی کے انتظام کی۔ پھر یہ ذمہ داریاں ایسے نظم اور سلیقہ کے ساتھ نبھائی گئیں کہ کسی کو ادنیٰ شکایت بھی پیدا نہ ہوئی۔ کسی کا معمولی نقصان بھی نہ ہوا۔ حالانکہ پورے اجتماع میں کانسٹبل نام کی کوئی صورت نہ تھی۔

بزرگان جماعت کو اتنے بڑے اجتماع کی کسی ذمہ داری سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ جماعتیں بنانے اور انہیں باہر نکالنے میں لگے ہوئے تھے۔ پنج وقتہ نمازیں بڑے نظم اور ترتیب کے ساتھ یکجا ادا کی جاتی تھیں۔ لاؤڈ اسپیکر بھی استعمال نہ کیا جاتا تھا بلکہ قدیم طریقہ کے مطابق تکبیروں سے کام لیا جاتا تھا۔ غیر مسلم نمازوں اور دعاؤں کے روح پرور مناظر دیکھ کر بڑے متاثر ہوتے تھے۔

جلسہ کے اختتام پر اندرون ملک کے مختلف شہروں کے لئے اور یوروپ، امریکہ اور عرب وغیرہ کے لئے پچاس جماعتیں نکالی گئیں جو اپنے خرچ پر وہاں پہنچکر تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیں گی۔ اس اجتماع کے فوراً بعد بنگلہ دیش میں بھی اجتماع ہوا اس کے شرکاء کی تعداد اس سے دوگنی تھی۔

(اسی جماعت کا ایسا ہی ایک عظیم اجتماع، حسب معمول دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں آخری مئی ۱۹۷۸ء کو منعقد ہوگا)

اور یہ سب بغیر اشتہارات کے، بغیر پمفلٹوں کے، بغیر دعوت ناموں کے، بغیر چندوں کے خاموشی کے ساتھ ہوگیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر دلوں میں اخلاص، للہیت، جذبہ عمل اور توکل علی اللہ کا سرمایہ ہو تو بڑے سے بڑا کام بڑی آسانی سے انجام پا سکتا ہے۔ اِن تنصروا اللہ ینصرکم۔ (اگر تم اللہ کے دین کی مدد کے لئے آمادہ ہوجاؤ گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا)

رضیہ سلطانہ ایم۔اے

تصویر

میری پہلی ملاقات [illegible] اس وقت ہوئی تھی جب کہ وہ میری ہم جماعت تھی۔ اس کے بعد وہ ایسی غائب ہوئی کہ ایک عرصہ تک اس کا پتہ نہ ملا۔ آہستہ آہستہ اس کے کچھ ہلکے نقوش بھی میرے حافظہ سے محو ہو گئے اور وقت اس قدر سرعت سے اُڑ کر پرواز رہا کہ کل اور آج کا رشتہ ہی کٹ گیا۔

میں کالج کی ایک تقریب میں گئی ہوئی تھی ہنگامہ کی وجہ سے میں نے پنڈال میں اپنے لئے ایک گوشہ عافیت منتخب کر لیا تھا تاکہ مجھے سہیلیوں کی یلغار سے کچھ سکون [illegible] لیکن ابھی [illegible] ہوئے ہوں گے کہ [illegible] نے میرا نام لیکر مجھے پکارا۔ [illegible] اور حیرت بھی ہوئی کہ کون میرا نام اس طرح پنڈال [illegible] دور سے پکار رہا ہے۔ مڑ کر دیکھا تو ایک صاحبہ جن کا چہرہ پاؤڈر سے بُری طرح [illegible] ہوا تھا اور ہونٹ [illegible] ہوئے تھے مجھے ہاتھ ہلا ہلا کر پکار رہی تھیں۔ اب سوچئے تو سہی ایک اجنبی خاتون کو اس بے تکلفی سے اپنا نام لیتے ہوئے دیکھ کر میری کیا حالت ہوئی ہوگی بہرحال اخلاقاً مجھے ان تک جانا ہی پڑا۔ قریب پہنچی تو انہوں نے پہلے تو ایک دھپ رسید کیا اور اس کے بعد بولیں۔

"ارے زرینہ تو تو ویسی ہے مجھے کیا دیکھ رہی ہے [illegible] ہوں ناہید" بھلا مجھے یہ بے تکلفی کب گوارا تھی میں نے کہا۔

"محترمہ معاف فرمایئے آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے گو کہ میں زرینہ ہی ہوں لیکن یقیناً وہ نہیں جو آپ سمجھ رہی ہیں"۔ وہ محترمہ اسی بے تکلفی سے بولیں۔

"ارے [illegible] تم [illegible] اپنی ناہید کو بھول گئیں"

اب انھیں کون سمجھاتا کہ اگر آپ واقعی ناہید ہیں تو مجھے آپ سے کیا واسطہ۔ میری سہیلیوں میں تو کوئی بھی بال کٹی اور اسکرٹ زیب کی نہیں تھی اور نہ ہی غازہ اور سرخی کا کثیف لبادہ ان کے چہروں پہ تھا۔ اور ان [illegible] اتنی مہارت نہ حاصل کی تھی کہ ہر قسم کے بہروپیوں کو اصل شکل میں دیکھنے پر قادر رہوں اور پھر اس وقت تو اس طرح کی کوئی بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھی۔ میں نے صاف گوئی سے کام لینا ہی مناسب سمجھا۔

"معاف کیجئے [illegible] مجھے تو کوئی اپنی سہیلی اس حلیہ کی یاد نہیں"۔ اس پر وہ جل اٹھی اور لگی ملامت کرنے۔

"ایڈیٹ اپ ٹو ڈیٹ [illegible] لڑکی ہو۔ کیا تم میری [illegible] ہو جو بچپن کی رفاقت کو بھی بھول گئیں تمہیں معلوم ہوتا ہے تہذیب کی ہوا تک [illegible] لگی"

مجھے خواہ مخواہ یہ دشنام طرازیاں نگلنا پڑیں۔ اگر ایسا نہ کرتی تو بھرے پنڈال میں مرمت ہی ہو جاتی۔ اس کے جانے کے بعد جب میں نے [illegible] کر غور کیا تو مجھے اس بہروپ کے پیچھے وہ ناہید نظر آئی جو معصومیت اور قدرتی حسن کا مجسمہ تھی اور جو میری ایک بڑی عزیز پرانی سہیلی تھی مجھے بڑی پشیمانی ہوئی اور میں تلافی کے لئے اس کی جستجو میں نکلی۔ وہ اسٹیج کے پاس کھڑی کسی سے میرا ہی تذکرہ کر رہی تھی۔

"اس سے زرینہ کو دیکھو اتنے دنوں بعد تو ملی اور اب مل گئی تو مجھے ایسے بھولے ہوئے ہے کہ پہچاننے سے بھی منکر ہے۔ بڑی ملانی بنی پھرتی ہے"

ہ شکل دیکھو تو بالکل چوپنچ معلوم ہوتی ہے'' چوپنچ والی پھبتی پر میں اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکی اور ہنستے ہوئے میں نے بھی چوٹ کر دی ،
"اور تم جو پر کٹی چڑیا کی طرح پھدک رہی ہو۔ اپنی شکل تو دیکھو کیسی بنی ہوئی ہے ۔ ہونٹ ایسے لال ہو رہے ہیں جیسے ابھی ہو جو تے کھا کر آئی ہے"۔

قریب تھا کہ جھپٹ کر وہ میرے بال نوچ لیتی کہ اس کی وہی بال کٹی سہیلی درمیان میں آ گئی ۔ تلخی قدرے کم ہوئی تو میں نے کہا
"بہن کہنے تو بہروپیوں ایسا رنگ بدل لیا ہے ۔ اس میں میرا کوئی قصور کہ میں تم کو پہچان نہ سکی ، میرے پاس تمہاری تصویر موجود ہے اسے دیکھ کر ذرا خود پہچاننے کی کوشش کرنا ۔ اچھی خاصی صورت مربہ بنا کر رہ گئی ہے ۔
"میں تو تمہیں پہلے ہی دیکھ کر سمجھ گئی تھی کہ تمہاری رجعت پسندی میں کوئی فرق نہیں پڑا ۔ تم نے تو لکھا پڑھا سارا خاک میں ملا دیا ۔
علم اسی لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ انسان روشن خیال ہو اور تم وہی ڈھاک کے تین پات ہو ۔
"اچھا بی ۔ تم تو بڑی الٹرا ماڈرن ہو اللہ قائم رکھے تمہیں لیکن میرا کہا مانو تو ایک دن خود ہی محسوس کرو گی کہ تم غازہ اور لپ اسٹک کی محتاج ہو کر رہ گئی ہو ۔ تمہارا ذہنی سکون ایسا غائب ہو جائے گا کہ ایک روز تم زندگی سے پناہ مانگنے لگو گی ۔ اگر یہ سب پاؤڈر اور سرخی والیاں اپنے عہد رفتہ کی داستانیں مرتے وقت دنیا والوں کی عبرت کے لئے سنانے لگیں تو یقیناً قوم کو بڑا فائدہ پہنچے گا اور اس لیپا پوتی کی افادیت کی پول ایسی کھلے گی کہ تم پاؤڈر اور سرخی کے تصور سے ہی لرز جاؤ گی ۔
"ارے چل بس رہنے دے اس لیکچر کو" ناہید پھر وہی دھپ رسید کرتے ہوئے بولی ۔
"واہ تمہاری یہ مارنے کی عادت اچھی ہے ۔ کیا یہ بھی تمہاری تہذیب کا ایک جزو ہے ۔ اللہ بچائے تمہیں اس غیر جنسی حرکت سے"
میں اپنی پیٹھ سہلاتے ہوئے بولی ۔
"اچھا تو بتاؤ میں تم سے کہاں ملوں ۔ بڑی باتیں کرتی ہو جب تم مجھے پہچانی نہیں تھیں تو مجھے ایسا غصہ آیا تھا کہ جی چاہا کہ یا تمہیں گولی مار دوں یا خود خودکشی کر لوں" ناہید بولی ۔
"خوب یہ گولی چلانا تم نے کب سے سیکھا ہے ۔ یہ بھولی بھالی ناہید تو اچھی خاصی اب فوجی لفٹیننٹ کی زبان بولنے لگی ہے" میں نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا ۔
"میں تمہیں پورا قصہ سناؤں گی تو پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ میں نے زندگی کے کیسے کیسے چکر دیکھے ہیں" ۔ اور اس قدر کہہ کر اس نے میرا پتہ لکھا اور چھلاوہ کی طرح دوسری عورتوں میں غائب ہو گئی اور میں اس کی زندگی کے چکروں میں ہی غلطاں و پیچاں رہ گئی ۔

ایک روز اچانک وہ میرے گھر ٹپک پڑی ۔ میں اس وقت روٹی پکا رہی تھی اسے بڑا تعجب ہوا کہنے لگی تم کالج گرل ہوتے ہوئے بھی یہ باورچنوں کا ذلیل دھندا کرتی ہو"
"ارے گھر کا کام کرنا ذلالت ہے ۔ بھئی خوب یہ آج نیا فلسفہ سن رہی ہوں ۔ گویا اب اپنا کام کرنا بھی بری بات ہو گیا اللہ ہی سمجھے تم سے ورنہ تمہیں سمجھانا اپنے بس کی بات تو معلوم نہیں ہوتی ۔ عقل کا پھیر تو سنا تھا لیکن عقل کا بھرنا آج دیکھا ۔ میں نے جل کر کہا ۔
"تم تو پڑھی لکھی جاہل ہو ۔ یہ کام تعلیم یافتہ لوگوں کے نہیں وہ بزرگانہ شان سے بولی ۔
"تو پھر اپنے گھر کے کام باہر کے لوگ آ کر کریں گے کیا ؟ کچھ تو عقل کی بات کیا کرو"
"نوکر آخر کیوں نہیں رکھتیں ۔

دراس کی تنخواہ تم ادا کروگی اور پھر میں آخر گھر میں کون سے پہاڑ کھودنے کے لئے ہوں۔ میرا پھر کیا ہوگا یہی کہ بستر پر لیٹی ہوئی اپنی صحت تباہ کروں اور تمہاری طرح شب و روز ڈاکٹر ہسپتال اور سواری کے چکر میں پڑجاؤں۔ تم اپنی عقل اپنے پاس ہی رکھو مجھے اپنی الٹی منطق سے معاف رکھو"۔

لیکن ناہید تو ایسی کج بحثی پر اتری کہ بس پسینے ہی آگئے بھلا بتایئے بے تکی بات کا جواب کوئی کیا دے۔

جب ہم کھانا کھاچکے تو ناہید کو میں اپنے بیڈ روم میں لے گئی اور پرانی یاد تازہ کرنے کے لئے کالج کی اس کی تصاویر دکھائیں وہ ان تصویروں کو بڑے غور سے دیکھتی رہی اور پھر گنگنائی۔

"واقعی مجھ میں تبدیلی تو کافی آگئی۔ اور اس کے بعد یک لخت اس کے چہرے رنگ بدل گیا اور وہ روہانسو ہوگئی۔

اللہ خیر کرے ابھی تو تم بڑی زندہ دلی کا ثبوت دے رہی تھیں یہ تمہارا اصلی روپ کہاں سے عود کر آیا" میں گھبراگئی۔

"زرینہ آج تم نے میرے رکھتے ہوئے تار چھیڑ دئے ہیں تمہیں نہیں معلوم کہ میں کن چکروں سے گزر چکی ہوں۔ انٹرمیڈیٹ کرنے کے بعد میرے والدین نے مجھے ایک ایسے مرد کے ساتھ باندھ دیا جو انتہا مغرب پرست تھا۔ اس نے مجھے مجبور کر کرکے پردے سے نکال باہر کیا۔ اور اپنے ساتھ مردوں کی سوسائٹی اور کلبوں اور ہوٹلوں میں جانے پر مجبور کیا۔ میں پہلے پہل دل ہی دل میں کڑھتی رہی لیکن یہ چکر رکنے کا نام نہ لیتا تھا آخر یہی سوسائٹی میری روح میں جذب ہوگئی اور جب میں اس زندگی کی عادی ہوگئی تو میرا شوہر طرح طرح کے وہم کرنے لگا اب پابندیاں عائد ہونے لگیں کہ میں فلاں سے ملوں فلاں سے نہ ملوں۔ حالانکہ اس کی آزادہ روی ادھی رہی۔ میں دل ہی دل میں جلا کرتی۔ آخر مجھ سے صبر نہ ہوسکا۔ میں اتفاقاً اسی سے ملنے لگی جس سے اس نے منع کیا اور یہ نوبت آپہنچی کہ وہ مجھ پر سختی کرنے لگا۔ مجھ میں انتقام کا جذبہ ابھرتا رہا لیکن اس سے حالات کبھی درست نہ ہوئے اس نے شادی اور کرلی اور مجھے طلاق مل گئی۔ اس کے بعد سے اب تک طلاق اور شادی کا چکر [illegible]۔ آج تمہاری پرسکون زندگی دیکھ کر مجھے شدت سے اپنی محرومی کا احساس ہورہا ہے۔ کاش میں پھر اسی زندگی کی طرف پلٹ سکتی جہاں سادگی، سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ زرینہ تم مجھے سہارا دو تاکہ میں پھر اپنی کھوئی ہوئی متاع حاصل کرسکوں۔ کس قدر پرسکون ہے یہ مکان۔ جہاں نہ ہنگامہ ہے اور نہ شور و دیوانگی۔ بتاؤ زرینہ تم مجھے سہارا دوگی؛ اور یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اس وقت وہ کتنی پیاری لگ رہی تھی اور کتنی معصوم۔ مجھ سے بھی نہ رہا گیا اور ناہید کو تسلی دیتے دیتے میں خود بھی رونے لگی۔ اتنے میں امی ہمارے کمرے میں داخل ہوئیں اور ہمیں سوگ مناتے ہوئے دیکھ کر بولیں۔

"ارے لڑکیو یہ کونسا ڈرامہ کھیلا جارہا ہے۔ ناہید جلدی سے اپنے آنسو پونچھنے لگی۔ اس کا مصنوعی حسن اور سرخی دھل چکی تھی اور وہ اب میرے سامنے وہی معصومیت کا مجسمہ تھی جس کو میں بخوبی پہچانتی تھی۔

آج ناہید بالکل بدل چکی ہے اب اسے جھوٹے فیشن اور مغربی تہذیب سے شدید نفرت ہے۔ اب وہ ایک اسکول میں استانی ہے اور قوم کی بچیوں کو نہ صرف تعلیم بلکہ اخلاقی تربیت بھی دے رہی ہے۔ تاکہ وہ ناہید کے تجربات کی روشنی میں نیک و بد میں تمیز کرسکیں۔

(بقیہ صفحہ ۲۳ کا) ہوتا کہ ان کی ہر ھوتک بچے کے غذا زیادہ زہریلی بناتی جاتی ہے۔

فرمایا مشمس یعنی دھوپ میں گرم کیا ہوا پانی نہانے دھونے یا پینے کے کام میں نہ لایا جائے۔ اس سے برص یا پھلبہری ہوجانے کا اندیشہ ہوتا ہے یہ صرف ایسے پانی سے متعلق ارشاد ہے جو کسی برتن میں بھرا ہوا دھوپ میں گرم ہوجائے۔ ورنہ حوض، تالاب، دریا، جھیل اور سمندر تو سورج کی گرمی سے متاثر ہوتے رہتے ہیں مگر زیادہ مقدار کے باعث ان پانیوں میں اتنا اثر نہیں ہوتا کہ وہ مضر صحت ثابت ہوں۔

فضل کریم فارانی بی اے ایل ایل بی

حکمت نبوی

پینے کے آداب

مشروبات کے استعمال کی نسبت حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض ایسی ہدایات ہیں جن کی افادیت اس زمانہ میں تسلیم کی گئی ہے اور بعض ایسی بھی ہیں جن پر اب تک ترقی یافتہ اقوام بھی عمل نہیں کر رہے ہیں۔

مثلاً آپ نے فرمایا "کوئی پینے والی چیز یک دم نہ پی جائے۔ بلکہ پیتے ہوئے دو تین مرتبہ سانس لینا چاہیے" اگر اسے یک دم حلق میں انڈیل دیا جائے یا اونٹ کی طرح غٹ غٹ اسے پی لیا جائے تو بعض دفعہ پیٹ میں درد شروع ہو جاتا ہے۔ پیاس بھی نہیں بجھتی۔ مگر وقفہ سے اور دو تین سانس لے کر پی جائے تو اس کی تھوڑی مقدار سے ہی تسلی ہو جاتی ہے، سخت گرمی کے موسم میں جب شدید پیاس لگ رہی ہو تو بغیر سانس لئے یک دفعہ پانی چڑھا جانے سے بعض دفعہ پینے والی کی موت واقع ہو جاتی ہے۔

یہ دیکھتے ہیں کہ موسم گرما کے روزوں میں روزہ افطار کرتے ہی بعض لوگ جام کے جام پانی یا شربت کے بغیر سانس لئے چڑھائے چلے جاتے ہیں۔ مگر باوجود اتنی بڑی مقدار میں مشروب پینے کے ان کی پیاس بجھنے میں نہیں آتی یہ طریق بعض دفعہ مہلک ثابت ہوتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کیا جائے تو ایک دو پیالے ہی کافی ہو رہتے ہیں۔

ایک شخص نے حضور سے شکایت کی کہ پانی ایک سانس میں پی کر پیاس نہیں بجھتی۔ فرمایا۔ پیالہ منہ سے ہٹا کر دم لیا کرو۔

ہاں دوائی صورت استثنائی ہے کیونکہ وہ چند گھونٹ ہوتے ہیں اور اس کی بدمزگی مریض پر اس طریق سے پینے سے بڑی گراں گذرتی ہے۔

پھر حضور نے فرمایا "پانی یا کوئی اور مشروب پیتے ہوئے برتن میں سانس نہ لیا جائے" بلکہ اس سے باہر یعنی سانس لیتے وقت پیالہ منہ سے ذرا ہٹا لیا جائے۔ کسی پینے والی چیز میں پھونک نہ ماری جائے بلکہ کھانے والی چیزوں کی نسبت بھی یہی احتیاط کرنی چاہیے۔ حضور اسے معیوب خیال فرماتے تھے۔

مذکورہ بالا ارشاد بظاہر ہیں تو بالکل معمولی ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو ان کی تہہ میں بہت بڑی حکمت ہے اور یہ صحت و ثبات کے لئے نہایت اہم اور مفید ہیں جس اہمیت سے کوئی سمجھدار انسان انکار نہیں کر سکتا۔

تنفس میں اندر تازہ ہوا جاتی ہے اور جب وہ باہر آتی ہے تو اپنا ایک جزو آکسیجن گیس اندر چھوڑ کر زہریلے مواد اور مختلف قسم کی اندرونی کثافتیں اور نجاست ساتھ لے کر باہر نکلتی ہے۔ کاربن گیس جو زہریلی ہوتی ہے خارج ہونے والے سانس کا بڑا جزو ہوتی ہے اور یہ گیس سیال اور تر چیزوں میں فوراً تحلیل ہو جاتی ہے۔

ہم تسلیم کرتے ہیں انسانی تنفس میں آکسیجن اور کاربن گیسوں کی موجودگی اور ان کا سیال اور تر چیزوں میں تحلیل ہو جانا دور حاضر کا انکشاف ہے لیکن چودہ سو سال قبل عرب جیسے پسماندہ ملک کے ایک اُمّی انسان کو منہ سے خارج ہونے والے سانس کی مضرات سے کس نے آگاہ کیا تھا بعض لوگ ہر گرم چیز چائے، کافی، دودھ وغیرہ پھونکیں مار مار کر پیا کرتے ہیں اور وہ نہیں جانتے کہ یہ فعل ان کی اپنی صحت کے لئے کتنا مضر ہے۔ مائیں تو اپنے بچوں کو ہر چیز جو ذرا سی گرم ہو بالعموم اپنی پھونکوں سے ٹھنڈا کر کے پلاتی یا کھلاتی ہیں لیکن انہیں یہ معلوم نہیں

تعارف وتبصرہ

مثنوی مولانائے روم - دفتر چہارم :-
مرتب مولانا قاضی سجاد حسین صاحب - صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری - دہلی - سائز ۱۸×۲۲/۸ صفحات ۶۸ مع پرنٹ
کی اعلیٰ طباعت - حسین وجمیل کتابت ونقاشی - رنگین کی مضبوط اور خوبصورت جلد قیمت بیس روپے - ملنے کا پتہ - سب رنگ کتاب
گھر - قاسم جان اسٹریٹ - دہلی ۶ -

مثنوی مولانا جلال الدین رومی ادب فارسی کی ان گراں قدر کتابوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے قبول عام اور بقار دوام
کی دولت سے نوازا ہے - آٹھ سو سال سے صوفیائے کرام کے حلقوں اور علماء وفضلاء کی مجلسوں میں اس کے اشعار دلوں کو گرماتے
اور حکمت ومعرفت کے موتی لٹاتے رہے ہیں - بجا طور پر سے "قرآن در زبان پہلوی" کا لقب دیا گیا ہے -
اب سے نصف صدی قبل جب ہندوستان کے اہل علم میں فارسی زبان کا رواج تھا اور یہ زبان شرفار کی علمی بلکہ مجلسی زبان سمجھی جاتی
تھی، شاید ہی کوئی صاحب علم ہو جس کا کتب خانہ اس قیمتی سرمایہ سے خالی ہو - بزرگان دین اپنے متوسلین کو خاص طور پر اس کے مطالعہ کی
ہدایت فرماتے تھے اور واعظان کرام اپنے مواعظ میں اس کے اشعار جھوم جھوم کر پڑھتے تھے اور سامعین وجد کرتے تھے -
مگر عصر حاضر میں جب ہندوستان میں اردو زبان ہی اجنبی بنتی جا رہی ہے فارسی کو پوچھنے والا کون ہے - اس کا المناک نتیجہ یہ ہے کہ
ہماری موجودہ نسلیں اعلیٰ اخلاقی تعلیم سے محروم ہو گئیں جو کریما، گلستاں بوستاں جیسی کتابوں کے ذریعہ ہمارے مکتبوں میں دی جاتی تھی
اور جس سے ان کے دل ودماغ بچپن ہی سے شرافت وانسانیت کے سانچوں میں ڈھل جاتے تھے - ہمارے اہل علم بھی مثنوی مولانا روم
اور منطق الطیر جیسی کتابوں کے لطائف ومعارف سے ناآشنا ہو گئے جن سے دلوں کو سوز وگداز کی دولت ملتی تھی۔
خدا جزائے خیر دے ہمارے فاضل دوست مولانا قاضی سجاد حسین صاحب کو کہ انہوں نے اس صورت حالات کو محسوس کیا اور پہلے گلستاں
دیوان حافظ پھر مثنوی مولانائے روم کی طرف توجہ مبذول فرمائی - اور وقت کی ضرورت کے مطابق اسے جدید ترجمہ وتحشیہ کے زیور سے آراستہ کر کے
بہترین کتابت وطباعت کے لباس فاخرہ میں اصحاب ذوق کے سامنے پیش کیا - ہمارے سامنے اس وقت مثنوی شریف کا چوتھا
حصہ ہے (غالباً پانچواں حصہ بھی شائع ہو چکا ہے اور تین حصے اس سے پہلے منظر عام پر آچکے ہیں)
کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ ہر شعر کے نیچے سلیس وسادہ وشیریں زبان میں اس کا بامحاورہ ترجمہ درج کر دیا ہے پھر حاشیہ میں
الفاظ کے معانی اور تشریح طلب مضامین کی مختصر تشریح درج کر دی گئی ہے - اگر شعر میں کسی آیۃ قرآنی یا حدیث نبوی یا تاریخی
اشارہ ہے تو اس کی تفسیر وتوضیح بھی کر دی گئی ہے تاکہ معروف مدرسوں نے علمی دلچسپی رکھنے والوں کو کسی اور کتاب
کی ورق گردانی کی ضرورت نہ رہے اور وہ مطالعہ کے لئے زیادہ وقت نکال سکیں - اس لئے قاضی صاحب نے کوشش کی ہے کہ مثنوی کے معارف ولطائف سے دو وقت
سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکے - قاضی صاحب کا یہی انداز تحریر ان کے کام کو دوسروں کے کام سے متمیز کرتا ہے - ورنہ مثنوی پر دوسرے
بزرگ بھی کام کر چکے ہیں - کتاب باطنی ومعنوی خوبیوں کے ساتھ ساتھ ظاہری دلفریبی ورعنائی کا بھی عمدہ نمونہ ہے - بلاشبہ اس پر
کی تعبیر صادق آتی ہے - ہم قاضی صاحب کو اس علمی کارنامہ پر [illegible] مبارکباد دیتے ہیں اور ناظرین سے اس کے مطالعہ کی سفارش کرتے ہیں -

حج کمیٹی

(پارلیمنٹ کے ایکٹ نمبر ۵۱، سنہ ۱۹۵۹ء کے تحت تشکیل شدہ ادارہ)

صابو صدیق مسافرخانہ۔ لوکمانیہ تلک مارگ
بمبئی ۱-۴۰۰۰۰
فون: ۲۶۲۹۸۹ ۲
تار کا پتہ: حج کمیٹی

اعلان بنا بر حج سنہ ۱۹۷۰ء

۱۔ حج کمیٹی انتہائی مسرت کے ساتھ اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ حکومت ہند نے امسال بیس ہزار عازمین حج کو حج بیت اللہ کے لئے جانے کی اجازت دی ہے جن میں سے پندرہ ہزار حجاج بذریعہ سمندری جہاز اور پانچ ہزار حجاج بذریعہ حج کمیٹی کے چارٹرڈ ہوائی جہاز بغرض حج سعودی عرب روانہ ہوں گے۔ سمندری جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کو زیادہ سے زیادہ دو ہزار پانچ سو سعودی ریال کا زرمبادلہ جو تقریباً پانچ ہزار پانچ سو ہندوستانی روپیوں کے برابر ہے اور چارٹرڈ ہوائی جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کو دو ہزار دو سو پچاس سعودی ریال کا زرمبادلہ جو تقریباً پانچ ہزار دو سو پچاس ہندوستانی روپیوں کے برابر ہے، فراہم کیا جائے گا۔

۲۔ حج کمیٹی نے سمندری جہاز سے سفر کرنے والے پندرہ ہزار حجاج کرام کو مغل لائن لمیٹڈ کے جہازوں کے ذریعہ بھیجنے کے انتظامات کئے ہیں۔

۳۔ **پابندیاں**: حکومت ہند نے عازمین حج کے مفاد کے پیش نظر مندرجہ ذیل پابندیاں عائد کی ہیں جن کی رو سے حسب ذیل افراد کو حج پر جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

(الف) وہ افراد جو گذشتہ پانچ سال کے درمیان فریضہ حج ادا کر چکے ہیں (ب) متعدی اور دیگر شدید بیماریوں اور معذوریوں میں مبتلا افراد (ج) وہ خواتین جنہیں جہاز پر سوار ہوتے وقت بیس ہفتہ سے زیادہ کا حمل ہو۔ (د) وہ بچے جن کی عمر دو اور بارہ سال کے درمیان ہوگی (ہ) وہ عازمین حج جن کے پاس غیر ملکی زرمبادلہ ۵۰۰ سعودی ریال (جو ۵۵۴ ہندوستانی روپوں کے برابر ہو) سے کم ہوگا۔

۴۔ بمبئی۔ جدہ۔ بمبئی سفر کا واپسی کرایہ و دیگر اخراجات

کلاس	کرایہ معہ خوراک	فارن ٹریول ٹیکس	پی پی ٹی فیس	جدہ قلی و ٹرانسپورٹ	بیگیج مرکزی حسب پرمٹ فیس	ہیلتھ پرمٹ	حج ہاؤس کے لئے عطیہ	مجموعی رقم
فرسٹ کلاس	[illegible] روپے	۵۰۰ روپے ... پیسے	۲۰ روپے	۳۶ روپے	۱۰ روپے	۲ روپے	۱۰۰ روپے	[illegible] روپے ۱۵ پیسے
بچے ۱۲ سال	[illegible] پیسے	۱۲۶ روپے ۴۰ پیسے	۲۰ روپے	۳۰ روپے	۳۰ روپے	-	-	۱۲۰۰ روپے [illegible] پیسے
ڈیک کلاس	۱۹۰۰ روپے	-	۱۰ روپے	۳۶ روپے	۳۰ روپے	۳ روپے	[illegible] روپے	۲۰۲۶ روپے
بچے ۱۲ سال	۴۷۵ روپے	-	۱۰ روپے	۳۶ روپے	۳۰ روپے	-	-	۵۵۱ روپے
ایک سال سے کم عمر کے بچے	-	-	۱۰ روپے	۳۶ روپے	۳۰ روپے	-	-	۷۶ روپے

نوٹ: اس کے علاوہ بکنگ کے وقت مزید سہولیات کے لئے مندرجہ ذیل زائد رقم بمبئی میں وصول کی جائیں گی۔

فرسٹ کلاس ڈی لکس کیبن (ملحقہ غسل خانہ) (ایم۔ وی۔ اکبر اور ایم۔ وی۔ نورجہاں) ۱۱۲ روپے ۰۵ پیسے

فرسٹ کلاس (صرف نورجہاں) ۲۲۵ روپے۔

ڈورمیٹری کلاس (صرف نورجہاں میں) ۱۰۰ روپے

ایرکنڈیشنڈ بنک کلاس (صرف نورجہاں میں) ۵۰ روپے۔

مغل لائن لمیٹڈ کی جانب سے مندرجہ ذیل عارضی پروگرام موصول ہوا ہے۔

حج ۱۹۷۸ء بمبئی جدہ روانگی کا عارضی پروگرام

جہاز	بمبئی سے روانگی		جدہ میں آمد	
رمضان سے قبل				
ایم۔ وی۔ اکبر	۲۸ جولائی ۱۹۷۸ء	بروز منگل	یکم اگست ۱۹۷۸ء	بروز منگل
رمضان کے درمیان				
ایم۔ وی۔ اکبر	۱۲ اگست ۱۹۷۸ء	بروز سنیچر	۱۹ اگست ۱۹۷۸ء	بروز سنیچر
ایم۔ وی۔ نورجہاں	۱۶ اگست ۱۹۷۸ء	بروز بدھ	۲۳ اگست ۱۹۷۸ء	بروز بدھ
بعد رمضان				
ایم۔ وی۔ اکبر	۱۶ ستمبر ۱۹۷۸ء	بروز سنیچر	۲۳ ستمبر ۱۹۷۸ء	بروز سنیچر
ایم۔ وی۔ نورجہاں	۲۰ ستمبر ۱۹۷۸ء	بروز بدھ	۲۷ ستمبر ۱۹۷۸ء	بروز بدھ
ایم۔ وی۔ اکبر	۲ اکتوبر ۱۹۷۸ء	بروز پیر	۹ اکتوبر ۱۹۷۸ء	بروز پیر
ایم۔ وی۔ نورجہاں	۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء	بروز سنیچر	۱۴ اکتوبر ۱۹۷۸ء	بروز سنیچر
ایم۔ وی۔ اکبر	۱۹ اکتوبر ۱۹۷۸ء	بروز جمعرات	۲۶ اکتوبر ۱۹۷۸ء	بروز جمعرات
ایم۔ وی۔ نورجہاں	۲۴ اکتوبر ۱۹۷۸ء	بروز منگل	۳۱ اکتوبر ۱۹۷۸ء	بروز منگل

حج ۱۹۷۸ء جدہ۔ بمبئی۔ آمد کا عارضی پروگرام

جہاز	جدہ سے روانگی		بمبئی۔ آمد	
ایم۔ وی۔ اکبر	۱۸ نومبر ۱۹۷۸ء	بروز سنیچر	۲۶ نومبر ۱۹۷۸ء	بروز اتوار
ایم۔ وی۔ نورجہاں	۲۰ نومبر ۱۹۷۸ء	بروز پیر	۲۸ نومبر ۱۹۷۸ء	بروز بدھ
ایم۔ وی۔ نورجہاں	۹ دسمبر ۱۹۷۸ء	بروز سنیچر	۱۰ دسمبر [illegible]	بروز اتوار
ایم۔ وی۔ اکبر	۱۲ دسمبر ۱۹۷۸ء	بروز منگل	۲۰ دسمبر [illegible]	بروز بدھ
ایم۔ وی۔ نورجہاں	۲۶ دسمبر [illegible]	بروز [illegible]	۴ جنوری [illegible]	بروز [illegible]
ایم۔ وی۔ [illegible]	۴ جنوری ۱۹۷۹ء	[illegible]	۱۲ جنوری ۱۹۷۹ء	بروز جمعہ
ایم۔ وی۔ نورجہاں	۱۵ جنوری ۱۹۷۹ء	[illegible]	۲۳ جنوری ۱۹۷۹ء	بروز منگل
ایم۔ وی۔ اکبر	[illegible] جنوری ۱۹۷۹ء	بروز منگل	۳۱ جنوری ۱۹۷۹ء	بروز بدھ
ایم۔ وی۔ نورجہاں	۳ فروری ۱۹۷۹ء	بروز سنیچر	۱۰ فروری [illegible]	بروز سنیچر

درخواست فارم: ۱۹۷۸ء ... درخواست فارم ... بمبئی (اسسٹنٹ حج کمیٹی) کے دفاتر سے ... جاتے ہیں۔ حج کمیٹی نے کسی فرد، کمپنی، ادارہ یا ایسوسی ایشن کو درخواست فارم تقسیم کرنے ... یا اس کو جمع کرنے کا اختیار نہیں ... درخواستیں مکمل صورت میں براہ راست حج کمیٹی بمبئی کے دفتر ... بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک ... جون ۱۹۷۸ء تک روانہ کر دیں۔ دستی درخواستیں قطعی نا قابل قبول ہیں۔ ۱۰ جون ۱۹۷۸ء کے بعد ... کوئی درخواست قبول نہیں کی جائے گی۔

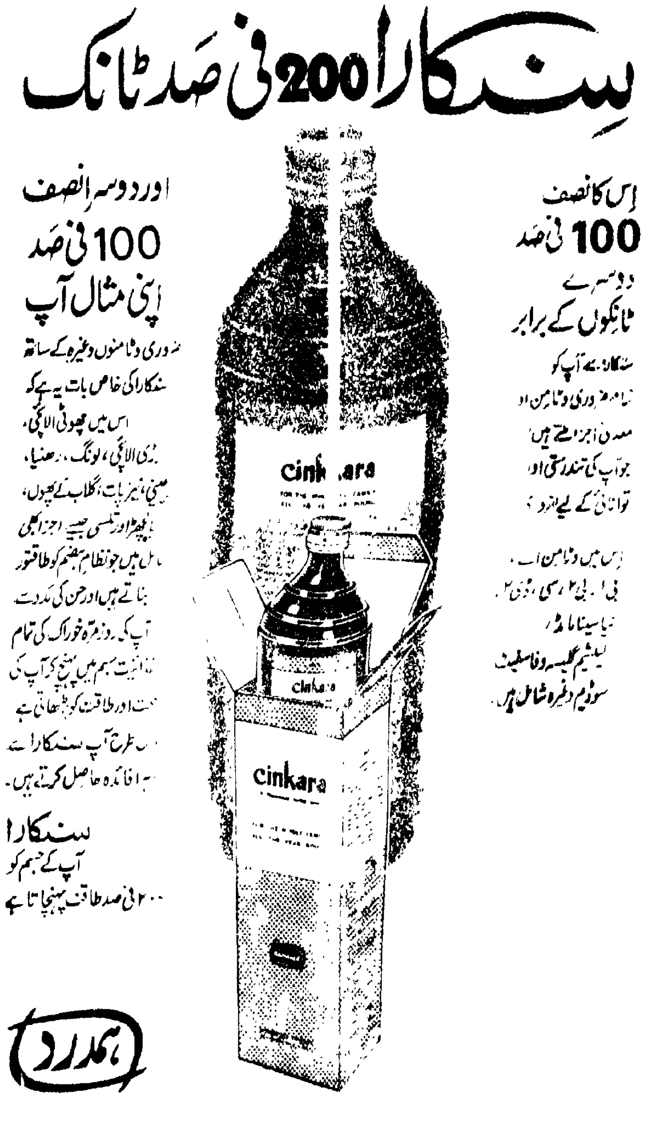
حج کمیٹی کے چارٹرڈ ہوائی جہاز کا پروگرام، کرایہ ... اور دیگر معلومات کے اعلان کا انتظار کیجیے۔

ایگزیکٹیو آفیسر حج کمیٹی۔ صابو صدیق مسافر خانہ

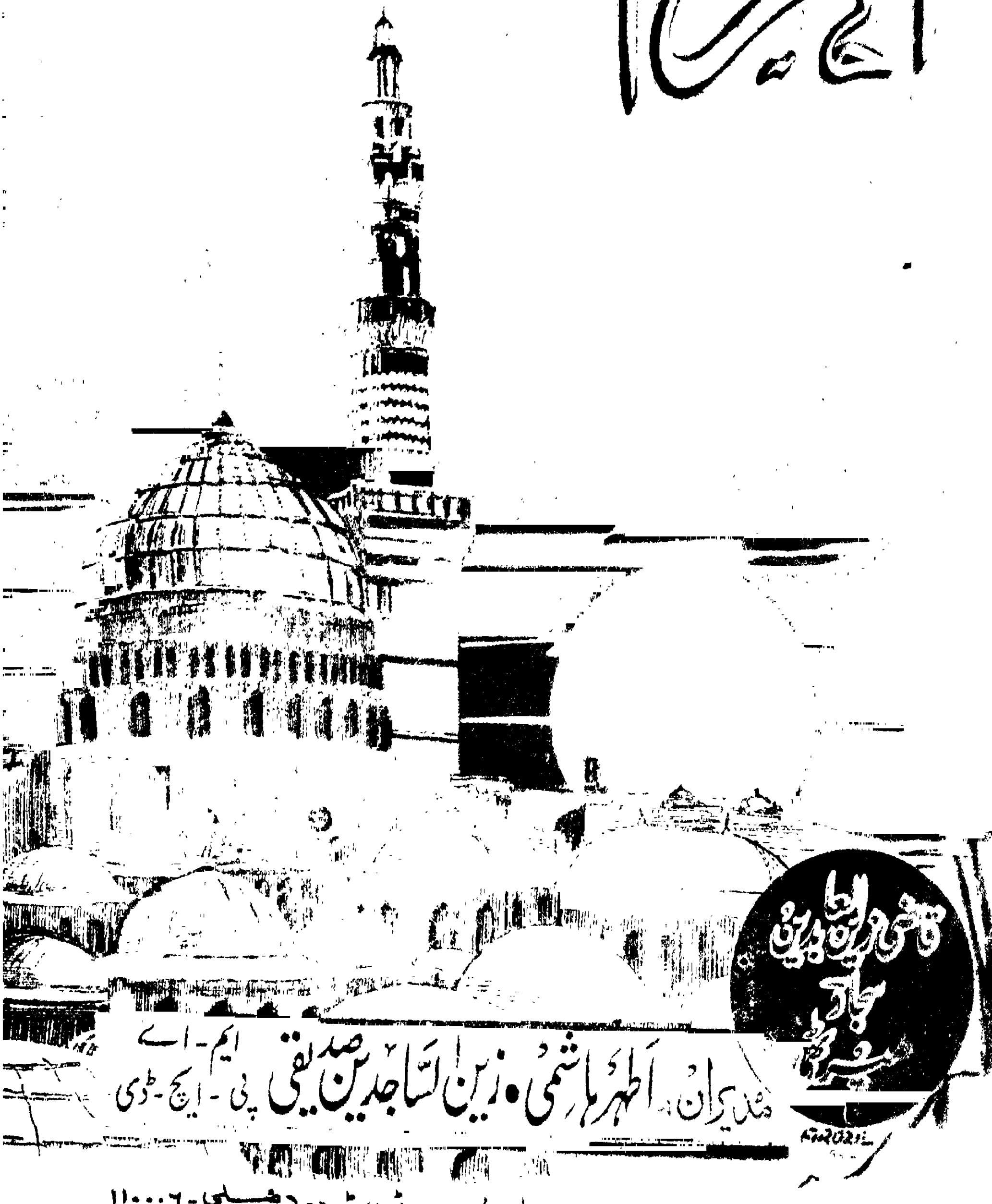
لوکمانیہ تلک مارگ۔ بمبئی نمبر ۴۰۰۰۰۱

یکم مئی ۱۹۷۸ء

APRIL & MAY. 1978 ALHARUM DELHI REGD No D(D) 704
REGISTERED WITH THE REGISTRAR OF NEWS PAPERS
No. R' N. 28987/77



الحرم



مدیران: اطہر ہاشمی ایم - اے • زین الساجدین صدیقی پی - ایچ - ڈی

دفتر :- ۲۱۱- قاسم جان اسٹریٹ - دہلی - ۱۱۰۰۰۶

تبلیغی ماہنامہ — علمی دینی و

الحرم

مدیر اعلیٰ
قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

مدیران
اطہر ہاشمی بی اے علیگ
قاضی زین الساجدین صدیقی
ایم اے پی۔ ایچ۔ ڈی

چندہ سالانہ
ہندوستان سے بارہ روپے
پاکستان سے بیس ″
بنگلہ دیش سے چودہ ″
چندہ ششماہی ہندوستان سات ″
فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۱۲ | جولائی ۱۹۷۸ء مطابق شعبان المکرم ۱۳۹۸ھ | نمبر ۶

گزارش: (۱) ازراہ کرم چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ بذریعہ دی پی طلب کرنے میں ... روپے مزید خرچ ہوں گے (۲) اپنا پتہ صاف انگریزی اور اردو میں منی آرڈر کے کوپن پر لکھیں اور نمبر خریداری بھی لکھیں (۳) ایڈیٹر سے متعلق ہر قسم کی خط وکتابت سب آفس میرٹھ کے پتہ پر کریں

جنرل منیجر: زین الراشدین (بی۔ کام)

آفس - ۲۱۱۷ قاسم جان۔ اسٹریٹ۔ دہلی۔ ۶۔ سب آفس۔ قاضی اسٹریٹ میرٹھ

باسمہ تعالیٰ شانہ

ازمدیر

نقوش اولین

دارالعلوم دیوبند کا نمائندہ اجتماع :-

فضلاء دارالعلوم دیوبند کا نمائندہ اجتماع ، ۲۲ ، ۲۳ جون ۱۹۷۰ء کو دارالعلوم کے وسیع ہال میں منعقد ہوا ، ہندوستان کے طول و عرض سے آنے والے تقریباً ایک سو منتخب فضلاء و ہمدردان دارالعلوم نے اس میں شرکت فرمائی ۔ اجلاس کی چار نشستیں علی الترتیب ، حضرت مولانا فخرالحسن صدر المدرسین دارالعلوم ، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی ، خاکسار راقم الحروف (زین العابدین میرٹھی) اور حضرت مولانا حامد الانصاری غازی کی زیر صدارت ہوئیں ۔

تلاوت کلام مجید کے بعد پہلے صاحبزادہ مولانا محمد سالم قاسمی نے اجتماع کے مقاصد پر روشنی ڈالی اور معزز مہمانوں کا خیر مقدم کیا پھر جناب غازی صاحب ناظم اعلیٰ اجلاس صد سالہ نے اب تک کی کارکردگی کی تفصیل بیان کی اور آئندہ کے متعلق پروگرام کا اعلان کیا ۔ اس کے بعد مختلف صوبوں کے نمائندہ اصحاب نے اپنی تقاریر میں اجلاس کی کامیابی کے سلسلہ میں اپنے گراں قدر مشوروں اور تجاویز سے مستفید فرمایا ۔ یہ نشست نصف شب کے بعد ختم ہوئی ۔

دوسرے روز صبح کو پھر نشست ہوئی رات کے جلسہ کی تقریروں اور تجویزوں کی روشنی میں ایک مجموعہ تجاویز تیاری کمیٹی اجلاس صد سالہ نے مرتب کر لیا تھا ۔ کام کو مختصر کرنے کے لئے اسے صدر جلسہ (خاکسار) کی طرف سے مولانا محمد سالم صاحب نے پیش فرمایا اور اجلاس نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس کی منظوری دی ۔ تجاویز کا خلاصہ یہ ہے :-

" دارالعلوم کا مجوزہ اجلاس صد سالہ انشاء اللہ تعالیٰ مارچ ۱۹۷۸ء میں ضرور منعقد ہوگا اس کی حیثیت تاریخ دارالعلوم میں سنگ میل کی ہوگی اور اس کے ذریعہ [illegible] نمایاں علمی و دینی و ملی خدمات کا ملک و بیرون ملک میں صحیح تعارف ہوگا بلکہ گراں مایہ علمی و دینی خدمات [illegible] کھلیں گے ۔

اس اجلاس کے موقعہ پر ، دارالعلوم کی مستند تاریخ اور اس کے تعارف اور خدمات پر مشتمل مختلف زبانوں میں لٹریچر پیش کیا جائے گا ۔ تعلیم و تدریس کے معیار کو بلند کرنے کے لئے ، مختلف فنون میں تخصیص کے جدید درجے کھولے جائیں گے اور اساتذہ و مبلغین کی تربیت کا بھی انتظام کیا جائے گا علمی و دینی موضوعات پر تصنیف و تالیف کا ایک وسیع اور جامع نظام جاری کیا جائے گا ۔

مرکزی تیاری کمیٹی کے دائرہ کو وسیع کیا جائے گا ، مختلف ریاستوں میں نمائندہ اجتماعات منعقد کرکے ، ریاستی سطح پر ذمہ دار کمیٹیاں بنائی جائیں گی جو اپنے اپنے مقامات پر مرکزی دفتر کی زیر نگرانی کاموں کو منظم طور پر آگے بڑھائیں گی اور فراہمی سرمایہ کا کام بھی انجام دیں گی ۔

جلسہ، حضرت مولانا نصیر احمد صاحب نائب مہتمم کی دعا پر بڑے جوش و خروش کی فضا میں ختم ہوا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان عزائم کو کامیاب بنائے۔ فضلاء دار العلوم میں خدمت دین و ملت کا نیا جوش اور جذبہ اس اجلاس سے پیدا ہو اور دار العلوم کی افادیت و عظمت و شہرت کا دائرہ وسیع تر ہو۔

کیا یہ کانفرنسیں بدعت ہیں؟

ایک دینی رسالہ کے سرپرست اور ایک ہفتہ وار کے سابق مدیر لکھتے ہیں "آجکل عام طور پر جس قسم کی کانفرنسوں کا رواج ہے دور اول میں اس کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ یہ تمام تر بدعت ہے اور اسی لئے برکت و افادیت سے بالکل خالی۔ دور اول میں جمعہ اور عیدین اور حج کے اجتماعات کو اسلامی اجتماع کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اس کے علاوہ جو بھی ہوتی تھی وہ ذکر و نصیحت کی مختصر غیر رسمی مجلسیں تھیں۔ نہ کہ علاقے پنڈالوں کی عظیم الشان کانفرنسیں (الرسالہ جولائی ۷۶ء)

جہاں تک پنڈالوں کی غیر ضروری سجاوٹ اور ہنگامہ کا تعلق ہے، ہم بھی صاحب مضمون سے متفق ہیں۔ مگر کانفرنسوں اور جلسوں کے اجتماعات کو بدعت قرار دینا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ دراصل بدعت کا تعلق "مقاصد دین" سے ہے جو چیزیں وسائل اور ذرائع سے تعلق رکھتی ہیں جب تک ان میں کوئی صراحتًہ ناجائز بات نہ ہو محض اس لئے ان کو بدعت قرار دینا کہ دور رسالت میں ان کا رواج نہ تھا صحیح نہیں۔ بہت سی باتیں تمدن و معاشرت کے ارتقاء کے ساتھ بدلتی بدلتی رہتی ہیں۔ اگر یہ کانفرنسیں اور جلسے اس لئے بدعت ہیں کہ عہد نبوی میں ان کا وجود نہ تھا تو یہ اخبارات اور رسائل اور مجلات کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے اور کیا یہ سہ رنگی اور دو رنگی آفسیٹ پر چھپی ہوئی، مصور مزین کتابیں شائع کرکے آپ کے زمانہ میں تبلیغ اسلام کی جاتی تھی؟ دراصل غلو فی الدین سے بھی دین کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔

"مکمل عورت" کون ہے؟

ایک امریکن خاتون مسز مارگن جو دو بچوں کی ماں ہیں۔ انہوں نے حال ہی میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا نام ہے "مکمل عورت" (TOTAL WOMAN)

اس کتاب میں انہوں نے اپنی امریکی بہنوں کو خوش گوار ازدواجی زندگی کے لئے یہ سادہ گر بتایا ہے "اپنے شوہر کی اچھی رفیق بنو۔ اس کو ملامت کرنا چھوڑ دو اس کی ضرورتوں کو سمجھو۔

یہ کتاب ایک سال سے بھی کم عرصہ میں تین ملین کی تعداد میں فروخت ہو چکی ہے موصوفہ کے نزدیک مرد کی رفیقہ بننا عورت کی تکمیل ہے نہ کہ آزادانہ زندگی کی مالک بننا" (ٹائمس آف انڈیا ۸ فروری ۱۹۷۶ء بحوالہ الرسالہ)

دراصل کسی چیز کی تکمیل یہ ہے کہ وہ اس مقصد کو پورا کرنے کی صلاحیت پیدا کرے جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے اناج کی تکمیل یہ ہے کہ وہ پک کر کھانے کے قابل ہو جائے گھاس کی تکمیل یہ ہے کہ وہ ریزہ ریزہ ہو کر جانوروں کے لئے قابل استعمال بن جائے۔ آگ کی تکمیل یہ ہے کہ وہ جلا کر خاک کر سکے اور برف کی تکمیل یہ ہے کہ وہ اس درجہ ٹھنڈا ہو کہ دوسرے کو ٹھنڈا کر سکے۔ ہر چیز کی تکمیل کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔

ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی تکمیل کی ان الفاظ میں تصویر کشی فرمائی ہے بہترین عورت وہ ہے کہ جب شوہر اسے دیکھے تو خوش ہو جائے اور جب کسی بات کو کہے تو اس کی بات مانے اور اپنی ذات اور اپنے مال کے معاملہ میں وہ کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کرے جسے وہ پسند نہ کرتا ہو۔ (نسائی و مشکوٰۃ)

اب بتایئے، رحمت عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے وحی الٰہی کی روشنی میں ۱۴ سو برس پہلے جو کچھ فرمایا تھا، نئی دنیا کی اس فاضل عورت نے ہزار ہا تجربوں کے بعد کیا اس پر کچھ اضافہ کیا ہے؟

حضرت شیخ الحدیث کی صحت:-

اس اطلاع سے افسوس ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم، مہاجر مدنی، ضعف ونقاہت کی زیادتی کی وجہ سے امسال رمضان المبارک میں سہارنپور تشریف نہ لا سکیں گے۔ اور یہ ماہ مبارک مدینہ منورہ ہی کی مقدس فضاؤں میں گذاریں گے۔ حضرت ممدوح کی طرف سے جملہ احباب ومتوسلین سے صحت وعافیت کی دعا کی درخواست کی گئی ہے اور اس خواہش کا اظہار بھی فرمایا گیا ہے کہ عیادت اور تفتیش حالات کے لئے حضرت کو خطوط نہ لکھے جائیں اور جواب کی زحمت نہ دی جائے (الجمعیۃ ۸ جولائی ۱۹۷۸ء)

حضرت شیخ الحدیث اس وقت آیۃ من آیات اللہ ہیں۔ ایک طرف آپ کا علمی پایہ اس قدر بلند ہے کہ مصر وشام وحجاز کے مصنفین آپ کے افادات اپنی علمی تصنیفات میں نقل کرتے ہیں دوسری طرف آپ کی عملی حیثیت اس قدر عظیم ہے کہ بڑے بڑے ارباب سلوک ومعرفت آپ کے حلقہ میں مودبانہ بیٹھتے ہیں آپ کی روزانہ کی مجلس کو دیکھکر جس میں ہزاروں علماء وصلحاء خواص وعوام غذائے روحانی حاصل کرتے ہیں، حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رح کی مجلس یاد آتی ہے اور آپ کا وسیع دسترخوان دیکھکر جس پر شاہ وگدا اور امیر وفقیر سب ہی ایک ساتھ بیٹھکر الوان نعمت سے شاد کام ہوتے ہیں، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ کے دسترخوان کا منظر نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تادیر آپ کا سایہ سب مسلمانوں پر قائم رکھے اور سب کو آپ کی برکات سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دے اس عاجز پر حضرت کی جو نظر کرم ہے اس کا ہر ہر موئے بدن شکر گذار ہے

معارف القرآن

—— قاضی زین العابدین

فلاحِ کامل حاصل کرنیوالے کون ہیں؟ اُن کی خصوصیات واوصاف

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حَافِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا
مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝
وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؛-

ترجمہ :- بے شک فلاح پاگئے وہ ایمان والے جو اپنی نمازیں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں اور جو لغو باتوں سے منھ پھیر لیتے ہیں اور جو زکوٰۃ کا عمل اختیار کرتے ہیں (اور اس کو برابر ادا کرتے رہتے ہیں) اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے سو اُن کے معاملوں میں) وہ ملامت سے بری ہیں۔ لیکن جو ان کے سوا اوروں کے طلبگار ہوں تو وہی حدِ شریعت سے تجاوز کرنے والے ہیں۔ اور وہ ایمان والے جو اپنی امانتوں اور اپنے قول وقرار کا پاس کرتے ہیں اور وہ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو وارث ہونے والے ہیں جو جنت الفردوس کے وارث ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر :- ان آیات میں انسان کی دائمی ولازمی، انتہائی ومکمل کامیابی وکامرانی کی شرائط بیان فرمائی گئی ہیں۔ جو نیک بخت ان شرائط کو پورا کریں گے دنیا اور آخرت کی اعلیٰ کامیابی ان کو حاصل ہوگی اور سعادت ونجات کے خزانوں کی کنجیاں ان کے ہاتھوں میں دیدی جائیں گی۔ ان کی کوئی آرزو ایسی نہ ہوگی جو پوری نہ ہو اور کوئی خواہش ایسی نہ ہوگی جس کی تکمیل نہ ہو۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ فلاح وسعادت ان کو حاصل ہو ہی گئی۔ (قد افلح کا مفہوم یہی ہے)

اس انتہائی کامیابی اور دائمی سعادت کے حصول کی پہلی شرط تو "ایمان" ہے۔ جب تک اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ ہو کوئی نیک عمل فائدہ نہیں پہنچا سکتا بعض بھلے کام عارضی طور پر دنیا میں تھوڑا بہت فائدہ پہنچا دیتے ہیں، مگر مستقل اور بھرپور فائدہ جو آخرت کا ثواب ہے کافر کو حاصل نہیں ہوتا۔ "کافر" کی حیثیت قانون خداوندی میں "باغی" کی سی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم نہیں کرتا اور اس کے قانون کو نہیں مانتا۔ ظاہر ہے کہ دنیوی حکومتیں بھی بڑے سے بڑا جرم معاف کر دیتی ہیں مگر جرم بغاوت کو معاف نہیں کرتیں اور باغی کی تمام خوبیاں ..... اور اس کی عمدہ صفات یکسر نظرانداز کر دی جاتی ہیں۔ اس کی ذاتی خوبیاں صرف اتنا فائدہ پہنچا دیتی ہیں کہ اس کو جیل میں کچھ سامان آسائش عارضی طور پر مہیا کر دیا جائے مگر انجام اس کا آخر پھانسی کا پھندا ہی ہوتا ہے۔

بہرحال بنیادی شرط تو یہی ایمان ہے، چنانچہ فرمایا گیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْن بے شک فلاح وسعادت ابدی پا گئے ایمان والے"

دوسری شرط یہ ہے کہ وہ اپنی نمازیں خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کرتے ہوں۔ نماز کی شریعت اسلامی میں بڑی اہمیت ہے وہ نظام اسلامی کا بنیادی ستون ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ بندہ نماز کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے مستقل طور پر اپنا تعلق قائم رکھتا ہے وہ دن رات میں پانچ وقت بارگاہ خداوندی میں سر نیاز جھکاتا ہے اور اپنی زبان اور اپنے اعضاء وجوارح سے اپنی بندگی، بے چارگی، نیازمندی اور عاجزی کا اقرار واظہار کرتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ اگر دل سے نہ ہو محض اعضاء ظاہری سے ہو، تو اس سے اللہ تعالیٰ سے تعلق وربط کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا اس لئے، فلاح حاصل کرنے کے لئے، نماز میں خشوع کی قید لگائی گئی۔ خشوع کے معنی ہیں۔ عاجزی، فروتنی، انکسار وخاکساری (قاموس) تمام جسم کے اعضاء اس صفت سے موصوف ہو سکتے ہیں اور قرآن کریم میں ان کا استعمال بھی ہوا ہے، مگر جب اسے عام استعمال کیا جائے اور کسی خاص عضو کی صفت اسے قرار نہ دیا جائے تو پھر وہاں "خشوع قلب" ہی مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ "قلب" جسم انسانی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے کہ جو کیفیت اس پر طاری ہوتی ہے تمام اعضاء پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ اگر دل میں آدمی کے خشوع کی کیفیت پیدا ہو جائے تو ہاتھ، پاؤں، سر، نگاہ سب ہی خاشع بن جائیں گے۔ ہاتھ ادب کے ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے، پاؤں اپنی جگہ جمے ہوئے ہوں گے سر خم ہوگا نگاہیں پست ہوں گی۔ اور عاجزی، انکسار اور خوف کی کیفیت ان سب پر طاری ہوگی۔ اسی لئے حضرت علیؓ سے حافظ ابن کثیر نے نقل کیا ہے کہ الخشوع خشوع القلب (خشوع سے یہاں دل کا خشوع مراد ہے) اور حضرت حسن بصریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ صحابہ کرام کا خشوع ان کے دلوں سے تعلق رکھتا تھا اور اس کے نتیجہ میں ان کی نگاہیں نیچی ہوتی تھیں اور ان کے بازو پست۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خشوع کی کیفیت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کسی کا خوف اور عظمت دل میں ہو۔ اسی لئے حضرت ابن عباسؓ سے خاشعون کے معنی "خائفون ساکنون" ڈرنے والے اور بے حس وحرکت بن جانے والے نقل کئے گئے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ صفحہ ۲۳۰)

اور کسی بڑے کے خوف وعظمت کا پورا احساس اسی وقت ہو سکتا ہے جب یہ احساس ہو کہ وہ ہمارے سامنے ہے اور ہمارے عمل کو دیکھ رہا ہے۔ اسی چیز کو حدیث شریف میں احسانی کیفیت سے تعبیر کیا گیا ہے اور فرمایا گیا ہے الاحسان اَن تعبدَ الله کانَّکَ تَرَاهُ فَاِن لَّم تَکُن تَرَاهُ فَانَّہٗ یَرَاکَ (احسان یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا کہ تم اسے

دیکھ رہے ہو سو اگر تم اس کو نہیں بھی دیکھتے ہو تو وہ تو تم کو دیکھ رہا ہے) یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرام پر نماز میں ایسی حضوری اور خشیت کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی کہ خنجران کے جسم میں پیوست کر دیئے جاتے تھے مگر ان کے قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلتے تھے بلکہ ان کو اس کا احساس بھی نہ ہوتا تھا جیسا کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے واقعات سے ثابت ہے۔

الغرض، فلاح و نجات کا انتہائی درجہ حاصل کرنے کی دوسری شرط یہ ہے کہ نمازیں اس طرح ادا کی جائیں کہ ان میں خشوع قلبی کی مذکورہ بالا کیفیات ہوں، چنانچہ فرمایا گیا الذین ھم فی صلاتھم خاشعون (اور جو اپنی نماز میں خشوع اختیار ہیں۔

اس سلسلہ کی تیسری شرط یہ ہے کہ وہ لغو باتوں اور کاموں سے بچنے والے اور ان سے منہ پھیرنے والے ہوں" "لغو" کے معنی ہیں، "بیہودہ، فضول اور بیکار" یہ ماخوذ ہے لغا سے جس کے معنی ہیں چڑیوں کی بے معنی آواز کے، پھر ہر اس چیز پر جس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو "لغو" کا اطلاق کیا جانے لگا۔ خواہ وہ قول ہو یا فعل۔ یہ لغوی تشریح ہوئی۔ حافظ ابن کثیر نے اس کی تفسیر "باطل" اور "معصیت" سے کی ہے۔

بہرحال، فلاح کے طلبگار کے لئے ضروری ہے کہ فضول کاموں اور بے ہودہ مشغلوں سے اپنے آپ کو بچائے رکھے خصوصاً گناہ اور معصیت کی باتوں اور کاموں سے بھاگے، اسے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت اور فرائض و واجبات شریعت کے ادا کرنے سے اتنی فرصت ہی نہ ملے کہ ان جھگڑوں میں پڑے اور اگر کبھی اتفاقاً ایسی مجلسوں کی طرف گزر ہو جائے تو دامن بچائے اور کترا کر نکل جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ "آدمی کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ فضول باتوں کو ترک کر دے"

دراصل یہ شرط، آخروی فلاح ہی کی نہیں ہے، دنیوی فلاح کے لئے بھی ضروری ہے۔

دنیوی کامیابی بھی وہی لوگ حاصل کر سکتے ہیں جو اپنے وقت کو ضائع نہیں ہونے دیتے اور اسے ضروری کاموں میں خرچ کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل بڑے بڑے تاجر، سیاستداں مصنف، سب ہی وقت کو فضول ضائع کرنے سے بچتے ہیں۔ اور اسے جواہرات سے زیادہ قیمتی سمجھتے ہیں۔

چوتھی شرط فلاح حاصل کرنے کی یہ بتائی گئی کہ وہ زکوٰۃ کا فریضہ انجام دیتے ہوں"۔ "زکوٰۃ" کے معنی پاکیزگی، طہارت اور زیادتی اور افزونی کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں مال کا وہ حصہ ہے جسے صاحب نصاب شریعت کے حکم کے مطابق راہ خدا میں نکالتا ہے۔ اسے "زکوٰۃ" اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ مالدار کے مال میں زیادتی اور پاکیزگی پیدا کرتی ہے نیز صاحب مال کے اخلاق و اوصاف میں جلاء اور اس کے درجات میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

یہاں قرآن کریم میں ھم للزکوٰۃ فاعلون (وہ زکوٰۃ کا عمل اختیار کرتے ہوں) فرمایا گیا ھم یؤدون الزکوٰۃ (وہ زکوٰۃ ادا کرتے ہوں) نہیں فرمایا گیا۔ اس انداز بیان کی وجہ سے بعض علماء نے یہاں زکوٰۃ کو لغوی معنی میں لے کر اس سے نفس کا تزکیہ اور اس کی پاکیزگی اور طہارت مراد لی ہے۔ یعنی وہ لوگ اپنے نفس کو گناہوں سے پاک و صاف رکھتے ہوں اور اخلاق ذمیمہ اور عادات سیئہ سے آلودہ نہ ہونے دیتے ہوں۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا گیا قد افلح من زکھا (اس شخص نے فلاح پالی جس نے اپنے نفس کو نکھارا) مگر بعض دوسرے علماء نے اس سے زکوٰۃ اصطلاحی ہی مراد لی ہے۔ اور فاعلون کی رعایت رکھتے ہوئے مطلب یہ لیا ہے کہ وہ لوگ حکم شریعت کے مطابق پابندی کے ساتھ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اس فریضہ کو

باقاعدگی کے ساتھ اس کے شرائط اور آداب کا لحاظ رکھتے ہوئے انجام دیتے ہیں"

حافظ ابن کثیرؒ نے دونوں اقوال بیان کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دونوں باتیں مراد ہوں تزکیہ نفس بھی اور زکوٰۃ مالی بھی کیونکہ زکوٰۃ مال بھی درحقیقت تزکیہ نفس ہی کی ایک قسم ہے اور مومن کامل (اور فلاح کامل کا مستحق) وہی ہے جو نفس کو شرک اور ہر قسم کی کدورت سے پاک وصاف رکھے اور اپنے مال کی زکوٰۃ بھی ادا کرے۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۲۳۹)

پانچویں شرط فلاح حاصل کرنے کی یہ فرمائی گئی کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہوں اور سوائے اپنی بیویوں اور باندیوں کے کسی پر ان کو استعمال نہ کرتے ہوں۔ اسلامی معاشرہ میں پاکدامنی اور عفت کی بڑی اہمیت ہے۔ اسی سے نسل و نسب کا تحفظ ہوتا ہے اور خاندانی نظام قائم رہتا ہے۔ آج مغربی معاشرہ میں اس بندھن کے ٹوٹ جانے کی وجہ سے خاندانی زندگی [illegible] ہو چکی ہے اور دولت کی [illegible] کے باوجود دماغ کا سکون اور دل کا چین رخصت ہو چکا ہے۔ والدین کی شفقت اولاد کی محبت اور رشتوں [illegible] اخلاص وارتباط بالکل عنقا ہو چکا ہے۔ نہ کوئی زندگی میں خبر لینے والا ہے نہ مرنے کے بعد یاد کرنے والا۔ یہ سب جنسی بے راہ روی کا نتیجہ ہے۔ اسی لئے یہاں اس کی اہمیت پر زور دینے کے لئے فرمایا گیا۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَاءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ جو لوگ اپنی منکوحہ بیویوں اور ملکیت میں آئی ہوئی باندیوں کے علاوہ خواہش نفسانی کی تکمیل کے لئے دوسری راہیں تلاش کرتے ہیں وہ حدود شریعت سے تجاوز کرتے ہیں اور اپنے معاشرہ پر [illegible] اس میں زنا کے علاوہ متعہ اور لواطت وغیرہ فعل بھی آگئے۔

چھٹی شرط یہ بیان فرمائی گئی کہ وہ لوگ اپنی امانتوں اور اپنے قول وقرار اور عہد و پیمان کا پاس کرتے ہوں۔ "امانت" کے معنی ذمہ داری کے ہیں۔ اس میں تمام وہ ذمہ داریاں آگئیں جو اللہ تعالیٰ یا اسلامی [illegible] کسی شخص پر اپنی ذات کی، اپنے خاندان کی یا اپنے ملک وملت کی ڈالی گئی ہیں۔ [illegible] متعلق جو ذمہ داریاں ہیں وہ تو اصل اصول [illegible] ایمان [illegible] ان تمام ذمہ داریوں کو پورا کرنا اور [illegible] اپنی جگہ ادا کرنا فلاح کی اہم شرط ہے۔ قول [illegible] پیمان اگر وہ کسی ناجائز کام کے لئے نہ ہوں [illegible] اور اس کی تکمیل بھی فلاح کی شرط ہے۔

ان دونوں باتوں پر اسلام نے اس قدر زور دیا ہے [illegible] ایمان ہی کی بنیاد قرار دیدیا گیا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَّا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَهْدَ لَهٗ (جس شخص میں امانت [illegible] نہیں اس میں ایمان ہی نہیں اور جس میں وعدہ کا پاس نہیں اس میں دین ہی نہیں) (مشکوٰۃ)

ساتویں اور آخری شرط فلاح کامل کے حصول کی یہ بتائی گئی کہ وہ "اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہوں" نماز کی حفاظت سے مطلب یہ ہے کہ وہ اس کے اوقات کا خیال رکھتے ہوں اس کے شرائط و آداب کا لحاظ رکھتے ہوں [illegible] اور عادی طور پر بے پرواہی کے ساتھ، دوڑ جھپٹ میں نہ ادا کر لیتے ہوں۔ گویا یہاں نماز کے ظاہری اعمال وافعال [illegible] و اعتدال و صحت کے ساتھ ادا کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی اور دوسری شرط میں (جو در اصل ایمان کی شرط [illegible] کے بعد پہلی ہی شرط تھی) باطنی خوبیاں اور قلبی کیفیات پیدا کرنے کی طرف متوجہ فرمایا گیا تھا۔

حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ چونکہ نماز اسلامی شریعت میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے اور (اعمال دینی میں سب سے افضل اور اہم ہے) اس لئے فلاح ونجات کی صفات حمیدہ کو شروع بھی نماز ہی سے فرمایا گیا اور ختم بھی نماز [illegible]

(بقیہ صفحہ [illegible])

از قاضی زین العابدین

لطائف الحدیث

نفاق اور دورخاپن

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ (البقرۃ ۲۶)

(اور یہ منافق) جب ایمان والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی تو ایمان لا چکے ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تو تمھارے ساتھ ہیں۔ ہم تو (مسلمان بن کر مسلمانوں سے) بس مذاق کرتے ہیں۔

موجودہ سوسائٹی کی ایک عام برائی دورخاپن ہے۔ حدیث میں دورخے کو "ذوالوجہین" کہا گیا ہے۔ دو چہروں والا۔ یہ وہ ... ہیں ... موقعہ، جہاں جیسی مصلحت دیکھی ویسی بات کہدیتے ہیں۔ دوسروں کو بے وقوف بناتے ہیں اور اپنا ... کرتے ہیں دو مختلف فریق ایسے آدمی کو اپنا سمجھتے ہیں مگر وہ صرف اپنی ذات کا ہوتا ہے ... نہیں ہوا ہمارے ... میں یہ برائی مغربی سیاست کی پیداوار ہے۔ عوام میں قبول عام حاصل کرنے کے لئے سیاسی لوگ یہ ... اختیار کرتے ہیں۔ مگر افسوس کہ اب مذہبی طبقہ میں بھی یہ برائی پھیلتی جاتی ہے اور بڑے بڑے حاجی اور مولوی اس ... ہیں۔ یہ ... میں دھوکہ بازی ہے۔ مگر آج کل اسے "ٹیکٹ" کہا جاتا ہے اور ... سمجھا جاتا ہے۔

اسلام کے ابتدائی زمانہ میں ایک گروہ منافقین کا تھا۔ مسلمانوں میں مسلمان اور کافروں میں کافر بن جاتا تھا۔ اور مسلمانوں ... بنا ہوا تھا۔ یہ طبقہ یعنی منافقین اعتقادی تو اب کالعدم ہے مگر ان کے ہم صفت لوگ اب بھی موجود ہیں جنہیں ... کہا جائے گا۔ منافقین تو پرلے درجہ کے کافر تھے، جو دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوں گے مگر حدیث میں دورخے لوگوں ... انسان قرار دیا گیا ہے جو دوسروں کو دھوکہ دیکر بلکہ نقصان پہنچا کر خود فائدہ اٹھاتے ہیں۔

... سے بڑا دورخا

عن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم تجدون شر الناس يوم القيامة ذا الوجهين الذي يأتي هؤلاء بوجه وهؤلاء بوجه (متفق عليه - مشکوٰۃ باب حفظ اللسان)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم قیامت کے دن سب سے زیادہ بری حالت میں دورخے آدمی کو پاؤ گے جو ان لوگوں کے پاس ایک چہرہ سے کر آتا ہے اور ان لوگوں کے پاس دوسرا چہرہ (اور دونوں سے ان کی مرضی کی باتیں

پہنچا دینا مقصد حاصل کرتا ہے ۔ (بخاری و مسلم ۔ مشکوٰۃ ۔ باب حفظ اللسان)

منافق کی آگ کی دو زبانیں :-

۲۔ عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ ذَا وَجْھَیْنِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ (رَوَاہُ الدَّارِمِیُّ ۔ مشکوٰۃ باب حفظ اللسان)

حضرت عمار بن یاسر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں دو رخا ہوگا قیامت کے دن اس کی دو آگ کی زبانیں ہوں گی ۔ (دارمی ۔ مشکوٰۃ ۔ بحوالہ مذکور)

تشریح :- یعنی اس کا عذاب اس کے عمل کے مشابہ ہوگا ۔ جس طرح وہ دنیا میں دو زبانوں سے بات کرتا تھا ، یعنی دو طرح کی باتیں کرتا تھا ، اسی طرح دوزخ میں اس کی دو زبانیں ہوں گی مگر آگ کی بنی ہوئی ۔

۳۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ کَالشَّاۃِ الْعَائِرَۃِ بَیْنَ الْغَنَمَیْنِ تَعِیْرُ اِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّۃً وَّاِلٰی ھٰذِہٖ مَرَّۃً (رَوَاہُ مسلم ۔ مشکوٰۃ)

حضرت ابن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو بکریوں کے دو ریوڑوں کے بیچ میں بھاگی بھاگی پھرتی ہے ۔ کبھی اس کی طرف بھاگتی ہے اور کبھی اس کی طرف (مسلم ۔ مشکوٰۃ)

تشریح :- مقصد یہ ہے کہ منافق (دو رخا) بھی دو گروہوں کے درمیان بھاگا بھاگا پھرتا ہے ۔ وقتی طور پر جس طرف فائدہ کی امید دیکھتا ہے اسی گروہ میں شامل ہو جاتا ہے ۔ مگر وہ بے حفاظت بکری کی طرح ہر وقت خطرہ رہتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اس مرض سے محفوظ رکھے اور دوزخ کے اس عذاب سے بچائے ۔

(بقیہ صفحہ ۸ کا) چنانچہ فرمایا گیا وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ۔ اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں ۔

فلاح کامل اور سعادت دائمی کی ان شرائط کے بیان کے بعد اس فلاح و سعادت کی تشریح فرمائی گئی کہ یہی لوگ جو ان شرائط کو پورا کریں گے اور ان اوصاف حمیدہ سے متصف ہوں گے جنت الفردوس کے وارث ہوں گے ۔ پھر یہ نہیں کہ دنیا کی وراثت کی طرح یہ وراثت عارضی اور چند روزہ ہو اور ان کے بعد دوسروں کی طرف منتقل ہو جائے بلکہ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے اور ابدالآباد تک اس سے لطف اندوز اور شادکام ہوتے رہیں گے ۔

جنت الفردوس جنت کا اعلیٰ درجہ ہے ۔ صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا " جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرو تو فردوس مانگو کیونکہ وہ جنت کا اعلیٰ اور بیچ کا درجہ ہے ۔ وہیں سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں اور اس کے اوپر بس عرش خداوندی ہے ۔ "

وَفَّقَنَا اللّٰہُ وَاِیَّاکُمْ لِلْخَیْرِ وَالطَّاعَاتِ وَالْفَوْزِ بِالْفَلَاحِ وَالسَّعَادَاتِ بِوَسِیْلَۃِ سَیِّدِ الْمَوْجُوْدَاتِ وَاَفْضَلِ الْمَخْلُوْقَاتِ عَلَیْہِ الصَّلَوٰاتُ وَالتَّحِیَّاتُ ۔

از جناب ڈاکٹر قاری محمد رضوان اللہ ازہری
ریڈر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

اسلام میں ریاست و حکومت کے اصول

اور بدلتی ہوئی سیاسی حقیقتوں سے ان کا تقابل

اسلام کے نظریہ حکومت کا مختصر خاکہ پیش کرنے کے بعد، اسلام کے نظریہ کا قدیم حکومتوں سے موازنہ پیش کرنے کا مقصد وہ منظر پیش کرنا ہے جس کے بعد اسلامی نظریہ حکومت سامنے آیا۔

یہ حقیقت پیش نظر رہے کہ "اسلامی حکومت" ایک اٹل خدائی تنظیم ہے"

تاریخ انسانی کے اس عہد میں، جس کی کوئی مرتب و مدون تاریخ نہیں ملتی، طاقتور انسان کمزور انسان کو اس طرح ختم کر دیتا تھا جیسے چھوٹی مچھلی بڑی مچھلی کی غذا بن جاتی ہے۔ آخر انسان کے دل میں اتحاد کا جذبہ پیدا ہوا۔ افراد سے گھر، گھر سے خاندان، اور خاندانوں سے قبیلہ وجود میں آیا، اور قبیلہ سے معاشرہ۔ یہ تھا حکومت کا پہلا نظام، جس کا حکمران خاندان کا بزرگ اور قبیلہ کا شیخ ہوتا تھا۔ اسی طرح قبیلہ سے ملک اور ملک سے مملکت کی بنیاد پڑی۔ قبیلوں کی جگہ قوموں نے لے لی انسان کی اس ترقی کے بعد فن جنگ وجود میں آیا، جس نے زمانۂ حال کی سیاسی تنظیم کو جنم دیا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ موجودہ انسانی حکومتوں کی ابتدا، استحکام، تنظیم اور ترقی فن جنگ کے سہارے ہوئی۔

اسلام کو اس قسم کی کسی حکومت سے کوئی واسطہ نہیں۔ اسلام میں ارتقائے معاشرت کی پہلی منزل آبائی معاشرہ ہے۔ اسلام کی رو سے حضرت آدمؑ اور حضرت ابراہیمؑ اپنے زمانہ کی سیاسی تنظیم کے سردار بھی تھے اور باپ بھی۔ ماضی نے مستقبل کو یہ سبق دیا کہ اُمت اولاد اور امت کا رہنما باپ کی مانند ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام شخصی یا خاندانی بادشاہت کا حامی ہے۔ پیغمبروں کے عہد میں خرابی کا اندیشہ نہ تھا، اس لئے آبائی معاشرہ باقی رہا، لیکن عہد رسالت اور خلافت راشدہ کے زمانہ میں اس کی جگہ شورائے جمہور نے لے لی اور آبائی معاشرہ کا خاتمہ کر دیا گیا۔

مصر قدیم میں حکومت کے تین طبقے پیدا ہوئے، جن میں دولت فارس کے قیام تک بارہ خاندانوں کے تیس سے زیادہ بادشاہ ہوئے۔ بنی اسرائیل کی ہجرت (۱۴۷۶ ق۔م سے ۹۶۲ء) تک انسان کی شخصی بادشاہت کی غلامی سے نجات نہ ہو سکی۔

چین میں فوہی نے ۲۸۵۰ ق۔م۔ پہلی حکومت قائم کی اور اسکے بعد دیگرے سات خاندانوں نے حکومت کی۔ اگرچہ چینیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ حکومت آسمانی ہے اور بادشاہ آسمان کا بیٹا ہے، مگر ۵۰۷ ق۔م۔ میں حکومت کو شاہی خاندان نے

پامال کر دیا۔ باوجود کنفیوشس کی اس تعلیم کے کہ خدا دنیا کا خالق اور بادشاہ اعظم ہے۔ اور فرمان روا خدا کا نائب ہے۔ یان کے عہد میں فاسد شہنشاہیت موجود تھی۔

ہندوستان میں آریہ آئے، تو یہاں کے باشندوں کو اچھوت بنا دیا۔ آریہ مغرور تھے، خود بیں تھے، اور دوسروں کو ذلیل سمجھتے تھے۔ ملک ایک تھا، لیکن حکومتیں لاتعداد تھیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک کمزور ہوا۔ اور اس پر زوال آگیا۔

نینوی میں اشوری خاندان سیاسی اور شاہی اقتدار کا مالک تھا۔ بابل میں نمرود کے سلسلہ کے پچاس بادشاہ دوسرے ملکوں کو اپنی تعمیر کے لئے تباہ و برباد کرتے رہے۔

فارس میں مطلق العنان شہنشاہیت میں صرف نوشیرواں عادل کا استثنا رہا ہے۔ فارس کے جمہور اپنے چھ بادشاہوں کو قتل کر چکے تھے۔

آج یہ عقیدہ عام ہے کہ علم سیاست کی حقیقی ابتدا اور انسان کی خود آگاہی کا اظہار اول یونان میں ہوا۔ یہ صحیح ہے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اجتماعی زندگی کا یونانی تصور بہت ہی ناقص ہے۔

ایک جرمن سیاستداں بلنچلی اس حکومت کے متعلق رقم طراز ہے کہ "اس کے حدود ارضی مختصر تھے۔ طاقت محدود تھی، مالی حیثیت سے بہت ہی حقیر اور اس کی حیثیت طفلانہ تھی"

پروفیسر جانکسن کا خیال ہے کہ "اس حکومت میں نالائقی کے اتنے مہلک عناصر تھے، جن کی وجہ سے اس پر وقت سے پہلے تباہی آگئی۔

افلاطون خدا کو مانتا ہے اور خدا کی بادشاہت کا بھی ذکر کرتا ہے، لیکن حکومت کی وہ چار قسمیں کرتا ہے۔

(۱) شخصی حکومت (۲) چند فلسفیوں کی حکومت، جس کا حکمراں فرد واحد ہو (۳) اعلیٰ طبقہ کی سرمایہ دار حکومت (۴) جمہوریت جس میں جمہور حاکم ہوں اور حکام محکوم۔ افلاطون ایک طرف سوسائٹی کو جسم واحد مانتا ہے، لیکن دوسری طرف وہ اس کو چار طبقوں میں تقسیم کرتا ہے،

(۱) حکمراں طبقہ۔ (۲) فوجی طبقہ (۳) فن کار طبقہ (۴) مزدور، غلام اور محنت کش طبقہ جو چوپایوں کی مانند ہے۔

اسلام، ذات، طبقہ، اور نسل سے بلند ہو کر دنیا بھر کے انسانوں کو ایک آدم کی اولاد مانتا ہے، جو سب مٹی سے بنے ہیں اور سب اللہ کے بندے اور بھائی بھائی ہیں۔

ارسطو اونچے طبقہ کے لائق و فائق اشخاص کی حکومت کا قائل ہے۔ افلاطون اس حکومت کو حکومت خواص کہتا ہے۔

یونان و روما کے بعد جرمن فرانکی قبیلہ نے رومی سرزمین پر ایک بہت بڑی سلطنت قائم کی اور فرانکی شہنشاہیت کا نام پایا۔ اس حکومت کی تباہی کا باعث دو امور تھے، موروثی اصول، جس سے حکومت مختلف بیٹوں میں تقسیم ہو گئی اور قوم و سلطنت دونوں تباہ ہو گئے۔ دوسرے قومیتوں کے افتراق نے فرانس کو جرمنی سے علیحدہ کر دیا اور فرانکی شاہی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔

اس کے بعد مغربی شہنشاہیت پیدا ہوئی، اس نے مذہب عیسوی کی پناہ لی اور عیسائیت نے یہ واضح کر دیا کہ سلطنت اور مذہب دو مختلف چیزیں ہیں، جن میں سخت اختلاف ہے۔ یہیں سے مذہب و سیاست کی علیحدگی کا خیال پیدا ہوا۔ یورپ کی تمام حکومتیں شخصی، بادشاہی، قوموں کی تفریق طبقاتی امتیاز کی تباہی میں مبتلا تھیں، حتیٰ کہ "ڈانٹے" جیسا

صاحب فکر و نظر بھی شہنشاہیت کا قائل تھا۔

اسلام نے دنیا میں جو تاریخ ساز کارنامے حکومت اور آئین حکومت کے سلسلہ میں انجام دیئے ہیں، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس نے سیاست و سلطنت سے ان تمام خرافات کا خاتمہ کر دیا جن کا تعلق شاہ پرستی اور قوم پرستی سے تھا۔ غیر مسلم مفکروں اور سیاستدانوں نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ موسیو گال کہتے ہیں "محمدؐ سے ... پہلے دنیا پر فتنہ و فساد کے گہرے سیاہ بادل چھائے ہوئے تھے" ایشیا کے عظیم ترین سیاستداں پنڈت جواہر لعل نہرو کہتے ہیں "اسلام سے پہلے قدیم چیزیں فنا ہو چکی تھیں، جدید ابھی وجود میں نہ آئی تھیں، اس لئے سارے یورپ پر تاریکی چھائی ہوئی تھی"

دان کریمر کا بیان ہے "آں حضرتؐ نے ایک مذہب کی بنیاد ڈالی، نیا طرز حکومت پیدا کیا، اور جب آنحضرتؐ کا وصال ہوا۔ تو تمام مملکت عرب پر خدائی امن چھایا ہوا تھا،"

ڈاکٹر لوتھر نے تسلیم کیا ہے کہ اسلام نے بڑی سلطنتوں اور مستقل مذہبوں کو ختم کر کے نفوس اقوام کو نئی ترکیب دی اور ایک مکمل جدید دنیا یعنی دنیائے اسلام تعمیر کی، جس کا اثر تمام نوع انسان پر پڑ کر رہا۔

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اسلامی نظریہ حکومت نے قدیم حکومتوں کا فساد ختم کر کے حکومت کی بنیاد شہنشاہیت کی جگہ شوریٰ پر رکھی۔ بادشاہ مٹ گئے۔ ان کی جگہ رہنمائے مملکت کو دی گئی۔ حکمراں خدا، امام حکومت کا رہنما، امت کی مرضی حکومت کی اساس و بنیاد۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلام کے نظریہ سیاست و حکومت اور موجودہ سیاسی حقیقتوں کا تقابلی مطالعہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے ہمیں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ وہ کیا حقیقتیں ہیں جن کا اسلامی حکومت کے اصولوں سے مقابلہ کیا جائے۔ اگر سیاسی اعتبار سے دنیا پر نظر ڈالی جائے، تو معلوم ہو گا کہ دنیا کی تمام بڑی حکومتیں، خواہ وہ جمہوری ہوں، یا اشتراکی، سب کے اوپر جنگ کا بھوت سوار ہے۔ روس اور چین کی سرحدوں پر مسلح فوجیں برسوں سے ذرا سے اشارے پر برسر پیکار ہونے پر آمادہ کھڑی ہیں۔ ویٹ نام کی سترہ سالہ جنگ کے زخم آج تک تازہ ہیں، ہتھیاروں کی دوڑ کی انتہا یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ کے ممالک تک اس دوڑ میں ساتھ ساتھ ہیں۔

(باقی آئندہ)

کیا اسلامی سزائیں وحشیانہ اور ظالمانہ ہیں؟

اطہر ہاشمی

السٹریٹیڈ ویکلی کا اداریہ اور اس کا جواب

"السٹریٹیڈ ویکلی آف انڈیا" بمبئی کا ایک کثیر الاشاعت انگریزی میگزین ہے۔ اس کے ایڈیٹر مسٹر خوشونت سنگھ نے اخبار کی اشاعت مورخہ ، ۲۰ مئی ۱۹۷۸ء میں ایک نوٹ سعودی عرب میں رائج اسلامی سزاؤں کے خلاف لکھا جن میں سے بعض اب پاکستان میں بھی جاری کر دی گئی ہیں۔ اپنے قارئین کو متاثر کرنے کے لئے ایڈیٹر صاحب نے پاکستان کے ایک زانی اور قاتل کی سزا دہی کا فوٹو بھی شائع کیا۔ ہمارے رفیق، ادارہ اطہر ہاشمی صاحب نے اس کا مختصر جواب اسی اخبار میں شائع کرنے کے لئے بھیجا۔ "ایڈیٹوریل" اور اس کے جواب دونوں کا ترجمہ قارئین الحرم کے مطالعہ کے لئے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ایڈیٹر)

بربریت کی جانب مراجعت :- (ایڈیٹوریل نوٹ)

میں پاکستان کے انگریزی اور اردو اخبارات و رسائل کی ورق گردانی اس خیال سے کر رہا ہوں کہ شاید کسی میں ان لاکھوں افراد میں سے جنھوں نے برسرعام کوڑے لگانے اور پھانسیاں دینے کا عمل دیکھا ہے کسی کا ردعمل بیان کیا گیا ہو، عوام کی بیمار ذہن جیسی دلچسپی کے اظہار کے علاوہ کسی جگہ سے بھی یہ پتہ نہیں چلتا کہ اپنے ملک کے قانون سزا میں اس تبدیلی سے وہ متفق ہیں یا اس کی بربریت سے متنفر۔ ان اخبارات سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا اس موقعہ پر وہ لوگ یا ان کے عزیز بھی موجود تھے جو جرم کا نشانہ بنائے گئے تھے اور انہوں نے اس بات پر اظہار اطمینان کیا کہ واقعی انصاف کیا گیا ہے یا مارشل لا کے احکامات کی خلاف ورزی پر دی جانے والی کوڑوں کی سزا پر عوام کی جانب سے اس لئے اظہار اطمینان کیا گیا ہو کہ "ان کا علاج یہی ہے" یہ سوالات اہمیت رکھتے ہیں کیونکہ لوگ جب تک یہ محسوس نہ کریں کہ سزا جرم کی مناسبت سے دی گئی ہے، سزا اپنے مقصد میں ناکام رہے گی۔

ہمارے ذہن میں یہ بات صاف ہو جانی چاہیے کہ برسرعام کوڑے لگانے اور پھانسی پر چڑھانے میں کوئی اسلامیت نہیں ہے۔ بہت سے مسلمان قرآن شریف کی وہ تشریح نہیں کرتے جو سعودی عرب اور جنرل ضیاء الحق کر رہے ہیں ترکی ایران، مصر، سوڈان، انڈونیشیا، ملیشیا یا بنگلہ دیش جیسے زیادہ اسلامی ممالک میں چوروں اور ڈاکوؤں کے ہاتھ نہیں کاٹے جاتے یا زنا کی مرتکب عورتوں کو سنگسار نہیں کیا جاتا۔ یہاں تک کہ ہندوستان میں بھی جہاں مسلمان اپنے پرسنل لا میں مداخلت کے معاملے میں نہایت زود حس واقع ہوئے ہیں کسی عالم دین، بزرگ یا سیاست داں نے یہ تجویز نہیں کیا ہے کہ ان پر بھی وہی قوانین عدل نافذ کئے جائیں جو سعودی عرب اور پاکستان میں رائج ہیں۔

ایسے بھی لوگ ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ سزا کو اگر واقعی مانع جرم (عبرت ناک) بنانا ہے تو یہ برسرعام ہی دی جانی چاہیے

تاکہ ہر شخص دیکھ سکے۔ مگر یہ صحیح نہیں ہے۔ اعداد و شمار سے یہ پوری طرح ثابت ہو چکا ہے کہ سزا کتنی ہی بھیانک ہو لوگوں کو جرم کرنے سے نہیں روکتی۔ سخت سزاؤں کے حامی اکثر سعودی عرب کی مثال پیش کرتے ہیں جہاں ان کے دعوے کے بموجب ہاتھ کٹ جانے کے خوف سے چوری نہیں ہوتی۔ اگر حقیقتاً ایسا ہی ہے تو پھر اب بھی ہاتھ کیوں کاٹے جا رہے ہیں؟ ہم ہندوستان سے بھی بہت سی مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ پھانسی کا (خواہ بر سر عام ہو یا جیل کی حدود میں) قتل کے جرم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ برطانوی دور میں جے پور جیسی چند ریاستوں میں سزائے موت رائج نہیں تھی۔ لیکن ان ریاستوں میں دوسرے مقامات سے زیادہ قتل کی وارداتیں نہیں ہوتی تھیں۔ آزادی کے بعد سے ہمارے ملک میں سزائے موت شاذ و نادر دی جاتی ہے لیکن قتل کی وارداتوں میں کوئی قابل لحاظ اضافہ نہیں ہوا ہے۔ پنجاب کی ایک بین مثال ہے جس میں کسی زمانہ میں ہندوستان کے تمام صوبوں سے زیادہ قتل ہوتے تھے لیکن اب ایسا نہیں ہے۔ خوشحالی اور تعلیم پھانسی کے تختہ سے زیادہ مانع ثابت ہوئی ہے۔ تشدد کے خطرے سے لوگ خوفزدہ نہیں ہوتے۔ اس سے ان کے دلوں میں بہیمیت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ بغیر کسی وجہ کے نہیں ہے کہ گذشتہ صدیوں میں مہذب قوموں نے رفتہ رفتہ آنکھ کے بدلے آنکھ دانت کے بدلے دانت کی انتقامی عبرانی ہدایت کو پس پشت ڈال کر مجرم کے ذہن کو (جو زیادہ منتشر ہوتا ہے) سمجھنے کے زیادہ ہمدردانہ رجحان کو اپنا لیا ہے۔ جنرل ضیاء الحق کو چاہیے کہ وہ ثابت شدہ غیر اسلامی بربریت کی جانب مراجعت کر کے اسلام کے نام کو بٹہ نہ لگائیں۔

دریں اثنا اسٹراسبرگ میں واقع "حقوق انسانی سے متعلق یوروپین کورٹ" نے فیصلہ کیا ہے کہ کوڑے مارنا شرف انسانی کے منافی ہے۔ آفاقی قانون حقوق انسانی کی دفعہ ۵ کے مطابق "کسی کو بھی جسمانی اذیت نہیں دی جائے گی یا کسی کے ساتھ غیر انسانی یا حقارت آمیز برتاؤ نہیں کیا جائے گا یا اس قسم کی سزا نہیں جائے گی"۔

ایڈیٹر السٹریٹڈ ویکلی آف انڈیا کے نام ایڈیٹر الحرم کا خط:-

مکرمی۔

آجکل سعودی عرب جیسی چند محترم مستثنیات کے علاوہ تقریباً سب ہی ممالک میں سیکولر قوانین نافذ ہیں لیکن قرآنی احکام سزائے جرم اب بھی برقرار ہیں اور ان کی صداقت ناقابل انکار ہے۔ لیکن ساتھ میں شرط یہ بھی ہے کہ "اگر کوئی معاف کر دے تو یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے" کیونکہ "اگر کوئی احکام وحی کے خلاف فیصلہ کرتا ہے تو اس کا شمار منکروں میں ہوگا"۔ اگر "مہذب" اسلامی ملک اس پر عمل نہیں کرتے تو جو ممالک عمل کرتے ہیں ان کو کیوں مطعون کیا جائے؟

مسلمانوں کا بچہ بچہ حکومت کا شکر گذار ہوگا اگر وہ مسلمانوں کے لئے اسلامی سول و فوجداری قانون نافذ کر دے اور اس کی تشریح و نفاذ کے لئے مسلم علماء کو بطور جج مقرر کر دے۔ یہی جذبہ ہے جس کے تحت وہ اسلامی قانون کے اس حصے کی شدت سے حفاظت کرتے ہیں جو اب ہندوستان میں باقی رہ گیا ہے یعنی "مسلم پرسنل لاء" اس میں مداخلت کو گوارا کرنے کے بجائے وہ اس پر مرمٹنا پسند کریں گے۔

اگر کوئی خاص جرم عرصہ سے سرزد نہ ہوا ہو تو ایسے جرم کی سزا قانون کی کتابوں سے خارج نہیں کر دی جاتی۔ اگر سعودی عرب میں ہاتھ کاٹنے کی سزا موجود ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ وہاں چوری کا جرم اور اس کی سزا عام ہے۔ اگر سعودی عرب کے جرم و سزا کے اعداد و شمار دیکھنے کی زحمت کی جائے تو یہ معلوم ہو کر حیرت ہو گی کہ بہت جرائم جو مہذب ملکوں میں عام ہیں سعودی عرب میں ان کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے اس کا سبب یہی ہے کہ وہاں پر عبرت ناک سزائیں دی جاتی ہیں۔

مجرموں کے ساتھ نرمی نے بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں ایک مسئلہ کھڑا کر دیا ہے، چنانچہ لندن کے پولیس کمشنر مسٹر ڈیوڈ میکینی کی حالیہ رپورٹ بطور شہادت پیش کی جا سکتی ہے "وہ لکھتے ہیں کہ مجرموں کے معاملے میں قانون بہت نرم ہے۔ شہری آزادی کے ان حامیوں کو جو ملزمین کے دفاع کے جویا ہیں متنبہ ہونا چاہئے کہ وہ احتیاط سے کام کریں...... متشددانہ جرم میں جرم میں اضافہ ہو گیا ہے......... بہت سے عادی مجرم ضمانت پر رہا کئے جا رہے ہیں......... اور پھر مزید ارتکاب جرم کر رہے ہیں......... ایسی آزادی جس کی وجہ سے ایک عام شہری کو اپنے گھر سے باہر نکلنے میں خوف محسوس ہوتا ہو، قانون کے تحت آزادی نہیں کہلائی جا سکتی...... گذشتہ سال لندن میں جرائم میں ۱۲ فیصد کی اضافہ ہوا ہے۔

(مورخہ ۱۰ جون ۱۹۷۸ء (اسٹیٹسمین نئی دہلی)

بگڑتے ہوئے نظم و نسق کے موجودہ حالات میں کوئی بھی ہندوستانی باشندہ آپ کی اس رائے سے اتفاق نہیں کرے گا اگرچہ آزادی کے بعد سے ملک میں پھانسی کی سزا شاذ ہی دی جاتی ہے۔ قتل کی وارداتوں میں قابل لحاظ اضافہ نہیں ہوا ہے، ایک ہی دن کا اخبار آپ کے دعوے کو غلط ثابت کر سکتا ہے جس سے آپ کا خوشحال تعلیم یافتہ، پنجاب بھی مستثنیٰ نہیں ہے اس لئے مہربانی فرما کر اسلامی سزا کو بربریت سے موسوم نہ کیجئے جو ایسے مجرموں کو دی جاتی ہے۔ جو ایک ننھی بچی کے ساتھ زنا بالجبر کر کے اس کا گلا گھونٹ کر مار ڈالنے اور اس کی لاش کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے میں باک نہیں کرتے۔ ایک بہیمانہ جرم یہ بھی تھا جس کی پاداش میں ایک نوجوان کو پاکستان میں بر سر عام پھانسی پر چڑھایا گیا تھا جس کی تصویر خود آپ نے اپنے ایڈیٹوریل صفحے پر چھاپی ہے۔

اطہر ہاشمی
۲۲ر جون ۱۹۷۸ء

اپنے دوستوں اور عزیزوں کو الحرم کا خریدار بنا کر
تبلیغ اسلام کا ثواب حاصل کیجئے

(از غلام مرسلین صاحب ایم اے ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ)

اجازات وسماعات

روایت حدیث کی مختلف صورتیں

روایات کے سلسلے میں اجازات وسماعات کی بہت اہمیت ہوتی ہے کیونکہ اسی کی بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ روایت کہاں تک معتبر اور مستند ہے۔ کسی روایت کو محض بیان کر دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ راوی کو یہ بھی بتانا ہوتا ہے کہ یہ روایت اس نے کس شخص سے اور کس طرح اخذ کی ہے پھر اس شخص نے کس سے اور کس طرح لی ہے سلسلہ بسلسلہ آخر تک تمام راویوں کا نام بتایا جاتا ہے۔ راویوں کے اس سلسلہ کو سند کہتے ہیں۔ سند جس حد تک مسلسل اور صحیح ہوگی روایت بھی اسی حد تک مستند ہوگی۔ روایت حاصل کرنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں اور ہر ایک کے مختلف احکام ہیں اور ان کے بارے میں علماء کے درمیان کافی اختلافات بھی ہیں۔ یہاں پر چند خاص صورتیں درج کی جارہی ہیں۔

روایت حاصل کرنے کی ایک اہم صورت سماع ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ راوی نے وہ روایت کسی شیخ سے سنی ہے اسکی دو صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ شیخ اس روایت کا حافظ تھا اور اس لئے اپنے حافظہ سے اس کو سنایا دوسری یہ کہ اس نے کسی کتاب سے سنایا۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس وقت شیخ کے پاس راوی اکیلا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کے ساتھ اور لوگ بھی رہے ہوں اور سب نے اس روایت کو شیخ سے سنا ہو۔ اس صورت میں روایت بیان کرتے وقت سامع ان الفاظ میں سے کوئی لفظ استعمال کرسکتا ہے حَدَّثَنَا، أَخْبَرَنَا، أَنْبَأَنَا، قَالَ لَنَا، ذَكَرَ لَنَا، سَمِعْتُ، حَدَّثَنِي، أَخْبَرَنِي وغیرہ۔

اب ان الفاظ میں سے کونسا لفظ زیادہ مناسب اور بہتر ہے اس بارے میں علماء کی رائیں مختلف ہیں۔

ایک صورت قراءۃ علی الشیخ ہے"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روایت شیخ کے سامنے پڑھی گئی ہو خواہ راوی نے خود پڑھا ہو یا کسی دوسرے نے پڑھا ہو اور اس نے سنا ہو۔ پھر قاری نے اسے حافظہ سے پڑھا ہو یا کسی کتاب سے پڑھا ہو لیکن اس صورت میں یہ ضروری ہے کہ شیخ کے سامنے جو کچھ پڑھا گیا ہو شیخ اس کا حافظ ہو یا شیخ کے پاس اس کا کوئی نسخہ ہو جس سے وہ مقابلہ بھی کرتا گیا ہو یا اصل نسخہ قاری کے پاس ہو یا سامعین میں سے کسی ثقہ اور معتبر آدمی کے پاس ہو۔ ان صورتوں میں روایت بیان کرتے وقت راوی اس طرح کہے گا۔ قرأت یا قرئ علی فلان وأنا أسمع یا أخبرنا یا حدثنا بقراءتی علیہ یا قراءۃ علیہ وغیرہ بعض علماء کے نزدیک مطلق اخبرنا یا حدثنا کہنا بھی جائز ہے۔ یہاں تک کہ بعض علماء نے اس صورت میں بھی سمعت کہنا درست قرار دیا ہے۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ جب راوی نے خود شیخ کے سامنے پڑھا ہو تو اسے سمعت نہیں کہنا چاہیے۔

بعض بڑے شیوخ کی مجالس میں طالبین کی بہت کثرت ہوتی تھی اور ہر شخص ان سے روایت اخذ کرنا چاہتا تھا چنانچہ ان کی مجالس میں سینکڑوں اور ہزاروں تک کی تعداد میں لوگ جمع ہوجاتے تھے اور شیخ کی آواز تمام حاضرین تک نہیں پہنچتی تھی۔

ٖصورت میں ایک شخص یا کئی شخص کسی بلند مقام پر بیٹھ جاتے تھے اور وہ شیخ کے الفاظ کو لکھتے جاتے تھے پھر باقی تمام ین تو وہ سنادیا کرتے تھے۔ ان کو مستملی کہا جاتا تھا۔

ایک دوسرا طریقہ اجازت ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کسی کو اجازت دیدے کہ وہ اس سے روایت کرے۔ ازۃ میں عام طور پر پوری کتاب پڑھی نہیں جاتی اور نہ سنی جاتی بلکہ شیخ کتاب کا کچھ حصہ امتحاناً پڑھوا کر اجازت دیدیتا اور کبھی یہ بھی نہیں ہوتا، محض اہلیت وصلاحیت کا اعتبار کرکے اجازت دیدی جاتی ہے۔ خصوصاً متاخرین کے دور ایک رسم بن گئی تھی۔ لوگ شیخ سے علم نہیں حاصل کرتے تھے سرٹیفکٹ لینا مقصود ہوتا تھا تاکہ ایک بڑے شیخ سے نسبت ل ہوجائے۔

اجازۃ کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں۔ کبھی اجازت خاص ہوتی ہے۔ یعنی مخصوص شخص کو مخصوص کتاب کی روایت کی اجازت جاتی ہے۔ مثلاً شیخ یوں کہتا ہے: أجزت لك ان تروي عني هذا الكتاب او هذه الكتب وغیرہ۔ اور کبھی ہوتی ہے مثلاً أجزت لاهل عصري، أجزت لمن شاء وغیرہ۔ غرض اجازت کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں اور ان سے ہر ایک کے مختلف احکام ہیں۔ لیکن راوی کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ روایت کے ساتھ اجازۃً یا علی سبیل ازۃ بھی کہدیا کرے۔ اجازۃً بھی کہدیا کرے۔ اجازۃ کی صورت میں راوی کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ سمعت ہے۔

ایک طریقہ مناولہ کہلاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شیخ کسی شخص کو اپنی کوئی کتاب دے اور اس کو اس کتاب مالک بنادے یا عاریۃً دے تاکہ وہ شخص اس کو نقل کرے اور اصل کتاب شیخ کو واپس کردے۔ اب اگر مناولہ کے ساتھ اجازت بھی ہو یعنی شیخ یہ بھی کہدے کہ اروعني هذا الكتاب۔ تو اس شخص کی روایت بلا اختلاف درست ہے اور وہ حدثنا اور اخبرنا وغیرہ کہہ سکتا ہے کیونکہ یہ بھی بمنزلہ سماع کے ہے۔ لیکن اگر صرف مناولہ ہو اور اس کے ساتھ اجازۃ نہ ہو تو اس صورت میں علماء کے درمیان اختلاف ہے۔

ایک طریقہ مکاتبۃ ہوتا ہے یعنی شیخ کوئی کتاب خود لکھے یا کسی کاتب سے لکھوائے اور پھر اسے کسی کے پاس بھیجدے اس صورت میں شرط یہ ہے کہ جس شخص کے پاس کتاب بھیجی گئی ہو شیخ کے خط کو پہچانتا ہو یا بصورت دیگر کاتب کے خط کو پہچانتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ کاتب ثقہ اور قابل اعتماد ہے۔ اس صورت میں اس شخص کی روایت صحیح ہوگی لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ اس طرح روایت کرے۔ كَتَبَ اِلَيَّ فُلَانٌ الخ

بعض علماء نے وصیت کے ذریعہ سے روایت کو جائز قرار دیا ہے یعنی شیخ اپنی کتاب کسی کو وصیت کر جائے تو جس کو وصیت کی ہے اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کتاب کو موصی سے روایت کرے یہ بمنزلہ مناولہ کے ہے۔

ایک طریقہ وِجادۃ کہلاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شیخ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کوئی تحریر یا کوئی کتاب پاجائے خواہ اس شیخ سے اس کی ملاقات ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو یا نہ۔ ہوئی ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس کی روایت اس شیخ سے کرے لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ اس قسم کے الفاظ استعمال، وَجَدْتُ بِخَطِّ فلان، بَلَغَنِي عن فلان، قال فلانٌ، ذکر فلانٌ وغیرہ۔

اسلام کی روحانی قوت کا اعجاز

ڈاکٹر محمد ابوشہبہ پروفیسر اصول الدین کلیہ مصر

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری　　صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

میرے دوست نے مجھ سے کہا اور وہ ایک خاصا ذہین و فطین سمجھدار آدمی ہے۔

"میں سخت حیران ہوں؟"

میں نے کہا تم کس بات پر حیران ہو۔

اس نے جواب دیا۔ ایک بات پر مجھے حیرت ہے اور میں اس کی کنہ معلوم کرنے سے قاصر ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ:

میں اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ پر نظر ڈالتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ جس روز سے سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعوت کا آغاز کیا ہے اس روز سے آج کے دن تک مسلمانوں پر قدیم و جدید تمام زمانوں میں مختلف قسم کے مصائب و آلام اور امتحان و آزمائش کے دور گذرے ہیں۔ جن میں کفر ظلم اور عدوان پرے باندھ کر ان پر حملہ آور ہوئے ہیں۔

مسلمان اس سارے ادوار میں تعداد اور قوت میں ہمیشہ اپنے دشمنوں سے کم رہے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے دشمن ان کو مٹا نہیں سکے اور ان کا کوئی بھی فرد حق سے ہٹایا نہ جا سکا ہم نے کبھی نہیں سنا کہ کسی جماعت یا فرد نے اپنی رضامندی سے بغیر کسی مجبوری کے اس دینِ حق کو ترک کیا ہو۔ بلکہ میں نے تو یہ دیکھا ہے کہ جس قدر مصائب و آلام کی شدت ہوتی ہے اتنا ہی ان کی صلابتِ حق میں اضافہ ہو جاتا ہے وہ اتنا ہی اپنے دین پر جم جاتے ہیں۔ ان کا صبر و مصابرت اتنا ہی بڑھتا جاتا ہے۔ خود ہمارے اس زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان اقوام پر کس قدر ستم توڑے جا رہے ہیں ان کو قتل و نہب کی دھمکیاں دی جاتی ہیں۔ لیکن ہر ستم اور ہر دھمکی ان کو دین سے برگشتہ نہیں کرتی بلکہ وہ اس راہ میں بڑھتے ہی جاتے ہیں۔ ان کی عقیدت دین سے ویسی ہی صلابت ہے۔ اے میرے دوست مجھے بتاؤ کہ اس صورتِ حال کا کیا حل ہے۔ تاکہ میرے دل کی حیرت دور ہو اور میری روح کو قرار آئے۔

میں نے اس سے کہا:

ہاں میں ابھی ابھی اس بھید کو کھولتا ہوں اور تیرے دل کے لئے سامانِ تسکین مہیا کرتا ہوں۔ لیکن میں تم سے

اے مسلمانو! [illegible] بات غور سے سنو اور اپنے دل کے کواڑ ہماری بات کے لئے کھول دو۔

[illegible] یہ ہے کہ اسلام میں ایک مخفی روحانی قوت ہے۔ جس شخص کا سینہ اسلام کے لئے کھل جاتا ہے۔ اس کے قلب میں ایک طاقت پیدا ہو جاتی ہے اس کی [illegible] مضبوط ہو جاتی ہے اور اپنے مزاج میں اپنے اخلاق میں اپنے بدن میں وہ ایک نئی قوت محسوس کرنے لگتا ہے۔ ایسا آدمی اپنی عزیمت میں اتنا پختہ ہو جاتا ہے کہ نہ اسے دھوکا دیا جا سکتا ہے نہ دبایا جا سکتا اور نہ خریدا جا سکتا ہے۔ اس کی مثال ایک پہاڑ کی سی ہے، جسے آندھیاں ہلا نہیں سکتیں اور سیلاب متزلزل نہیں کر سکتے۔

اسلام کی یہی روحانی قوت ہے جو مسلمان کے بدن، قلب اور روح میں سرایت کر جاتی ہے اور یہی وہ قوت ہے جس نے حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے ہیں۔ اسلامی تاریخ کو روشن ابواب سے معمور کر دیا ہے۔ ہر زمانے اور ہر دور میں اس نے معجزے سرزد کئے ہیں۔ بلاشبہ یہ قوت کبھی کبھی کمزور بھی پڑ جاتی ہے۔ اس کے شعلے قدرے سرد بھی ہو جاتے ہیں اور کبھی کبھی اس پر نیند کی سی کیفیت بھی طاری ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ روحانی قوت جلد ہی پھر بیدار ہو جاتی ہے اور اس کا معیار بیداری پھر اپنی اصل [illegible] پر آ جاتا ہے۔ مسلمانوں کو جگانے والے اور ان کی غفلت کی زنجیریں توڑنے والے ملتے رہتے ہیں، یہ روحانی قوت [illegible] بلال بن رباح، ایک حبشی غلام کو یہ شرف بخشا کہ امیہ بن خلف ان پر [illegible] ذوق گناہ [illegible] عقیدے کے لئے ہر قسم کی تعذیب و مصیبت کو [illegible] پر تعجب نہ کرو کہ جب ایمان کی لذت ان کے قلب میں مصائب و آلام کی حرارت سے رچ بس جاتی تھی تو وہ ہر دکھ اور تکلیف پر احد احد پکارتے تھے۔ یہ اسلام کی لذت کا فطری نتیجہ ہے۔

اسلام کی یہ قوت روحانی تھی کہ عمار بن یاسر اور ان کا باپ اور ان کی ماں موسم گرما کی دھوپ میں جلتی ہوئی لوہے کی زرہوں کو جو ان کے بدنوں کو جلاتی تھیں خوشی سے برداشت کرتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی ماں اور باپ شدت عذاب سے شہید ہو گئے اور یہی روحانی قوت تھی جس نے اسلام کے عہد اول میں ایک مسلمان کو جہاد میں دس کافروں پر بھاری کیا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا۔

اے نبی مومنوں کو جنگ کی ترغیب دو۔ اگر تم میں بیس صبر کرنے والے ہوں گے تو وہ دو سو کافروں پر غالب [illegible] اور اگر تم میں کے ایک سو صابر ہوں گے تو وہ ایک ہزار کافروں پر بھاری ہوں گے۔ اس لئے کہ اہل کفر بے عقل [illegible] (توبہ)

پھر اس معاملے کو ہلکا کر دیا گیا۔ پس ایک مسلمان دو کفار پر بھاری ہو گیا اور ارشاد ہوا کہ:

اب اللہ نے تم پر معاملے کو ہلکا کر دیا اور اس نے جانا کہ تم میں ضعف ہے، پس اگر ایک سو صبر کرنے والا ہوگا تو وہ دو سو پر بھاری ہوگا اور ایک ہزار ہوگا تو دو ہزار پر غالب آئے گا۔ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ (توبہ)

اور پھر یہی روحانی قوت تھی جو اسلام میں مضمر ہے۔ جس نے تین سو تیرہ مسلمانوں کو بدر میں ایک ہزار مشرکین پر [illegible] کیا اور ان کو بھاگتے ہی بنی۔ حالانکہ وہ اسلحہ، تعداد، تیاری اور ساز و سامان کے اعتبار سے بہت زیادہ تھے اور ان [illegible] قبائل کے بڑے بڑے پہلوان اور جنگجو موجود تھے۔

اور اسی روحانی قوت کا فیضان تھا کہ جس نے جنگ یرموک میں ۴۰ ہزار مسلمانوں کو دو لاکھ سے اوپر رومیوں [illegible] دی۔ اور یہ اسی قوت کی کرامت تھی کہ:

(بقیہ صفحہ [illegible] پر)

(مدیر)

شب برائت کا اسلامی پروگرام

ہم کیا کر رہے ہیں اور کیا کرنا چاہیئے!

رحمت خداوندی کا موسم بہار، شعبان المعظم کے مہینہ سے شروع ہوتا ہے اس کے بعد رمضان المبارک کا مقدس مہینہ ہے جس میں نیکیوں کے گل بوٹے کھلتے ہیں اور رحمت باری کی جھڑیاں لگتی ہیں۔ اس کے بعد عید الفطر ہے اور پھر عید الاضحیٰ جن میں بادۂ سعادت کے جام چھلکتے ہیں۔

اس مقدس مہینے کا دینی پروگرام کیا ہے؟ اسے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ کے معمولات کی روشنی میں ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رمضان المبارک کے سوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی مہینے کے پورے روزے رکھتے نہیں دیکھا اور (اس کے بعد) شعبان کے روزوں سے زیادہ کسی مہینے کے روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ گویا پورے مہینہ ہی کے روزے رکھتے تھے، بلکہ کہنا چاہیئے کہ تقریباً سارے مہینہ ہی کے روزے رکھتے تھے (صحیحین)

حضرت اسامہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کسی مہینہ کے روزے اتنی کثرت سے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا جتنے شعبان کے مہینہ کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ ایک ایسا مہینہ ہے جس سے لوگ غفلت کرتے ہیں رجب اور رمضان (کے مقدس مہینوں) کے درمیان ہے ایسا مہینہ ہے جس میں بندوں کے (سال بھر کے) اعمال اٹھائے جاتے اور رب العالمین کی بارگاہ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ تو میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرے اعمال اس حال میں اٹھائے جائیں کہ روزہ دار رہوں (نسائی)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ رمضان المبارک کے بعد، شعبان کے مہینہ کا درجہ خیر اور برکت کے لحاظ سے ہے۔ اسی مہینے میں بندوں کے سال بھر کے اعمال کے حساب وکتاب کی ابتدا ہوتی ہے اور بارگاہ خداوندی میں ان کو پیش کرنیکا آغاز ہوتا ہے۔ اور رمضان المبارک میں شب قدر پر ختم ہوتا ہے پھر اگلے سال کے لئے احکام شب قدر میں ...

حضرت علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے کہ آپ نے فرمایا کہ جب شعبان کے مہینہ کی درمیانی

[illegible] ہو تو اس رات کو نمازیں پڑھو اور اس کے بعد دن میں روزہ رکھو کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سورج ڈوبتے ہی آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ (یعنی تجلیات خداوندی منعکس ہوتی ہیں اور اس کی رحمتیں اور برکتیں اترتی ہیں) پھر اللہ تعالیٰ ندا دیتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں۔ ہے کوئی مصیبت میں مبتلا کہ میں اس کی مصیبت دور کروں۔ [illegible] یہ ندا ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے (ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شب برأت یعنی ۱۴ اور ۱۵ شعبان کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ کا دریائے مغفرت جوش میں آتا ہے اور اس کی رحمت کے بادل ہر طرف چھا جاتے ہیں اور اس کی طرف سے خود مطالبہ ہوتا ہے کہ بندے اپنی حاجتیں اس سے طلب کریں [illegible] اپنے گناہوں کی اس سے معافی مانگیں۔ لہٰذا اس رات کو نمازوں اور دعاؤں میں گزارنا چاہیے۔ اور اس کے بعد [illegible] والے دن میں روزہ رکھنا چاہیے۔ یہ روزہ شعبان کے مہینہ کے دوسرے روزوں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے [illegible] بعض علماء نے اسے عاشورہ کے روزے سے بھی زیادہ افضل بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ رمضان کے روزوں کے بعد اس کا درجہ ہے۔

(۴) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات (جو شعبان کی پندرھویں رات تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا۔ تو میں آپ کی تلاش میں نکلی (اور چونکہ بقیع مدینہ منورہ کے قبرستان میں آپ اکثر تشریف لے جاتے تھے اس لئے وہاں پہنچی) کیا دیکھتی ہوں کہ آپ بقیع میں موجود ہیں آپ کا سر آسمان کی طرف بلند ہے اور دعا مانگ رہے ہیں مجھے دیکھکر آپ نے فرمایا اے عائشہ کیا تم کو خطرہ تھا کہ اللہ تعالےٰ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا۔ میں نے عرض کیا مجھے یہ گمان ہوا کہ آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں چلے گئے ہوں گے آپ نے فرمایا شعبان کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے (یعنی اس کی رحمتیں اور برکتیں [illegible]) اور وہ قبیلہ کلب (جو بہت زیادہ بکریاں پالتا تھا) کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں (اپنے گنہگار بندوں کی) مغفرت فرماتا ہے (اس لئے اس کی رحمتوں کو اپنے اور اپنے رحم رفیقوں کے اوپر لنڈھانے کے لئے امت کے سامنے اپنا نمونہ پیش کرنے کے لئے میں یہاں آگیا ہوں) (ابن ماجہ۔ ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس رات کو قبرستان جاکر، مُردوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی مسنون ہے۔

(۵) حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ شعبان [illegible] رات کو (اپنی رحمتوں کے ساتھ نزول فرماتا ہے) اور اپنی ساری مخلوق کی مغفرت فرما دیتا ہے سوائے [illegible] اور جھگڑالو کے (ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس مبارک رات ساری مخلوق کو بارگاہ خداوندی سے [illegible] کے دریائے کرم سے سب ہی پیاسے سیراب ہوتے ہیں مگر دو گروہ محروم رہ جاتے ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو شریک کرتا ہے اور اس کے ساتھ محبوبیت اور نیازمندی کا وہ برتاؤ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے، اس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرتا ہے۔ دوسرا وہ گروہ جو اس کے بندوں سے [illegible] .... سے لڑتا جھگڑتا رہتا ہے۔ گویا دونوں مفسدین جن میں سے ایک خالق کے [illegible]

[illegible] اور جو [illegible] سے بر سر جنگ ہوتا ہے اس رات میں بھی اللہ تعالیٰ کی لٹتی ہوئی رحمتوں سے محروم رہتے ہیں۔
[illegible] حدیثوں کی روشنی میں ، شب برائت کے متعلق جو دینی پروگرام معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس مقدس [illegible] اور طاعت میں گزارا جائے ، نفل نمازیں پڑھی جائیں ، تلاوت قرآن کریم کی جائے اور بارگاہ خداوندی [illegible] کے ساتھ دینوی و اخروی صلاح و فلاح کے لئے گڑگڑا کر دعائیں مانگی جائیں ۔ اس سے پہلے ہر قسم [illegible] بندوں اور [illegible] سے توبہ کرلی جائے [illegible] اور دشمنی اور کینہ سے بھی دل کے آئینہ کو صاف کرلیا جائے [illegible] اپنے [illegible] عزیزوں دوستوں اور سب مسلمانوں کے لئے مغفرت طلب کی جائے ۔ اگلے روز روزہ [illegible] بھی پورے شعبان [illegible] میں زیادہ سے زیادہ روزے رکھے جائیں ۔ البتہ رمضان المبارک سے [illegible] پہلے روزہ نہ رکھا جائے [illegible] شریف میں [illegible] آئی ہے ۔

[illegible] کو خود سوچنا چاہئے کہ اس پروگرام [illegible] کس قدر [illegible] کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے رحمتوں کو [illegible] کے جواب میں [illegible] پھلجھڑیاں [illegible] اڑائیں ۔

[illegible] میں مشہور ہے کہ اس روز رسول [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید [illegible] آپ نے حلوہ تناول فرمایا تھا [illegible] عجب جہالت کی بات ہے [illegible] باتفاق محدثین [illegible] واقعہ احد [illegible] صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا [illegible] واقعہ شوال المکرم [illegible] میں پیش آیا تھا [illegible] پھر اس دن حلوا نوش فرمانے کا کوئی ثبوت نہیں ۔

[illegible] شاہ کو بادشاہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے آنا چاہئے" خلیفہ کی جب سعید پر نظر پڑی تو پوچھا یہ کون [illegible] العزیز ان کے زہد و تقویٰ کے قائل تھے اور ان کو شاہی عتاب سے بچانا چاہتے تھے کہا سعید ہیں بصارت میں [illegible] دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے مگر خلیفہ نے کہا کہ میں خود ان کے پاس جاؤں گا ۔ خلیفہ سعید کے پاس [illegible] ادب [illegible] اور ان کا مزاج پوچھتے ہیں تو سعید صرف جواب دیتے ہیں [illegible] بخیریت ہے ۔ اور پھر ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے ہیں [illegible] امیر کے عطیہ کو قبول کرنا پسند نہیں کیا اور [illegible] سلطنت وقت کے وظیفہ خوار [illegible] اظہار [illegible] رہی ایک دن کا واقعہ ہے کہ خلیفہ [illegible] قاصد ان کے پاس سے گذرا [illegible] تم کس حال [illegible] خیریت" فرمایا تم غلط کہتے ہو تم نے اس حال میں چھوڑا ہے کہ انسانوں کو [illegible] اور [illegible] کھاتے ہیں [illegible] مگر انکو کوئی پرواہ نہیں تھی دوستوں نے خواہش کیا اپنی جان [illegible] ہیں [illegible] مجھ کو ہرگز بے یار و مددگار نہ چھوڑے گا ۔

[illegible] نتیجہ [illegible] کپڑے کی گٹھری [illegible] ان کے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈالکران کو کوڑے لگا [illegible] ہیں [illegible] ہوا کہ نہ ان کے پاس کوئی بیٹھے اور نہ کوئی ان سے بات چیت کرے لیکن [illegible] ایک قاصد شقہ شاہی لے کر ان کے پاس آیا آپنے شقہ [illegible] بکری کے منھ میں دیدیا [illegible]

(باقی آئندہ)

[illegible]

.... رات ہو تو اس رات کو نمازیں پڑھو اور اس کے بعد دن میں روزہ رکھو۔ کیونکہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سورج ڈوبتے ہی آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے۔ (یعنی تجلیات خداوندی منعکس ہوتی ہیں اور اس کی رحمتیں اور برکتیں اترتی ہیں) پھر اللہ تعالیٰ ندا دیتا ہے کہ ہے کوئی مغفرت طلب کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں۔ ہے کوئی رزق مانگنے والا کہ میں اس کو رزق دوں ہے کوئی مصیبت میں مبتلا کہ میں اس کی مصیبت دور کروں۔ اسی طرح ندائیں ہوتی رہتی ہیں یہاں تک کہ صبح ہو جاتی ہے (ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شب براءت یعنی ۱۴ اور ۱۵ شعبان کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ کا دریائے مغفرت جوش میں آتا ہے اور اس کی رحمت کے بادل ہر طرف چھا جاتے ہیں اور اس کی طرف سے خود مطالبہ ہوتا ہے کہ بندے اپنی حاجتیں اس سے طلب کریں اور اپنے گناہوں کی اس سے معافی مانگیں۔ لہٰذا اس رات کو نمازوں اور دعاؤں میں گزارنا چاہیئے۔ اور اس کے بعد آنے والے دن میں روزہ رکھنا چاہیئے۔ یہ روزہ شعبان کے مہینہ کے دوسرے روزوں سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے اور بعض علماء نے اسے عاشورہ کے روزے سے بھی زیادہ افضل بتایا ہے اور فرمایا ہے کہ رمضان کے روزوں کے بعد اسی کا درجہ ہے۔

(۴) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں نے ایک رات (جو شعبان کی پندرھویں رات تھی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا۔ تو میں آپ کی تلاش میں نکلی اور چونکہ بقیع مدینہ منورہ کے قبرستان میں آپ اکثر تشریف لے جاتے تھے اس لئے وہاں پہنچی) کیا دیکھتی ہوں کہ آپ بقیع میں موجود ہیں آپ کا سر آسمان کی طرف بلند ہے (اور دعا مانگ رہے ہیں مجھے دیکھ کر) آپ نے فرمایا اے عائشہ کیا تم کو خطرہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول تم پر ظلم کرے گا۔ میں نے عرض کیا مجھے یہ گمان ہوا کہ آپ کسی دوسری بیوی کے ہاں چلے گئے ہوں گے۔ آپ نے فرمایا شعبان کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف اترتا ہے (یعنی اس کی رحمتیں اور برکتیں اترتی ہیں) اور وہ قبیلہ کلب (جو بہت زیادہ بکریاں پالتا تھا) کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ تعداد میں (اپنے گناہ گار بندوں کی) مغفرت فرماتا ہے (اس لئے اس کی رحمتوں کو اپنے اور اپنے مرحوم رفیقوں کے اوپر لنڈھانے کے لئے اور امت کے سامنے اپنا نمونہ پیش کرنے کے لئے میں یہاں آگیا ہوں) (ابن ماجہ۔ ترمذی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس رات کو قبرستان جاکر، مُردوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا بھی مسنون ہے۔

(۵) حضرت ابو موسیٰ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ) کہ اللہ تعالیٰ شعبان کی درمیانی رات کو (اپنی رحمتوں کے ساتھ نزول فرماتا ہے) اور اپنی ساری مخلوق کی مغفرت فرما دیتا ہے سوائے مشرک کے اور اور جھگڑالو کے (ابن ماجہ)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس مبارک رات ساری مخلوق کو بارگاہ خداوندی سے اپنی مرادیں ملتی ہیں اور اس کے دریائے کرم سے سب ہی پیاسے سیراب ہوتے ہیں مگر دو گروہ محروم رہ جاتے ہیں ایک وہ جو اللہ تعالیٰ کی خدائی میں دوسرے کو شریک کرتا ہے اور اس کے ساتھ عبودیت اور نیازمندی کا وہ برتاؤ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا چاہیئے، اس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے بغاوت کرتا ہے۔ دوسرا وہ گروہ جو اس کے بندوں سے خصومت رکھتا ہے اور ان .... سے لڑتا جھگڑتا رہتا ہے۔ گویا دونوں مفسدین جن میں سے ایک خالق کے سامنے صف آرا ہوتا ہے

اور دوسرا وہ جو مخلوق سے برسرِ جنگ ہوتا ہے اس رات میں بھی اللہ تعالیٰ کی لٹتی ہوئی رحمتوں سے محروم رہتے ہیں۔

الغرض، حدیثوں کی روشنی میں، شبِ برات کے متعلق جو دینی پروگرام معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ اس مقدس رات کو عبادت اور طاعت میں گزارا جائے، نفل نمازیں پڑھی جائیں، تلاوتِ قرآن کریم کی جائے اور بارگاہِ خداوندی میں عجز و انکسار کے ساتھ دنیوی و اخروی صلاح و فلاح کے لئے گڑگڑا کر دعائیں مانگی جائیں۔ اس سے پہلے ہر قسم کے مشرکانہ عقیدوں اور اعمال سے توبہ کر لی جائے، اور دشمنی اور کینہ سے بھی دل کے آئینہ کو صاف کر لیا جائے قبرستان جا کر اپنے مرحوم عزیزاں دوستوں اور سب مسلمانوں کے لئے مغفرت طلب کی جائے۔ اگلے روز روزہ رکھا جائے۔ یوں بھی پورے شعبان المعظم میں زیادہ سے زیادہ روزے رکھے جائیں۔ البتہ رمضان المبارک سے ایک دن اور دو دن پہلے روزہ نہ رکھا جائے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے۔

اب مسلمانوں کو خود سوچنا چاہئے کہ اس پروگرام میں نہ حلوے کا ذکر ہے۔ نہ آتشبازی کا۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے رحمتوں کی بارش برسے اور ہم زمین سے اس کے جواب میں اناروں اور چھچھوندروں کی بدبو اڑائیں۔

حلوے کے سلسلہ میں عوام میں مشہور ہے کہ اس روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا تھا اور آپ نے حلوا تناول فرمایا تھا۔ یہ عجب جہالت کی بات ہے۔ باتفاق محدثین و ارباب سیر واقعہ احد جس میں سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا دندان مبارک شہید ہوا یہ واقعہ شوال المکرم ۳ھ میں پیش آیا تھا نہ کہ شعبان میں۔ پھر اس دن حلوا نوش فرمانے کا کوئی ثبوت نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴۲ کا) یہاں بادشاہ کو بادشاہ کی حیثیت سے نہیں بلکہ ایک مسلمان کی حیثیت سے آنا چاہئے۔" خلیفہ کی جب سعید پر نظر پڑی تو پوچھا یہ کون صاحب ہیں؟ عمر بن عبدالعزیز ان کے زہد و تقویٰ کے قائل تھے اور ان کو شاہی عتاب سے بچانا چاہتے تھے کہا سعید ہیں بصارت میں فرق آگیا ہے حضور کو دیکھتے تو کھڑے ہو جاتے مگر خلیفہ نے کہا کہ میں خود ان کے پاس جاؤں گا۔ خلیفہ سعید کے پاس نہایت ادب و احترام سے جاتے ہیں اور انکا مزاج پوچھتے ہیں تو سعید صرف جواب دیتے ہیں "الحمد للہ خیریت ہے"۔ اور پھر ذکر اللہ میں مشغول ہو جاتے ہیں انھوں نے کبھی کسی بادشاہ یا امیر کے عطیہ کو قبول کرنا پسند نہیں کیا اور نہ سلطنت وقت کے وظیفہ خوار بنے یہی وجہ تھی کہ ان کی زبان اظہار حق کے لئے ہمیشہ بے باک رہی ایک دن کا واقعہ ہے کہ خلیفہ ہشام کا قاصد ان کے پاس سے گذرا بلا کر پوچھا "بنی مروان کو تم کس حال میں چھوڑ آئے" قاصد بولا "بخیریت" فرمایا تم غلط کہتے ہو تم نے اس حال میں چھوڑا ہے کہ انسانوں کو بھوکا رکھتے اور کتوں کو کھلاتے ہیں۔ قاصد کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا مگر انکو کوئی پرواہ نہیں تھی دوستوں نے عرض کیا اپنی جان کے درپے کیوں ہو؟ جواب دیتے ہیں کہ جب تک حق پر ہوں خدا مجھ کو ہرگز بے یار و مددگار نہ چھوڑے گا۔

آخر ان بیباکانہ حق گوئیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ کرتا کے گرفتار کر دئیے گئے ان کے بدن پر ٹھنڈا پانی ڈالکر ان کو کوڑے لگائے گئے قید کیا گیا۔ ان کے قتل کا سامان ہوا اور آخر میں یہ فرمان جاری ہوا کہ نہ ان کے پاس کوئی بیٹھے اور نہ کوئی ان سے بات چیت کرے لیکن اس حالت میں بھی ان کی حق گوئی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ایک قاصد شقہ شاہی لے کر ان کے پاس آیا آپ نے شقہ کو فوراً بکری کے منہ میں دیدیا وہ چبا گئی، فرمایا اس کا یہی جواب ہے۔

(باقی آئندہ)

تاریخ اسلام میں حق گوئی کے چند مناظر

(منیبہ خاتون قاضیہ - ایم اے)

اسلام کا نہ صرف مسلمانوں ہی پر احسان بلکہ ساری دنیا پر احسانِ عظیم ہے کہ اس نے انسانوں کو ذہنی غلامی سے نجات دلائی اور ایک ایسا ذہنی انقلاب پیدا کر دیا جو اپنی مثال آپ ہے۔

اسلام کے ظہور سے قبل انسان تہذیب و تمدن اور معاشرت کے مفہوم سے کبھی آشنا نہ تھا۔ انسان کی تہذیب بھی قبائلی زندگی کے دائرہ تک محدود تھی۔ اور سماجی زندگی کا مقصد معدودے چند افراد کی برتری اور باقی ماندہ لوگوں کی اطاعت کیشی سمجھا جاتا تھا۔

اسلامی قانون میں حکام وقت کی حیثیت خادمانِ امت سے زیادہ نہیں رکھی گئی۔ اسلام نے اخلاقی قدروں میں جو انقلاب پیدا کیا وہ شاید مسلمانوں کی ابتدائی کامیابیوں کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ اسلام کے لئے سر جھکانا باطل کے سامنے نہیں بلکہ حق کے حضور ہے اس تعلیم کی رو سے خدا کے علاوہ کسی انسان کے آگے [illegible] حق گوئی سے اعراض کرنا اسلامی اخلاق کا سب سے بڑا گناہ ہے سیاست جس کا تعلق حکمرانی اور جہانبانی سے ہوتا ہے اس کے بارے میں بھی اسلام کا اصول بالکل صاف اور واضح ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ حاکمیت اور فرمانروائی صرف اللہ کے شایان ہے۔ ایک انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں۔ پیغمبر اسلام نے زندگی میں احکام الہیہ کو پیش کیا۔ اور اپنی ذات کو ہمیشہ مختلف پہلوؤں سے انسانیت اور بشریت کی حدود میں رکھا۔ خلافت راشدہ کے دور خلافت میں خلیفۂ وقت کی ذاتی حیثیت اسلامی معاشرہ کے ایک معمولی فرد سے زیادہ نہ تھی وہ حاکم تھے لیکن ان کی حاکمیت خدمت خلق کے مترادف تھی جس کی مثالیں تاریخ اسلام کے اوراق میں بکھری پڑی ہیں حضرت سعید بن مسیب جو تابعین میں سب سے بڑا مرتبہ رکھتے ہیں ان کے واقعات حریت پسندوں کے لئے نمونہ ہیں:۔ ۹۱ھ میں خلیفہ ولید جج سے فارغ ہو کر مدینہ تشریف لے گئے اس زمانہ میں عمر بن عبدالعزیز گورنر تھے خلیفہ نے مسجد نبوی میں جانے کا ارادہ کیا تو انہوں نے حکم دیا کہ مسجد سے سب لوگوں کو باہر کر دیا جائے حضرت سعید بن مسیب نہایت استقلال و وقار کے ساتھ بیٹھے رہے اور فرمایا "عجب خلیفہ آیا ہے جو خدا کے بندوں کو بیٹھنے سے روکتا ہے"۔ خلیفہ ولید جب مسجد کے دروازہ پر آ گیا تو پہرے داروں نے کہا خلیفہ آتے ہیں [illegible] ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے جواب دیا [illegible] کو سلام نہیں کر سکتا اور نہ مسجد میں اس امتیاز کی ضرورت ہے

(بقیہ صفحہ ۲۳ پر)

از مولانا محمد ولی رحمانی۔ ایم۔ ایل سی۔
(بہار)

مدارس اسلامیہ

ایک لمحہ فکریہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

[illegible] جہاں تک ملحق مدارس کا سوال ہے یہ تھوڑی تعداد میں ہی لیکن پہلے بھی موجود تھے۔ فرق یہ [illegible] سرکاری منظوری اور الحاق کے باوجود محض اپنے ظاہری ڈھانچہ کے اعتبار سے سرکاری تھے۔ لیکن ان میں تعلیم [illegible] یہ تھا جس کی روح، عام مدارس اسلامیہ کی روح سے مختلف نہیں تھی، ٹھوس علمی استعداد، دینی [illegible] دینی حمیت وغیرت کے نقوش وہاں بھی اسی طرح قائم تھے جس طرح غیر ملحق مدارس میں۔ لیکن آہستہ [illegible] ہماری معاشی دشواریوں اور دینی احساس کی کمی نے بدقسمتی سے ان مدارس کے قالب کو [illegible] بھی متاثر کر [illegible] اور اب صورت حال یہ ہو گئی ہے کہ اکثر و بیشتر ملحق مدارس میں طلبہ کا مقصد کسی [illegible] کا حصول [illegible] رہ گیا ہے، خود ان مدارس کے صاحب فکر و نظر علماء شدت سے محسوس کر رہے [illegible] دینی طلب اور دینی اخلاقی تربیت میں بھی کمی آ گئی ہے۔ مقصد اور طرز فکر میں تبدیلی ہونے [illegible] اور ڈگری کے حصول کی راہ میں ہر بات عملاً جائز قرار دے لی گئی ہے نتیجہ ہے کہ اکثر و بیشتر ملحق مدارس [illegible] صوفی حاجت اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ان مدارس کا مقصد اسلام کے سپاہی اور دینی [illegible] کے بجائے قوم میں کچھ ایسے افراد پیدا کرنا ہے، جو آسانی کے ساتھ سرکاری نوکریاں حاصل کر سکیں۔

[illegible] کے نصاب تعلیم میں علوم و فنون کی جو مختلف کتابیں داخل ہیں، ان میں عام طور پر جن متعین ابواب کو پڑھانا [illegible] ہے، وہ بھی نہیں پڑھائے جاتے بلکہ ان کی جگہ جب امتحان کا زمانہ آتا ہے، تو کچھ نوٹس کے ذریعہ طلب [illegible] بسا اوقات ان نوٹس کو پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی، امتحان دینے والوں کی "امدادی ٹیمیں" انھیں ہر قسم [illegible] [illegible] کرتی ہیں۔

[illegible] درجات تک ہے ان درجوں تک پڑھنے والے یہ طلبہ [illegible] کی بھی منظوری جن درجات تک ہے ان درجوں تک پڑھنے والے [illegible] تک تعلیم دے سکیں۔ —— لیکن امتحان کے وقت بڑی تعداد میں امیدوار فارم بھر دیتے ہیں، پھر امتحانات [illegible] ایک ہی مختصر [illegible] لکھنے والی [illegible] اور ہر چیز [illegible] بسا اوقات ختم ہو جاتا ہے کہ امتحان دینے والا [illegible] [illegible] افسوسناک صورت حال یہ ہے کہ یہ سب کچھ مسلمانوں کی [illegible] اور [illegible] [illegible] میں ——

کے استحکام" کے نام پر ہو رہا ہے۔

ان تکلیف دہ حالات کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ جب پچھلی نسل کے علماء اٹھالئے جائیں گے، تو علم دین ختم ہو جائیگا۔ کیونکہ اساتذہ کی مسندوں پر آج کے فارغین جلوہ افروز ہوں گے، جنھوں نے طالب علمی کا زمانہ گویا گذارا ہی نہیں، صرف امتحان دیتے اور کامیاب ہوتے رہے ہیں، ان کا مقصد نہ طلب علم رہا ہے، اور نہ طلب دین، بلکہ محض ڈگری سے صرف معاشی دشواریوں کا حل تلاش کرنا رہا ہے۔

میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ سبھی ملحقہ مدارس کا یہی حال ہے، ان میں کچھ مدارس کے حالات اچھے بھی ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ایسے مدارس جو اپنی "مقصدیت" کو باقی رکھنا چاہتے ہیں وہ بھی اب اس "طوفان" کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس محسوس کر رہے ہیں۔ اور خطرہ ہے کہ جلد ہی ان کے قدم بھی اکھڑ جائیں گے۔

غیر ملحق مدارس:- دوسری طرف وہ "مدارس" ہیں جنھوں نے سرکاری بورڈ سے الحاق نہیں کرایا ہے۔ علی العموم ان "مدارس" کا حال بھی افسوسناک ہے۔ اولاً تو ان کے پاس کوئی "مرتب نصاب تعلیم" نہیں ہے، کسی مدرسہ میں کچھ اور کسی میں کچھ اور پڑھایا جا رہا ہے، ہر مدرسہ چاہے اس کے پاس طلبہ کی معتد بہ تعداد اور معیاری اساتذہ کی ضرورت کے لائق ٹیم موجود ہو یا نہیں، وہ بخاری تک کی تعلیم دینا اپنے یہاں ضروری سمجھتا ہے، اس لئے کہ عوام کی نگاہوں میں مدارس کے طلبہ کی زیادہ تعداد اور اونچے درجہ کی تعلیم دکھانا ضروری ہے۔ طلبہ کی علمی اور اخلاقی تربیت کی اولاً تو فکر نہیں اور اگر ہو بھی تو اس سلسلہ میں کوئی مضبوط اصول نہیں اپنایا جا سکتا۔ اس لئے کہ ضرورت طلبہ کو مدرسہ کی نہیں، مدرسہ کو طلبہ کی ہوگئی ہے۔ طلبہ جب چاہیں گے کسی دوسرے مدرسہ میں چلے جائیں گے اور دوسرے مدارس ان کے ماضی کی تحقیق کئے بغیر اپنے یہاں داخل کرنے کے لئے ہر وقت تیار بیٹھے ہیں۔

عام طور پر ان مدارس میں تنخواہوں کا معیار اتنا گرا ہوا ہے کہ اساتذہ کے لئے اپنی ادنیٰ درجہ کی معاشی کفالت بھی دشوار ہے اور وہ اپنے کو تعلیم کے لئے یکسو نہیں کر پاتے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ "قناعت" ہمارے سلف کا طرۂ امتیاز رہا ہے، لیکن جہاں ایک طرف علماء اور اساتذہ میں قناعت کا جذبہ ہونا چاہیے اور زندگی کا مقصد اسکیل کی تکمیل اور تنخواہوں میں اضافہ قرار نہیں دینا چاہیئے۔ وہاں دوسری طرف منتظمین میں ان کو زیادہ سے زیادہ سہولت پہنچانے اور معاشی اعتبار سے یکسو کرنے کا حوصلہ بھی ضروری ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ علماء کی خالی جیبوں ہی میں خلوص کی ساری دلیل تلاش کی جائے۔

ان مدارس میں عام طور پر "امتحان" کا کوئی مؤثر نظام نہیں ہے، نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ کی صلاحیتیں کمزور سے کمزور تر ہوتی جارہی ہیں۔ چاہے کوئی طالب علم سال کے بڑے حصے میں غائب رہے۔ وہ امتحان میں ناکام بھی ہو جائے لیکن اسے آنے والے سال میں ترقی ضرور ملے گی۔ خصوصیت کے ساتھ اس وقت جب کہ وہ اس علاقہ کا رہنے والا ہو، یا ایسے با اثر لوگوں سے اس کا خاندانی تعلق ہو جن کے ذریعہ مدرسہ کو مناسب مالی امداد ملتی ہو۔ ان مدارس کا ایک تکلیف دہ پہلو یہ بھی ہے کہ نظم نام کی کوئی چیز موجود نہیں ہے۔ ہر مدرسہ اپنی جگہ خود "یونیورسٹی" ہے جس نے جب چاہا اپنا نصاب تعلیم بنالیا، جو جیسے چاہا تعلیم دی، جس کو جب چاہا داخل کر لیا، جب ضرورت محسوس ہوئی تعطیل ہوگئی۔

غرض یہ کہ اکثر و بیشتر آزاد مدارس بھی اس عظیم الشان مقصد کی تکمیل نہیں کر پا رہے ہیں، جسکی خاطر ان مدارس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اور جس احتیاط و تقویٰ کو سامنے رکھکر انھوں نے اپنے آپ کو ملحق نہیں کرایا تھا۔

کمزوری:- یہ تجزیہ خود ہمارے لئے بھی سخت تکلیف دہ ہے۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہم اگر اپنی کمزوریوں سے آنکھیں بند کر لیں تو یہ ان کمزوریوں کا علاج نہیں ہوگا۔ اپنی خامیوں کا اعتراف جرأت، اور اپنی بیماریوں کا علاج دانشمندی ہے۔ اس لئے ہم نے درد کے احساس کے ساتھ اپنی خامیوں کی نشاندہی کی ہے۔

اہم سوالات:- اب ہمارے سامنے یہ سوالات ابھرتے ہیں کہ ہم

(۱) کس طرح مدارس اسلامیہ کے طلبہ اور علماء میں یہ احساس پیدا کریں کہ "دنیا طلبی" کو دین کے مقابلہ میں کمتر جانیں اور یکسو ہو کر "دین کا علم دین کے لئے" طلب کرنے میں مشغول ہوں۔

۲- کس طرح ہم مدارس کا تعلیمی معیار بلند کریں کہ اچھے متبحر اور مختلف علوم وفنون میں ماہر علماء پیدا ہو سکیں۔

۳- طلبہ کی دینی، اخلاقی اور ذہنی تربیت ہم کس طرح کریں کہ وہ اپنے مزاج، طرز معاشرت ایمانی، جرأت اور حمیت دینی کے اعتبار سے موجودہ عہد میں اپنا "داعیانہ کردار" ادا کرنے کے اہل ہو سکیں۔ اور ان کا فکر و ذہن مدرسہ کی مقصدیت کو قبول کرلے۔

۴- ان عظیم مقاصد کے حصول کے لئے ہمیں غور کرنا ہوگا کہ "ملحق مدارس" ہوں یا "غیر ملحق" ہمیں خود ان مدارس کے نظام میں کیا تبدیلیاں لانی ہوں گی؟ اور اپنے اوپر کیا پابندیاں عائد کرنی ہوں گی؟

۵- کیا ہم مدارس ملحقہ و غیر ملحقہ پر مشتمل ایسے "وفاق" کی تشکیل کر سکتے ہیں جو کم سے کم متفق علیہ امور پر ان مدارس کو مجتمع کر سکے؟

۶- کیا ہم مدارس غیر ملحقہ کو کسی ایسے نظام کے ساتھ وابستہ کر سکتے ہیں جو ان کے انتشار اور پراگندگی کو بڑی حد تک دور کر کے ان کی کارکردگی میں بہتری لا سکے؟

یہ اور اس طرح کے بہت سے حالات، مسائل اور سوالات ہیں، جن کو حل کرنے کے لئے پورے "اخلاص" اور باہمی اعتماد کے ساتھ ہمیں بیٹھنا ہوگا۔ اور کسی نہ کسی فیصلہ تک پہنچ کر اسے بروئے کار لانا ہوگا۔ ورنہ تاریخ ہماری اس مجرمانہ غفلت کو بھی معاف نہیں کرے گی۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۲۰ کا) حبیب بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہما مسیلمہ کذاب سے نہ ڈرے اور نہ اس کو پرکاہ کے برابر وقعت دی۔ مسیلمہ کذاب نے ان کو گرفتار کر لیا تھا اور مقید کر رکھا تھا۔ پھر جب اس نے ان سے کہا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ میں خدا کا رسول ہوں تو وہ بولے۔ میں نے نہیں سنا کہ تم نے کیا کہا۔ اور پھر اس نے کہا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ تو وہ بولے ہاں۔ اس پر اس ظالم نے ان کا ایک ایک عضو کاٹنا شروع کیا۔ ہر مرتبہ ان سے سوال کرتا رہا اور وہ وہی جواب دیتے رہے، یہاں تک کہ ان کا ایک ایک بند کاٹ ڈالا گیا اور وہ اپنے اعتقاد و ایمان اور اپنے دین کے اخلاص پر قربان ہوگئے۔

اور یہی روحانی قوت تھی جس کی برکت سے سلطان صلاح الدین ایوبی اور ان کے بہادر ساتھی صلیبی جنگوں میں یورپ کے ظالم و سفاک مسیحی حملہ آوروں سے ڈٹ گئے اور انھیں ذلیل و خوار ہو کر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ یہ اسلام ہی کی روحانی قوت ہے جس کے باعث الجزائر کے چند ہزار مسلمان اسلحہ کی کمی، ساز و سامان اور حامیوں کی قلت کے باوجود لاکھوں منظم فرانسیسی فوجیوں کے ظلم و سفاکی کا مقابلہ کرتے رہے جن کے پاس ہر ممکن التصور اسلحہ تھا ہزاروں موٹر ٹینک تھے۔ اور ان کی پشت پر خدا کے دشمن اور اسلام کے دشمن سب کے سب تھے، جو ان کو ہر قسم کے ہتھیار اور سامان بہم پہنچاتے رہتے تھے۔

اسلام کی اسی روحانی قوت کے طفیل جزیرۃ العرب کے تمام علاقوں میں مسلمان عرب لوہے اور آگ کے سامنے جمے ہوئے ہیں اور خدا کے باغیوں کو ان کے ظلم و شر کا ترکی بترکی جواب دے رہے ہیں۔ وہ اپنے اسلام پر قائم ہیں اور انشاء اللہ قائم رہیں گے۔

یہی اسلام کی روحانی قوت ہے جس نے بعض اسلامی ملکوں میں عیسائی مشنریوں کی جماعتوں کو ان کے مقاصد میں ناکام کر دیا ہے۔ اسلام کے خلاف وہ سونے اور چاندی کے جو ڈھیر لا لا کر صرف کر رہے ہیں ان سب کو بے کار کر کے رکھ دیا ہے۔ یہ مشنری جماعتیں اور سوسائٹیاں اپنے وسیع سیاسی دباؤ اور اثر و رسوخ کے باوجود کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔ اگر مسلمان اقوام ہم کو وہ تمام ساز و سامان مہیا کر دیں جو ان مشنریوں کو حاصل ہے اور وہ آسانیاں بہم پہنچائیں جو میسر ہیں اور ہم بھی اسلام کی طرف سے جو فرائض ہم پر عائد ہوتے ہیں ان کو مشرق و مغرب میں ادا کریں تو تم دیکھو گے کہ لوگ ہر علاقے اور خطے میں اسلام کے اندر فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں۔ یہ باتیں سنکر میرے دوست نے کہا اب میرا دل مطمئن ہوا۔ میرا سینہ کھل گیا۔ اور مجھ پر راز حقیقت واضح ہو گیا۔

مشرقی عورت سے

ظفر ہاشمی

اے کمالِ دستِ فطرت پیکرِ ناز و ادا ۔ اے پیامِ سیلِ نور و نکہتِ خلق ہما ۔ آہ اس نیلام میں کیا سوچ کر تو آ گئی ۔ شمعِ خانہ کی لقب ہے کس لیے گھبرا گئی
اے نشاط و پیچ و بوئے گل موجِ صبا ۔ اے زہرہ یا الوادی بر ربطِ راحت فزا ۔ عقل تیری دیکھ کر ہی دیکھتے چکرا گئی ۔ بیٹھے بیٹھے دیدہ و دانستہ ہو کا گھ[illegible]

تو کتابِ زندگی کی دلنشیں تحریر ہے ۔ نفس کی تسکین ہی احساسِ بیداری نہیں
کائناتِ آب و گل کی دلربا تصویر ہے ۔ عظمتِ تہذیبِ مشرق حسنِ بازاری نہیں

تیرے جلووں سے منور ہے ضیائے آفتاب ۔ کر رہی ہے ماہِ عالمتاب جس سے اکتساب ۔ تیری نظروں میں حیا و شرم کی کیفیت کہاں ۔ تجھ کو یاں آبرو و عزت و عصمت کا [illegible]
حاملِ دنیائے رنگ و بو ہے تیرا شباب ۔ نرم و نازک جسم تیرا جیسے مینائے شراب ۔ تیرے سینے میں نہاں گنجینہ شفقت کا ہے ۔ نرم و نازک دل میں تیرے جذبۂ [illegible]

باعثِ تسکینِ جاں تیرا ہر اک انداز ہو ۔ تو وہ گل ہے جس میں خوشبوئے وفا باقی نہیں
واقعی تو مہ جبین رقص گاہِ ناز ہے ۔ تجھ میں عورت کی تو کوئی بھی ادا باقی نہیں

یہ بیان [illegible] و مہر و محبت کی جھلک ۔ جسمِ نازک پر بہار دلکش و رو تابلم کب ۔ یہ فسونِ مغرب ہے آزادیٔ نسواں نہیں ۔ ساغرِ زہرِ آب ہے یہ چشمۂ حیوا[ں نہیں]
نازشِ شعلہ نما [illegible] کی ۔ سینۂ جذبات میں حسنِ تصور کی کسک ۔ بنتِ مشرق داستانِ شوق کا عنواں ہے تو ۔ کس کے دستِ جورِ باغِ محفل [illegible]

وصل کا پیغام آنکھوں میں گریباں چاک ہے ۔ تو وہ موتی ہے سدا جو سیپ کے دل میں رہے
[illegible] اندازِ تکلم کس قدر بیباک ہے ۔ تو وہ لیلائے محبت ہے جو محمل میں رہے

[illegible] ہوں حسن کی تو زیبِ نقشِ [illegible] تصویر دیکھ ۔ گلشنِ تہذیب تیرا کوئی بہار [illegible]
[illegible] اپنا نقشِ تصویر دیکھ ۔ خوابِ آبادیٔ انساں کی [illegible] تعبیر دیکھ ۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

رکوع و سجود میں ایسی کشش ہوتی ہے

کہ

کوئی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا

(امریکی نومسلم پروفیسر اے ایچ ، پی ہیوٹ)

عیسائیت کو میں نے چھوڑا ہے اور اسلام کو اختیار کیا ہے مجھے یہ بات تسلیم ہے کہ مسیحیت میں بھی حق وصداقت اور مفید اصول موجود ہیں اور اگر مذہب سے وہ تمام بدعتیں دور کر دی جائیں جو پادریوں نے پیدا کر دی ہیں تو یہ مذہب بھی انسان کے لئے مفید بن سکتا ہے ۔ لیکن ان بدعتوں نے اس کی اصل صورت کو بگاڑ دیا ہے ، اور بالکل بے جان کر دیا ہے ۔

اس کے برخلاف اسلام ہی اس شکل میں ہے جس میں وہ جلوہ گر ہوا تھا اور چونکہ میں ایسے مذہب کا متلاشی تھا جو آمیزش سے پاک ہو اس لئے میں نے اسلام قبول کر لیا ہے ۔ کسی عیسائی کلیسا میں چلے جایئے وہاں نقش و نگار اور مورتیوں کے سوا آپ کو کچھ نہیں ملیگا ۔

اس کے علاوہ پادریوں کے زرق برق لباس پر نظر ڈالئے ۔ پھر ان کے طریقوں ، راہبوں اور راہبنوں کے ہجوم کو دیکھئے تو اور روحانیت سے دور کا بھی تعلق دکھائی نہیں دیتا ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم کسی عبادت گاہ میں نہیں ہیں بلکہ ایسے بت خانہ میں ہیں جو صرف بتوں کی پوجا کے لئے بنایا گیا ہے ۔

اس کے بعد مسجد پر نظر ڈالئے وہاں نہ آپ کو کوئی مورت دکھائی دے گی اور نہ تصویر پھر نمازیوں کی صفوں پر نظر ڈالئے ہزاروں چھوٹے بڑے انسان شانہ ملائے کھڑے نظر آئیں گے ۔ امام کو دیکھئے تو اس کا لباس بھی سادہ ہوگا ۔ سچ تو یہ ہے کہ نماز میں رکوع و سجود کا منظر اس قدر جاذب قلب ہوتا ہے کہ کوئی انسان بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔

مسجد کی پوری فضا اور اس کی تمام چیزیں روحانیت کی جانب انسان کی رہنمائی کرتی ہیں ، نہ یہاں تصنع ہے نہ بناوٹ کی قسم کی کوئی چیز ۔ اس کے برخلاف کلیسا کی تمام چیزوں میں مادی دنیا کا مظاہرہ بہت زیادہ ہے ۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ کہیں گے کہ پروٹسٹنٹ مذہب تو ان عیوب سے پاک ہے ، اس نے تو ان گرجوں سے بت اور تصویریں نکال پھینکی ہیں ۔ تم نے اسلام کے بجائے اسے قبول نہیں کیا ۔ بلا شبہ پروٹسٹنٹ مذہب حقیقی مسیحیت سے قریب تر ہے ۔ باوجود اس اعتراف کے مسیح علیہ السلام جلیل القدر پیغمبر تھے میں ہرگز ان کی الوہیت کا قائل نہیں جو میری ہی طرح گوشت پوست رکھتے تھے ، میرا یہ کوئی اپنا عقیدہ نہیں بلکہ ابتدا ہی سے اس کا اظہار کرتا رہا ہوں اسلام نہ صرف حضرت مسیح علیہ السلام ہی کا پورا احترام سکھاتا ہے ۔ بلکہ دنیا کے تمام مذاہب اور بانیان مذاہب کے احترام کی دعوت دیتا ہے ۔ میں عرصۂ دراز سے اسلام کی طرف رجوع تھا لیکن میرا ایمان اتنا قوی نہ تھا کہ میں پہلے دھڑلے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر سکتا ۔

یہ مذہب کسی انسان یا سوسائیٹی کے خوف کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں پوری طرح اسلام کی خوبیوں اور صفتوں سے واقف نہیں تھا، میں اسلام کے بارے میں اسلام کی کتابوں کا مطالعہ کرتا رہا اور میری آنکھیں کھلتی گئیں، اور مجھے صاف طور پر اس دین متین کی خوبیاں اور اس کے پیغمبر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا بنی نوع انسان پر احسان معلوم ہو گیا۔ اور آخر میں نے اس دین فطرت کو اپنا مذہب بنا لیا۔ اسلام میں توحید پرستی جیسی میں نے پائی ہے وہ کسی دوسرے مذہب موجود نہیں ہے۔ اور اسلام کی توحید پرستی نے مجھے سب سے پہلے اس مذہب کی جانب مائل کیا۔

اسلام میں جو سب سے بڑی خوبی میں نے پائی ہے وہ یہ ہے کہ وہ صرف روحانی ترقی ہی کا نہیں بلکہ دنیاوی ترقی میں بھی بہت بڑا مدد و معاون ہے۔ وہ انسان کو گوشہ نشینی اور راہبانہ زندگی گذارنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ وہ کار گاہ حیات میں بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے، وہ دینی معاملات میں ہی انسان کی راہ نمائی نہیں کرتا بلکہ دنیا کے ہر معاملہ میں انسان کو راستہ بتایا ہے۔ اور قدم قدم پر بنی نوع انسان کو روشنی دکھاتا ہے۔

اسلام نے دنیا کو عاقبت کی کھیتی قرار دیا ہے اور اسے حق قرار دیا ہے کہ وہ دینی فرائض سے بھی غافل نہ ہو۔ سچ تو یہ ہے کہ موجودہ سائنسی دور میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو ترقی یافتہ دنیا کا ساتھ دے سکتا ہے۔ اسلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ تنگ نظری اور تعصب کا شدید مخالف ہے۔ وہ صرف اپنے ہم مذہبوں ہی کے ساتھ مروت یا محبت کی ہدایت نہیں کرتا بلکہ وہ کل بنی نوع انسان کے ساتھ خواہ وہ کسی بھی مذہب و ملت سے کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں ہمدردی و مساوات کا حکم دیتا ہے، وہ تفریق کا نہیں اتحاد انسانی کا قائل ہے، سچ تو یہ ہے کہ اس مذہب نے پہلی مرتبہ انسان کو انسانیت کا سبق پڑھایا۔

میں گذشتہ پانچ سال سے مذہب اسلام کا پیرو ہوں جس چیز نے میرے ایمان کو تقویت دی وہ اسلام کے بلند اور پاک اصول ہیں۔ اس کی عالمگیر اخوت ہے۔ اس کی بے نظیر مساوات ہے اور اس کا علم و عرفان ہے اور اسکے میرے دل و دماغ میں ایک نئی روشنی پیدا کر دی ہے۔

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جو سرتاپا علم و عمل ہے۔ بلکہ میں یوں کہوں گا کہ اسلام ایک ایجابی دین ہے۔ کوئی اگر صحیح معنوں عیسائی بننا چاہے تو اسے دنیا سے کنارہ کشی کر کے گوشہ نشینی اختیار کرنا ہوگی۔ لیکن اسلام میں رہ کر دنیا کی تمام مسرتوں اور نعمتوں سے مستفید اور مستفیض ہو سکتے ہیں۔ نہ ہمیں عبادت کا گوشہ تلاش کرنا ہوگا اور نہ ہی ویرانوں میں زندگی بسر کرنا ہوگی اگر انسان کو دنیا میں اسی لیے بھیجا گیا ہو کہ وہ گوشہ نشینی میں اپنی زندگی برباد کرے تو سمجھ میں نہیں آتا کہ انسانی زندگی کا کیا مقصد ہے۔

یہ صرف اسلام نے بتایا ہے کہ انسان اس کارگاہ حیات میں رہ کر قدرت کی ہر چیز سے فائدہ اٹھائے۔ مگر ساتھ ہی اپنے پروردگار اور اس کی مخلوق کو نہ بھولے۔

میں نے جب سے اسلام قبول کیا ہے، انتہائی سکون محسوس کر رہا ہوں۔ میری دنیا بھی درست ہو گئی ہے اور میری عاقبت بھی۔ (الرسالہ)

بیان اللسان

مکمل اور جامع عربی سے اردو ڈکشنری!

مصنفہ مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

آپ کی میز پر ہونی ضروری ہے

○ ——— خواہ آپ قرآن کریم اور حدیث شریف کو سمجھ کر پڑھنا چاہیں۔
○ ——— خواہ آپ عربی زبان کے بے مثال علمی و ادبی سرمایہ سے استفادہ کرنا چاہیں۔
○ ——— خواہ آپ عالم اسلام سے تجارتی و معاشرتی تعلقات رکھنا چاہیں۔
○ ——— خواہ آپ عرب ملکوں میں ملازمت کرنا چاہیں۔ ہر حال میں آپکو "بیان اللسان" کی ضرورت ہے

جو تیس سال سے عربی سے دلچسپی رکھنے والے ہر طالبعلم اور استاد کی لازمی ضرورت کی چیز تسلیم کی گئی ہے اور جسے حضرت مولانا حسین احمد مدنی حضرت علامہ سید سلیمان ندوی حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی اور حضرت مولانا عبد الماجد دریابادی جیسے چوٹی کے مشاہیر علم و اصحاب فضل نے دل کھولکر خراج تحسین ادا کیا ہے۔ اور جو اپنی بے نظیر خوبیوں کی وجہ سے بار بار چھپ کر ہاتھوں ہاتھ نکل چکی ہے صرف چند خصوصیات ملاحظہ ہوں

○ ——— تقریباً بتیس ہزار عربی الفاظ و محاورات اس میں آگئے ہیں۔
○ ——— قدیم الفاظ کے علاوہ جدید عربی کے لغات بھی اس میں شامل ہیں۔
○ ——— ہر لفظ کو اپنی اصلی صورت میں لغت قرار دیا گیا ہے۔ مادہ تلاش کرنیکی ضرورت پیش نہیں آتی۔
○ ——— ہر لفظ پر اعراب (زیر و زبر پیش) لگا دیا گیا ہے۔
○ ——— ہر واحد اسم کی جمع اور جمع کا واحد اور ہر فعل کا باب اور صلہ بتا دیا گیا ہے۔
○ ——— شروع میں عربی زبان کے ضروری قواعد اور آخر میں ضرب الامثال اور عربی محاورات مع ترجمہ و تشریح لکھدیے گئے۔

تازہ ایڈیشن بڑی انتظار کے بعد عمدہ سفید کاغذ پر مضبوط اور حسین پلاسٹک کی جلد کے ساتھ $\frac{۲۰×۳۰}{۱۶}$ کے ۹۳۶ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ قیمت بیس روپے۔

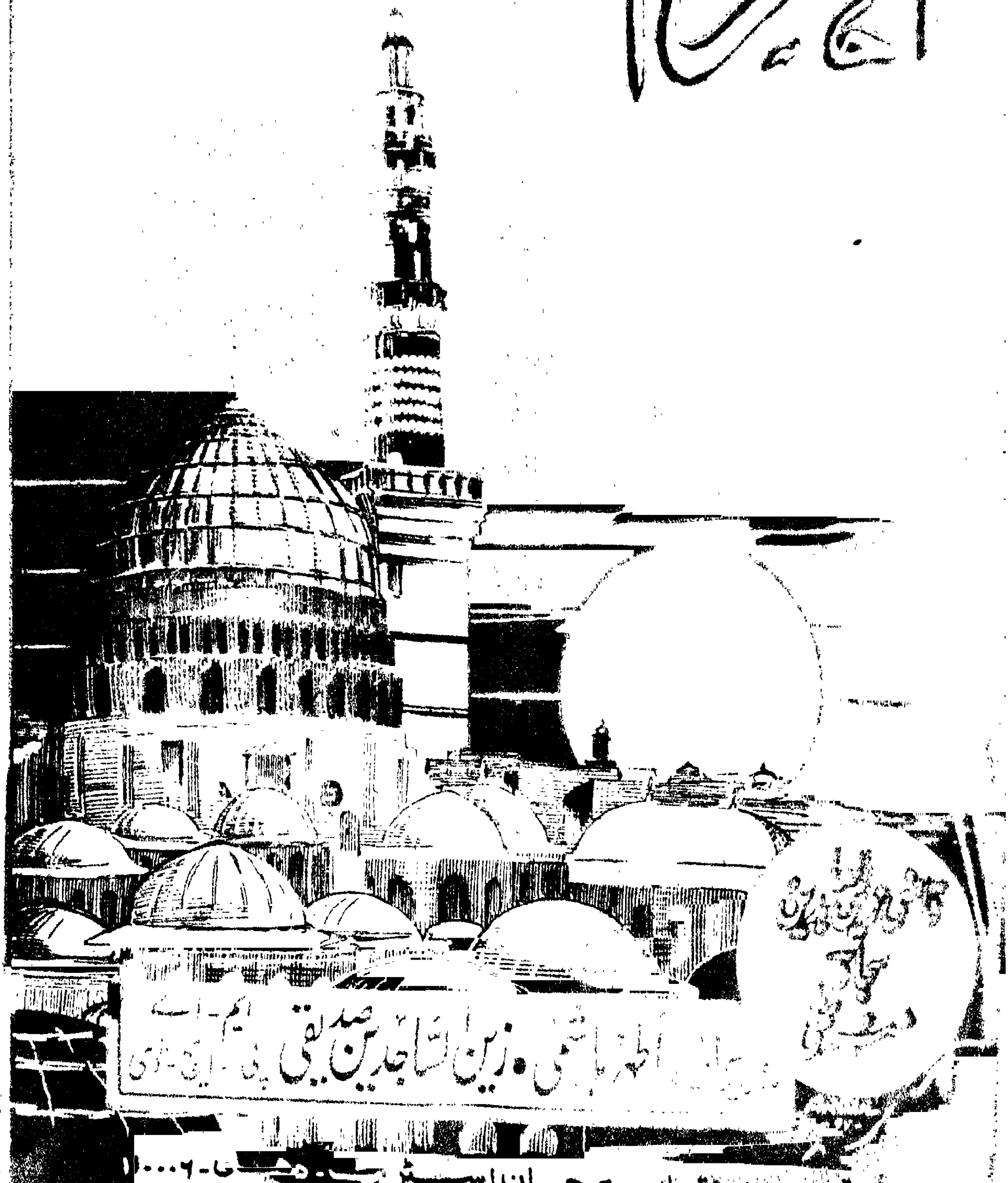
محصول ڈاک چار روپے پہلے اپنے ہاں کے تاجران کتب سے طلب کیجئے تاکہ محصول ڈاک کی کفایت ہو۔ نہ ملنے اس پتہ سے طلب فرمائیے۔

منیجر مکتبہ علمیہ ۔ قاضی منزل ۔ قاضی اسٹریٹ ۔ میرٹھ (یو۔پی)

قسم کی
تصویر
قریب
ہی طرح
نہ صرف
کی دعو
سلمان

Regd. No. D (D) 704 ALHARAM DELHI JULY 1978
Registered with the Registrar of News Papers No. R. N. 28987/77

الحرم



زین العابدین صدیقی ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی

دفتر۔ ۲۱۱۷۔ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶-۱۱۰۰۰۶

[illegible]

علمی دینی و تبلیغی ماہنامہ

دہلی

مدیر اعلیٰ
قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

مدیران
اطہر ہاشمی بی اے علیگ
قاضی زین الساجدین صدیقی
ایم اے پی - ایچ - ڈی

چندہ سالانہ
ہندوستان سے بارہ روپے
پاکستان سے بیس ”
بنگلہ دیش سے چودہ ”
محسنین کرام سے یکصد روپیہ ۱۰۰
فی پرچہ ایک روپیہ

۲ | اگست ۱۹۷۸ء مطابق رمضان المبارک ۱۳۹۸ھ | نمبر ۷

نمبر شمار	مضامین		صفحہ
۱	نقوش اولین	مدیر	۲
۲	معارف القرآن۔ (شب قدر)	قاضی زین العابدین	۵
۳	قرآن کی فریاد	جناب ماہر القادری مرحوم	۸
۴	روزہ	قاضی زین العابدین	۹
۵	لطائف اشرفی	ڈاکٹر نثار احمد فاروقی	۱۱
۶	دعوت قرآنی کی اثر آفرینی	مولانا سید انظر شاہ کشمیری	۱۵
۷	دولت سے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر	ڈاکٹر محمد ابو شہبہ مصری	۱۷
۸	اسپین کی اسلامی حکومت میں فلسفہ کا ارتقاء	غلام سقلین صاحب ایم اے	۲۰
۹	ہمارے دینی مدارس اور ان کا نظام تعلیم	مدیر	۲۳
۱۰	ایک عالم باعمل۔ ابراہیم حربی رح	منیبہ خاتون قاضیہ۔ ایم اے	۲۷
۱۱	رمضان المبارک اور عید الفطر کے معتبر مسائل	دار العلوم دیوبند	۲۹

گذارش (۱) ازراہ کرم چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں بذریعہ وی پی طلب کرنے میں تین روپے مزید خرچ ہوں گے (۲) ماہنامہ صاف انگریزی اور اردو میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط میں لکھیں اور نمبر خریداری بھی لکھیں (۳) ایڈیٹر سے متعلق ہر قسم کی خط و کتابت سب آفس میرٹھ کے پتہ پر کریں۔

جنرل منیجر:۔ زین الراشدین (بی۔ کام)

ہیڈ آفس۔ ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ۔ دہلی ۶ سب آفس: قاضی اسٹریٹ میرٹھ

زین العابدین سجاد پرنٹر پبلشر نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر الرحمٰن ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶ سے شائع کیا

نقوشِ اولین

مدیر

جامعہ ملیہ ہنگاموں کے طوفان میں

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی آج کل جس ہنگامہ آرائی اور گروہ بندی کے دور سے گزر رہی ہے اس سے ہر دردمند ملت مسلمان کا جگر خوں ہو رہا ہے ۱۹۲۰ء میں علی گڈھ کالج سے بددل ہو کر رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم نے ، سرسید مرحوم کے خواب کی صحیح تعبیر پیش کرنے کی جن مقدس آرزوؤں کے ساتھ اس کے قیام کا بیڑا اٹھایا تھا ، اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ تعالیٰ نے علم و دین کی راہ میں ایثار و قربانی کی جن بہترین توقعات کے ساتھ اس کی بنیاد رکھی تھی ، وہ تو اسی روز ختم ہو گئیں جب جامعہ نے یونیورسٹی کا درجہ حاصل کیا اور سرکاری امداد کی دولت کے خزانے اس کے لئے کھل گئے ۔ اب جامعہ کے معمولی لیکچروں کو ہزار ہزار روپے ماہوار تنخواہیں ملنے لگیں ۔ پہلے جامعہ کے وائس چانسلر ڈاکٹر ذاکر حسین مرحوم ساٹھ روپے ماہوار پر گزر کرتے تھے ، نئے وائس چانسلر چار ہزار ماہوار لیتے ہیں ، ایک ہزار ماہوار کی شاندار کوٹھی میں رہنے لگے ۔

چنانچہ اب جامعہ ملیہ کی طرف وہ لوگ دوڑنے لگے جن کا مطمح نظر بڑی تنخواہ اور آرام کی زندگی تھا صاحب اقتدار اصحاب نے ریوڑیوں کی تقسیم اپنے گھروں سے شروع کر دی اور اپنی اولاد اور عزیزوں کو جامعہ میں بھر دیا ۔ چنانچہ ایک ایک خاندان کے ایک ایک درجن افراد یہاں جمع ہو گئے پھر ان میں عہدوں کی دوڑ شروع ہو گئی ۔ لیکچرر ریڈر اور ریڈر پروفیسر بننے کی تگ و دو میں لگ گئے اور ہر قسم کے ذرائع اور تمام دماغی صلاحیتیں ان مقاصد کے حصول کے لئے صرف ہونے لگیں ۔ جگہ چھوٹی تھی ۔ مقابلہ سخت نہ تھا ۔ اس لئے "ملاءِ اعلیٰ" کی نظر کرم ہوتی تو کامیابی آسانی سے ہو جاتی ۔ مگر جب تھرڈ کلاس ایم اے ریڈر بن جاتے تو ان سے بہتر ۔۔۔ کے لیکچرروں کے دلوں میں عداوت کی آگ سلگتی اور نوبت مقدمہ بازی تک آ جاتی پروفیسروں میں بھی حصول اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی ۔ کرسی اقتدار پر قابض ہونے کے لئے طلبہ کی فوجیں بھی استعمال ہونے لگیں ۔ ان کو بھی مختلف قسم کے لالچ دئے جاتے مگر جب وہ وعدے پورے نہ ہوتے ۔ تو دوسرے کے ساتھ لگ جاتے اس طرح جامعہ ملیہ اسلامیہ کشمکش اقتدار کا میدان جنگ بن گئی ۔

پرانے لوگ جو جامعی زندگی کا نمونہ تھے اکثر ریٹائر ہو گئے اور کچھ نے حالات سے بددل ہو کر استعفیٰ دیکر علیحدہ ہو جانے میں عافیت دیکھی ان حالات کا آغاز پروفیسر محمد مجیب کے دور میں ہو چکا تھا ۔ مگر وہ اپنی ذاتی بزرگی اور علمی عظمت کے لحاظ سے سب کی نظروں میں قابل احترام تھے جہاں تک اپنی ذات کا تعلق تھا ، اقرباء نوازی سے احتراز کرتے تھے اور سب کو اپنی جگہ مطمئن کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اس لئے یہ نزاعات دبے رہے مگر بعد والے ان خوبیوں سے محروم تھے اس لئے یہ لاوا پھوٹ پڑا ۔

گذشتہ سال جب ناربیٹ تک نوبت پہنچی تو جامعہ کے چانسلر ، سابق چیف جسٹس ہدایت اللہ صاحب نے (جو آج کل نائب صدر جمہوریہ مقیم ہیں) جامعہ کے حالات کی تحقیقات جسٹس مرتضیٰ فضل علی صاحب کے سپرد کی ۔ ابھی یہ رپورٹ شائع نہیں ہوئی ہے

کے ذریعے معلوم ہوا ہے کہ جب یہ رپورٹ ۶ اگست کو مجلس منتظمہ کی میٹنگ میں پیش کی جائے گی تو دفتر کے باہر اساتذہ و ملازمین مظاہرہ کریں گے۔ مظاہرہ اس لئے ہوگا کہ یہ رپورٹ مجلس منتظمہ میں پیش نہ ہو جس کی صدارت شیخ الجامعہ مسعود حسین خاں کریں گے کیونکہ وہ خود اس معاملات میں ایک فریق کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بلکہ جامعہ کی مجلس عمومی میں پیش ہو۔ بہرحال جسٹس فضل علی کی رپورٹ بہت سے حقائق کا انکشاف کرے گی۔ مگر اس کی بڑی کمی یہ ہے کہ یہ صرف دو سال کی بدنظمیوں سے متعلق ہے۔ حالانکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ جامعہ کی دس سال کی بدعنوانیوں کی جائزہ لیا جاتا۔ اس دور کے تمام تقررات کی چھان بین کی جاتی اور معلوم کیا جاتا کہ کس کس صاحب اقتدار نے جامعہ سے کیا کیا ناجائز فائدے اٹھائے ہیں، کس کس طرح اہلیت نہ ہوتے ہوئے اونچی کرسیوں پر قبضے جمائے ہیں اور پھر کس کس طرح اپنے اثرات سے ناجائز فائدہ اٹھاکر، بلکہ قوانین میں کتر بونت کرکے اپنی اولاد اور عزیزوں کی کھیپ جامعہ میں بھری ہے۔ ہماری رائے ہے کہ حالات کی صحیح تصویر سامنے لانے کے لئے یہ ضروری ہے اور بےحد ضروری ہے۔ ہم اب تک اس سلسلہ میں کچھ لکھنے سے احتراز کرتے رہے۔ مگر آج کا اخبار پڑھ کر بےساختہ یہ سطور قلم سے نکل گئیں۔ ناظرین کرام اندازہ فرمالیں گے کہ ہم نے کسی ایک گروہ کی مخالفت اور دوسرے کی حمایت نہیں کی بلکہ خلفشار کی جڑوں کو کرید کر سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔ تاکہ مرض کے صحیح اسباب سامنے آئیں اور علاج آسان ہو۔

متبنّیٰ بل کی واپسی: مسلمانان ہند کے لئے یہ خبر باعث مسرت ہے کہ "متبنّیٰ بل" جس کا مقصد قرآن کریم کے صریح حکم کے خلاف شرعی وارثوں کو محروم کرکے لے پالک گود لینے والے کی وراثت کا حقدار بنانا تھا، واپس لے لیا گیا ہے۔

۱۹۷۲ء میں گزشتہ کانگریسی دور حکومت میں جب یہ بل پیش کیا گیا تھا اسی وقت سے مسلمانوں نے یک آواز ہوکر اس کی مخالفت کی۔ مسلمانوں کی تمام تنظیموں نے اس کے خلاف پرزور تجاویز منظور کیں اور مسلمانوں کو اس کے دائرہ اثر سے خارج کرنے کا مطالبہ کیا۔ پارلیمنٹ کی جوائنٹ سلیکٹ کمیٹی رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے جن شہروں میں پہنچی وہاں اسے بل کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم اسے واپس نہیں لیا گیا بلکہ سرد خانہ میں ڈال دیا گیا تھا۔ گذشتہ ماہ موجودہ حکومت اس کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے، اسے پارلیمنٹ میں پیش کیا۔ وہاں ہر پارٹی کے مسلم ممبروں نے اس کی پرزور مخالفت کی اور اسے مسلمانوں کے پرسنل لا میں صریح مداخلت قرار دیا۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ جنتا پارٹی اور کانگریس پارٹی کے مسلم ممبران پارلیمنٹ کے علاوہ دونوں جماعتوں کے کئی غیر مسلم ممبران نے بھی اس کی مخالفت کی اور اسے واپس لینے کا مطالبہ کیا۔

بالآخر ۱۹ جولائی کو وزیر قانون شری شانتی بھوشن نے ایوان میں یہ مسرت بخش اعلان کیا کہ "مسلمانوں کی طرف سے اس بل کی مخالفت کی وجہ سے حکومت اسے واپس لیتی ہے"

غالباً یہ پارلیمنٹ کی تاریخ میں پہلا واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی متفقہ رائے کا احترام کیا گیا ہے اور ان کی مخالفت کی وجہ سے بل کو واپس لیا گیا ہے۔ اس سے جہاں اہم اسلامی مسائل میں مسلم جماعتوں کے اتحاد اور یکجہتی کی اہمیت واضح ہوتی ہے وہاں جنتا حکومت کی دور اندیشی اور انصاف پسندی کا بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ہم حکومت کے اس مدبرانہ اور منصفانہ فیصلہ پر اسے مبارکباد دیتے ہیں اور توقع رکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے دوسرے اہم مسائل میں بھی یہی طریق عمل اختیار کیا جائے گا۔

علامہ انور شاہ کشمیری اکاڈمی: اکتوبر ۱۹۷۷ء میں، کشمیر میں حضرت استاذ العلماء مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ پر جو یادگار سیمینار منعقد ہوا تھا اس کی مفصل روئداد "الحرم" میں شائع ہو چکی ہے۔ اس سیمینار کی روح یہ تجویز تھی کہ حضرت شاہ صاحب کی تصنیفات کو جدید انداز تحقیق و تہذیب کے ساتھ دل آویز شکل و صورت میں شائع کرنے اور آپ کے علوم و معارف

کو تشریح و تسہیل کیساتھ زیادہ سے زیادہ اصحاب علم تک پہنچانے کے لئے علامہ انور شاہ اکاڈمی" قائم کی جائے۔ اس تجویز کو کشمیر کے معارف نواز وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ صاحب نے بھی پسند فرمایا تھا۔ اور سمینار کے بعد مختلف ضیافتوں میں اور خود ان کے دولت کدہ پر لوگوں کی جو ملاقاتیں ہوئیں ان میں اس اکاڈمی کے قیام کا ابتدائی خاکہ بھی مرتب کرلیا گیا تھا۔ چونکہ اس اکاڈمی کو کشمیر یونیورسٹی سے وابستہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا اور چونکہ اس وقت یونیورسٹی بند ہونے والی تھی، اس لئے شیخ صاحب محترم نے مارچ میں یونیورسٹی کے دوبارہ کھلنے کے بعد، اس کی عملی تشکیل فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ مارچ کے بعد، حضرت مولانا محمد طیب صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور خاکسار مدیر الحرم نے اس سلسلہ میں شیخ صاحب کو یاددہانی کی۔ مجھے اپنے گرامی نامہ میں شیخ صاحب محترم نے جو جواب دیا اس کا خلاصہ یہ تھا کہ "علامہ انور شاہ اکاڈمی کا مسئلہ ان کے ذہن میں ہے۔ اسمبلی کے اجلاس اور دیگر مصروفیات کی وجہ سے وہ ابھی تک اس سلسلہ میں عملی اقدام نہیں فرما سکے۔ موزوں وقت پر اس ادارہ کو تشکیل دی جائے گی" کوئی شک نہیں کہ شیخ صاحب جیسی شخصیت کے لئے جو نہ صرف کشمیر کے وزیر اعلیٰ بلکہ مسلمانان ہند کے بھی ممتاز رہنما ہیں بے شمار سیاسی اور انتظامی مصروفیتیں ہیں اور وہ ہمیشہ رہیں گی۔ مگر علامہ انور شاہ کشمیری اکاڈمی کی تشکیل کا کام تو انھیں زیادہ مؤخر نہیں کرنا چاہیے۔ اسے تو کرہی ڈالنا چاہیے۔ یہ اکاڈمی، اگر قائم ہوجائے تو نہ صرف حضرت علامہ انور شاہ کشمیری بلکہ جناب شیخ صاحب محترم کی بھی بہترین یادگار ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

حلقۂ محسنین:۔ ناظرین الحرم کو بتایا جاچکا ہے کہ کاغذ اور سامان طباعت کی بے حد گرانی کی وجہ سے الحرم سخت نقصان کے ساتھ چل رہا ہے۔ کارکنوں کی خدمات کا اجر تو بس اللہ ہی دے گا ہر ماہ اس کے مدیر کو اس نقصان کی تلافی کے لئے معقول رقم اپنی جیب سے خرچ کرنی پڑتی ہے۔ اسی مجبوری کی وجہ سے پچھلے ماہ سے عارضی طور پر اس کے صفحات میں کمی کردی گئی ہے۔

بعض ہمدردوں نے اس نقصان کی تلافی کی یہ صورت پیش کی ہے کہ الحرم کے خریداروں میں ایک حلقۂ محسنین قائم کیا جائے۔ محسن حضرات ایک سو روپے ماہانہ عطا فرمائیں

جو اصحاب کرم اس حلقہ میں شامل ہوں گے ان کے اسماء گرامی کا الحرم میں اعلان کردیا جائے گا۔ اُمید ہے کہ وہ اصحاب خیر جو الحرم کی دینی و تبلیغی خدمات کو پسند فرماتے ہیں اور اسے زندہ و پائندہ دیکھنا چاہتے ہیں، حلقۂ محسنین میں شامل ہوں گے۔

واللہ یحب المحسنین (مدیر)

ضروری تصحیح:۔ پچھلے ماہ کے "الحرم" کے نقوش اولین میں دارالعلوم دیوبند کے اجلاس صد سالہ کے سلسلہ میں لکھا گیا ہے کہ "دارالعلوم کا مجوزہ اجلاس صد سالہ انشاء اللہ تعالیٰ مارچ ۱۹۷۸ء میں ضرور منعقد ہوگا" دراصل یہ اجلاس مارچ ۱۹۷۹ء میں منعقد ہوگا۔ اس غلطی کی تصحیح فرمائی جائے۔

اپنے دوستوں اور عزیزوں کو الحرم کا خریدار بناکر
تبلیغ اسلام کا ثواب حاصل کیجئے

معارف القرآن ۔ شب قدر

(مدیر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝ سَلٰمٌ هِىَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

(ترجمہ) ہم نے اس (قرآن) کو شب قدر میں اتارا ہے۔ اور (اے پیغمبر) تم کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح (القدس) اپنے پروردگار کے حکم سے تمام کاموں کے انتظام کے لئے اترتے ہیں یہ رات سلامتی ہی کی رات ہے، صبح ہونے تک۔

تفسیر:- اللہ تعالیٰ نے جس طرح بعض اشخاص و مقامات کو خاص فضیلت و عظمت عطا فرمائی ہے اسی طرح بعض وقتوں کو بھی خاص عزت و منزلت بخشی ہے۔ چنانچہ مہینوں میں رمضان المبارک کا مہینہ، دنوں میں جمعہ اور عاشورہ کا دن، اور راتوں میں شب قدر اور شب برات خاص حیثیت و مرتبت کے مالک ہیں۔ اس سورہ میں شب قدر کی عظمت و اہمیت کا بیان مقصود ہے۔

اس کی شان نزول میں کئی حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔ امام مالک نے موطا میں روایت کیا ہے کہ ایک روز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو، پچھلی امتوں کے لوگوں کی عمریں دکھائی گئیں جن میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت و ریاضت کی تھی۔ حضور نے ان کی بڑی عمروں کے مقابلہ میں اپنی امت کی عمروں کو کم سمجھا اور خیال فرمایا کہ یہ لوگ ان کی برابر عبادت نہ کر سکیں گے جو انہوں نے اپنی طویل عمروں میں کی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو شب قدر عنایت فرمائی جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے (اور جس کی ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں کی دنوں اور راتوں کی عبادت پر بھاری ہے) (موطا) دوسری روایت میں، جسے ابن کثیر نے درج کیا ہے یہ اضافہ ہے کہ یہ سنکر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے۔

فرمایا گیا اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ہم نے قرآن کریم کو شب قدر میں اتارا۔ قدر کے معنی "عزت اور مرتبہ" کے ہیں اور لیلۃ القدر کے معنی عزت و مرتبہ والی رات یعنی ایسی رات میں اتارا جو عزت اور مرتبہ والی ہے، اللہ تعالےٰ اسے اپنی برکتوں اور رحمتوں سے معمور فرما دیتا ہے اور اللہ تعالےٰ کے مقدس اور نیک بندے اس رات کو تسبیح و تہلیل عبادت و ریاضت اور خیر و خیرات میں صرف کر کے، اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و مرتبت حاصل کرتے ہیں قدر کے معنی اندازہ لگانے اور مقرر کرنے کے بھی ہیں۔ چونکہ اس رات میں مخلوق کی عمر اور رزق وغیرہ کے اندازے لگائے اور پیمانے مقرر کئے جاتے ہیں اس لئے بھی اسے "لیلۃ القدر" کا نام دیا گیا۔

قرآن کریم میں سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ان دونوں ارشادات کو جمع کرنے سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان المبارک کے مہینہ میں ہے۔ احادیث صحیح سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کی آخری عشرہ کی طاق راتوں میں کسی رات میں ہے۔ بعض حدیثوں سے ستائیسویں رات کی ترجیح معلوم ہوتی ہے۔

بہرحال شب قدر کی یہ پہلی اور اہم فضیلت ہے کہ اس میں قرآن کریم جیسی عظیم و جلیل کتاب کو اتارا گیا۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ شب قدر میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر، اس مقام پر اتارا گیا جسے بیت العزت کہتے ہیں اور جو ہر وقت فرشتوں سے

(ی) راتے میں، مکہ معظمہ کے غارِ حرا میں اس کی پہلی سورہ (سورہ علق) بھی شبِ قدر ہی میں اُتری (فوائد مولانا عثمانی ح)

اس کے بعد فرمایا گیا وَمَا أَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ یعنی اے پیغمبر (تم کو کچھ معلوم ہے کہ شبِ قدر کیسی رات ہے، کیسی کیسی عظمتوں اور برکتوں کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے پھر بتایا گیا لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ یعنی اس ایک رات میں نیکی کرنے کا ثواب ان ہزار مہینوں کی تیس ہزار راتوں اور دنوں میں نیکیوں کے کرنے سے زیادہ ہے، جن میں شبِ قدر نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ شبِ قدر امتِ محمدیہ ہی کی خصوصیت ہے۔ کیونکہ شبِ قدر کی ایک صفت نزولِ قرآن بھی ہے جس کی سعادت امتِ محمدیہ کو ہی حاصل ہوئی، دوسرے یہ کہ اگر بنی اسرائیل کو بھی شبِ قدر میسر ہوتی تو پھر امتِ محمدیہ اپنی کوتاہی عمر کی تلافی نہیں کر سکتی تھی اور رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے خوش ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ خطابی نے اس پر اجماعِ امت کا دعویٰ کیا ہے۔ (کما نقلہ الحافظ ابن کثیر) یہ شبِ قدر کی دوسری فضیلت ہوئی۔

آگے فرمایا گیا تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِّنْ كُلِّ اَمْرٍ ٥ یعنی فرشتے اور روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام اس رات میں، اپنے پروردگار کے حکم سے، تمام اہم کاموں کے انصرام کے لئے جو اس سال میں انتظامِ عالم سے متعلق ہیں، آسمانوں سے زمین پر اترتے ہیں حضرت قتادہ کہتے ہیں تقضی فیہا الامور وتقدر الآجال والارزاق کما قال تعالیٰ فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ اس رات میں اہم معاملات طے فرمائے جاتے ہیں عمروں اور رزقوں کے پیمانے مقرر کئے جاتے ہیں، جیسا کہ سورہ دخان میں فرمایا کہ اسی رات میں قضا و قدر کے حکیمانہ اور اٹل فیصلے جاری کئے جاتے ہیں (ابن کثیر) یہاں ملائکہ کے ساتھ "روح" کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ روح سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق مفسرین کے مختلف قول ہیں ایک تو یہ کہ اس سے روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام مراد ہیں، دوسرا یہ کہ فرشتوں ہی کی ایک قسم ہے جس کا خاص اسی رات میں ظہور ہوتا ہے، تیسرا یہ کہ اس سے صالحین کی روحیں مراد ہیں۔ اس آخری قول کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اس رات فرشتے اور بزرگوں کی روحیں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر قسم کی خیرات و برکات لے کر اترتی ہیں، یعنی امر سے امرِ خیر مراد ہوگا۔ یہ شبِ قدر کی تیسری خصوصیت وفضیلت ہوئی آگے ارشاد فرمایا گیا،

سَلٰمٌ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ یعنی یہ رات طلوعِ فجر تک سلامتی، دلجمعی، امن وسکون کی ہی رات ہے اس رات اللہ تعالیٰ کے نیک بندے نفس اور شیطان کے شر سے محفوظ رہتے ہیں اور فرشتوں کے نزول کی وجہ سے عجیب وغریب برکات وثمرات محسوس کرتے ہیں فرشتے اللہ کے نیک بندوں پر سلام بھیجتے ہیں اور ان کے انوار وتجلیات، علماء و صالحین کے انوار وتجلیات سے ٹکراتے ہیں اور سارا عالم بقعۂ نور بن جاتا ہے (شاہ ولی اللہ) قاضی ثناء اللہ پانی پتی لکھتے ہیں، کہا گیا ہے کہ شبِ قدر میں (انسانوں اور جنوں کے علاوہ) تمام مخلوق درگاہ خداوندی میں سربسجود ہو جاتی ہے اور ہر مقام انوار وتجلیات سے جگمگا اٹھتا ہے، فرشتوں کے سلام وکلام سُنے جاتے ہیں۔ مگر ان امور کا اظہار خدا کے مخصوص بندوں ہی پر ہوتا ہے جنھیں کشفی قوت حاصل ہوتی ہے تاہم اس رات کے ثواب اور اس کی برکتوں کا حصول ان باتوں کے ظہور پر موقوف نہیں ہے بلکہ عبادت میں مشغول رہنے پر ہے (تفسیر مظہری)

احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شبِ قدر رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں واقع ہوتی ہے اور ان میں بھی ستائیسویں رات کو اس شرف کے حاصل ہونے کا زیادہ امکان ہے۔

بخاری کی حدیث ہے جس کی راوی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

شب قدر کو رمضان کی آخری دس راتوں میں سے طاق راتوں میں تلاش کرو۔ (یعنی اکیسویں، تیئسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں رات میں۔) امام مالکؒ موطا میں حضرت انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک بار ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا مجھے رمضان میں شب قدر معلوم ہو گئی تھی۔ مگر دو شخص لڑنے لگے تو بھلا دی گئی تم اسے انتیسویں ستائیسویں اور پچیسویں رات میں تلاش کرو۔ صحیح مسلم میں زر بن حبیش سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں میں نے حضرت ابی بن کعب سے کہا تمہارے بھائی عبد اللہ ابن مسعود کہتے ہیں کہ جو شخص سارے سال عبادت کرے وہ شب قدر کو پائے گا۔ حضرت ابی نے جواب دیا، عبد اللہ بن مسعود پر اللہ رحم فرمائے، ان کا مقصد یہ ہے کہ لوگ کسی ایک رات پر بھروسہ کر کے دوسری راتوں کی عبادت نہ چھوڑ دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ انہیں معلوم ہے کہ شب قدر رمضان میں اور وہ رمضان کی آخری دس راتوں میں ہے اور وہ ستائیسویں رات ہے۔ پھر انہوں نے بلا شبہ قسم کھائی کہ وہ ستائیسویں رات ہے۔ میں نے حضرت ابی سے پوچھا تم یہ کس بنیاد پر کہتے ہو اے ابو منذر۔ انہوں نے جواب دیا اس علامت یا نشانی کی بنا پر جس کی ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی اور وہ یہ کہ اس رات کی صبح کو سورج اس حال میں طلوع ہوگا کہ اس کی شعاعیں ماند ہوں گی۔

دراصل، شب قدر کو اسی لئے مخفی رکھا گیا ہے تاکہ اللہ کے نیک بندے مختلف راتوں میں، اس کی تلاش میں عبادت کرتے رہیں اور ان کے اجر و ثواب میں اضافہ ہوتا رہے ان کی عبادت و ریاضت کسی ایک رات سے مخصوص ہو کر نہ رہ جائے۔ بعض محققین کی رائے ہے کہ وہ آخری عشرہ رمضان کی طاق راتوں میں ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ کبھی اکیسویں کو کبھی تیئسویں کو کبھی ستائیسویں کو اور کبھی انتیسویں کو۔ رہا حضرت ابی کا ستائیسویں رات کا تعین تو اس کا تعلق اسی سال سے ہے جب یہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو توفیق دے کہ ان مقدس دنوں اور راتوں کو عبادت و ریاضت میں گزاریں اور بارگاہ خداوندی میں سربسجود اور دست بدعا رہیں۔ حضرت عائشہ روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کونسی رات ہے تو میں اس میں کیا دعا مانگوں۔ آپ نے فرمایا یہ کہنا اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (اے اللہ تو بڑا معاف فرمانے والا ہے، معاف کرنے کو پسند فرماتا ہے پس تو میرے گناہ معاف فرما دے)

قرآن کی فریاد

(جناب ماہر القادری)

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں ٭ تعویذ بنایا جاتا ہوں دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جزدان حریر و ریشم کے اور پھول ستارے چاندی کے ٭ پھر عطر کی بارش ہوتی ہے خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جیسے کسی طوطے مینا کو کچھ بول سکھائے جاتے ہیں ٭ اس طرح پڑھایا جاتا ہوں اس طرح سکھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں

کہنے کو میں اک اک جلسہ میں پڑھ کر سنایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کیلئے تکرار کی نوبت آتی ہے ٭ پھر میری ضرورت پڑتی ہے ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں

نیکی پہ بدی کا غلبہ ہے سچائی سے بڑھکر دھوکا ہے ٭ اک بار ہنسایا جاتا ہوں سو بار رلایا جاتا ہوں

یہ میری عقیدت کے دعوے قانون پہ راضی غیروں کے ٭ یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں میرا ذکر نہیں کس عرس میں میری دھوم نہیں

پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

روزہ*

اور اس کے فائدے اور حکمتیں

اسلام کی ایک اہم تعلیم "روزہ" ہے۔

روزہ نفسانی خواہشات کا زور توڑنے، روح کو پاکیزہ و منور کرنے اور بندہ کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے جوڑنے میں اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

جب خدا کا ایک بندہ محض اپنے آقا و مولیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی رضامندی کی تحصیل کے لئے ایک مہینہ تک مسلسل اپنی طبعی اور جائز خواہشوں کو روکے رکھتا ہے تو اس کے نفس میں یہ طاقت پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ سال کے باقی دنوں میں بھی ناجائز اور ممنوع خواہشوں سے پرہیز کرے اور اپنے آقا و مولیٰ کے ان احکام کی تعمیل کرے جو اس نے اپنے کرم سے اپنے بندہ ہی کے فائدے کے لئے اس پر لازم کئے ہیں۔ اور اگر اس راہ میں اسے تکلیفیں اور مصیبتیں پیش آئیں تو صبر و شکر کے ساتھ ان کو برداشت کرے۔

چنانچہ رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا ہے۔

اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ — روزہ ڈھال ہے۔

یعنی جس طرح ڈھال سے میدان جنگ میں دشمن کے حملوں سے بچا جاتا ہے اسی طرح روزہ کے ذریعہ شیطان کے حملوں سے حفاظت ہوتی ہے۔

پھر دیکھئے روزہ ایک ایسا عمل ہے جس کا نگراں صرف خداوند قدوس ہے۔ کوئی روزہ دار کے پیچھے نگار لگا نہیں پھرتا۔ اگر وہ چاہے تو تنہا مقام میں جہاں کوئی اسے دیکھ نہ سکے سب کچھ کرسکتا ہے۔ مگر روزہ دار محسوس کرتا ہے کہ تہہ خانہ کی اندھیری میں بھی عالم الغیب اس کے حال سے بے خبر نہیں۔ یہ احساس سات تالوں میں بھی ممنوعات کا ارتکاب نہیں کرنے دیتا۔ اس طرح روزہ گناہوں سے بچنے کی جو قوت پیدا کرتا ہے اس کی حدود ظاہر و باطن کو حاوی ہوتی ہیں۔

اسی طرح روزہ ایک ایسا عمل ہے جس سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہوسکتا دوسرے اعمال خیر کو انجام دیتے وقت ان کا چھپانا مشکل ہوتا ہے۔ دوسروں کی نظر ان پر پڑ ہی جاتی ہے اور عبادت کرنے والے کے دل میں عجب اور ریا پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ مگر روزہ دار جب تک خود ہی نہ بتائے کسی کو اس کے اس عمل کا علم نہیں ہوسکتا۔ اسی لئے ایک حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِہٖ — روزہ خالص میرے ہی لئے ہے اور میں ہی اس کا خاص طور پر بدلہ دونگا۔

اسی طرح روزہ ایسی پرہیزگارانہ زندگی کا ڈھانچہ تیار کرتا ہے جس کے رگ و ریشہ میں اخلاص کی روح جاری و ساری ہو۔

روزہ کے ان اہم منافع کا ذکر قرآن کریم میں اس طرح فرمایا گیا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ ۔

اے ایمان والو تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض قرار دیا گیا ہے جیسے تم سے پہلی امتوں پر تاکہ تم متقی بن جاؤ ۔

یہاں تقویٰ سے وہی تقویٰ اور پرہیزگارانہ زندگی مراد ہے جو جسم و روح اور ظاہر و باطن سب کو حاوی ہو اور بندہ کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور پکا پرستار و وفادار بنا دے ۔

اس اہم فائدہ کے علاوہ روزہ کے اور بھی دوسرے بہت سے فوائد ہیں ۔ مثلاً روزہ انسان کو تکلیفوں اور مشقتوں کو برداشت کرنے کا عادی بناتا ہے ۔

دنیوی و اخروی مقاصد انسان سے ایثار و قربانی اور جد وجہد کے طالب ہیں ۔ راحت طلب اور عیش پسند آدمی کبھی کامیابی سے ہم کنار نہیں ہو سکتا ۔ روزہ انسان میں ادنیٰ نفسانی خواہشات کو قربان کرکے اعلیٰ مقاصد کے حصول کی طاقت پیدا کرتا ہے ۔

دنیا میں بہت سے اللہ کے بندے ہیں جن کی زندگی کی ابتدائی ضرورتیں بھی پوری نہیں ہوتیں ۔ پیٹ بھرنے کو روٹی اور بدن ڈھانکنے کو کپڑا بھی انہیں میسر نہیں آتا ۔ انسانیت کا تقاضہ ہے کہ ان کی وہ لوگ مدد کریں جنھیں اللہ تعالیٰ نے فارغ البال بنایا ہے ۔ مگر یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ جب تک کسی شخص کو خود کسی مصیبت میں مبتلا ہونا نہ پڑے وہ دوسروں کے دکھ درد کا احساس نہیں کرتا ۔

روزہ امیروں کو غریبوں کی تکلیفوں کا احساس دلاتا ہے اور ان میں اپنے ابنائے جنس کی مدد کرنے اور ان کی ضرورتوں میں کام آنے کا شریفانہ جذبہ پیدا کرتا ہے ۔

انسان کی زندگی ہمیشہ یکساں نہیں گذرتی ۔ مال و دولت اور آرام و راحت آنی جانی چیز ہے ۔ روزہ دار انقلابات زمانہ کا شکار ہو کر بھی صبر و تحمل سے کام لیتا ہے اور فقر و فاقہ کی مصیبتوں کو خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر لیتا ہے ۔

روزہ انسانوں کے مختلف طبقات میں مساوات کا جذبہ پیدا کرتا ہے ۔ کچھ مدت کے لئے فقیروں اور امیروں غریبوں اور مالداروں کو ایک سطح پر لاکر طبقاتی امتیاز کی دیواریں گرا دیتا ہے اور یہ عملی احساس پیدا کرتا ہے کہ سب انسان ایک ہی آقا کے غلام ہیں ایک ہی دروازہ کے بھکاری ہیں ایک ہی حکم کے فرمانبردار ہیں ۔

معدہ کی خرابی بیماریوں کی جڑ ہے ۔ اخلاط کا فضلہ معدہ میں ہو کر طرح طرح کے امراض پیدا کر دیتا ہے ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے البطنۃ اصل الداء ۔

ایک مہینہ تک روزہ کا عمل معدہ کی تمام خرابیوں کی اصلاح کر دیتا ہے اور بیماروں کو صحت کا تحفہ دیتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ روزہ کھولنے کے بعد کھانے پینے میں بداحتیاطی کرکے اس کے اثرات کو ختم نہ کر دیا جائے ۔ روزہ اپنے مذکورہ بالا اہم فوائد کی وجہ سے احکام اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتا ہے ۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے یہ پچھلی امتوں پر بھی فرض رہا ہے ۔

آج بھی دنیا کی مختلف قوموں میں کسی نہ کسی شکل میں اس کا رواج ہے ۔ مگر انہوں نے اس میں من مانی آسانیاں پیدا کرکے اس کے منافع کو ضائع کر دیا ہے ۔ ابتدائے اسلام میں روزے ہر مہینہ میں تین دن کے تھے ۔ پھر ایک عاشورہ کے دن کا روزہ حضور کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد اور اضافہ ہوا ۔ پھر ۲ھ میں رمضان کے روزے فرض ہوئے اور پچھلے روزوں کی فرضیت باقی نہ رہی ۔ تفسیر ابن کثیر

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
شعبہ عربی، دہلی یونیورسٹی

لطائف اشرفی
(حالات و ملفوظات سید اشرف جہانگیر سمنانی رح)

جناب پروفیسر نثار احمد فاروقی ملک کے ایک ممتاز مورخ اور صاحب نظر محقق ہیں۔ سیر علماء و اولیاء ان کے قلم کی خصوصی جولان گاہ ہیں اور اس سلسلہ میں اپنے نامور خاندان کی عظیم روایات کے حامل ہیں۔ پچھلے کسی پرچہ میں گذشتہ سیمینار کے سلسلہ میں ان کا ذکر آچکا ہے۔ مدیر الحرم سے لطف و کرم کے دیرینہ تعلقات ہیں۔ ان ناسازگار حالات میں الحرم کے دوبارہ اجراء میں ان کی تحریک اور ہمت افزائی کو بڑا دخل ہے۔ علمی و تعلیمی کثیر مصروفیات کے باوجود انہوں نے الحرم کے لئے یہ مضمون لکھکر بڑا احسان فرمایا ہے۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ لطف و کرم جاری رہے گا۔) (مدیر)

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلفاء میں شیخ سراج الدین عثمانی علیہ الرحمۃ بھی ہیں جنھیں "آئینۂ ہندستان" کہا گیا ہے۔ انہوں نے حضرت کی خانقاہ میں ایک خدمت گار کی حیثیت سے اپنی عمر عزیز کا بڑا حصہ بسر کیا تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء انھیں پیار سے "اخی سراج" کہا کرتے تھے۔

اخی عربی میں "میرے بھائی" کا ترجمہ ہے۔ حضرت اخی سراج اپنے پیر و مرشد کے انتقال کے بعد اپنے وطن لکھنوتی (بنگال) کی طرف چلے گئے تھے اور اب وہیں ان کا مزار ہے۔

حضرت اخی سراج کے مرید اور خلیفہ حضرت شیخ علاء الحق پنڈوی تھے، انھوں نے پنڈوہ (بنگال) میں بیٹھ کر چشتی نظامی سلسلے کی شمع کو روشن رکھا تھا۔ حضرت شیخ علاء الحق بنگالی کے ممتاز خلیفہ اور جانشین حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں جو میر سید علی ہمدانی کے ساتھ سیر و سیاحت کرتے ہوئے سمنان سے ہندوستان آئے تھے۔ اب ان کا مزار مبارک جونپور کے پاس قصبہ کچھوچھہ میں واقع ہے۔

لطائف اشرفی انھیں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ کے حالات و ملفوظات پر مشتمل ایک بڑی جامع، قیمتی معلومات اور تاریخی اشارات سے بھرپور کتاب ہے۔ اس کتاب کے مولف نظام حاجی غریب یمنی ہیں جن کی ولادت ۷۰۵ھ میں یمن میں ہوئی تھی حضرت جہانگیر سمنانی سے ان کی ملاقات ہوئی تو ان سے مرید ہوگئے پھر وہ تیس سال تک سفر و حضر میں اپنے پیر و مرشد کے ساتھ رہے۔

لطائف اشرفی صرف ایک بار، آج سے سو سال پہلے ۱۲۹۹ھ میں نصرت المطابع دہلی سے چھپی ہے، یہ مطبوعہ کتاب بہت کمیاب ہے۔ اس کے قلمی نسخے صرف چند کتاب خانوں میں ملتے ہیں کتب خانہ سالار جنگ میوزیم (حیدرآباد) میں اس کے دو قلمی نسخے ہیں جن میں سے ایک ناقص ہے ہم اس وقت انہیں نسخوں کی بنیاد پر اس کتاب سے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔

اس کتاب کی اہمیت کو ابھی تک پوری طرح سمجھا نہیں گیا ورنہ یہ بار بار چھاپی جاتی اور اس کے بہترین ایڈیشن تحقیقی حواشی کے ساتھ دستیاب ہو گئے ہوتے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ فارسی نثر کی کتابیں جو چھٹی صدی ہجری سے نویں صدی ہجری تک تین سو سال کے عرصے میں لکھی گئی ہیں، خواہ وہ ایران و افغانستان کے مصنفوں نے لکھی ہوں یا ہندوستان میں تصنیف کی گئی ہوں اُن کی تعداد محدود ہے اور ایسے قدیم فارسی متون اب ڈھونڈ ڈھونڈ کر ایران میں شائع کئے جا رہے ہیں۔ "لطائف اشرفی" ان قدیم متون کی فہرست میں نمایاں جگہ پانے کی مستحق ہے۔

دوسری خوبی یہ ہے کہ اس میں تصوف کی فنی اور اصطلاحی تعریف اور بحث پر مشتمل قابل لحاظ حصہ ہے اس لئے یہ فن تصوف کی ان قدیم ترین کتابوں میں بھی شمار ہونی چاہئے جو ہندوستان میں لکھی گئیں

تیسری امتیازی خصوصیت "لطائف اشرفی" کی یہ ہے کہ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی علیہ الرحمۃ نے سیر و سیاحت میں بہت وقت گذارا تھا۔ اور وہ ایران، افغانستان، ماوراء النہر، عراق، شام، حجاز، یمن وغیرہ ممالک میں دور دور تک تشریف لے گئے ہیں۔ اس کتاب میں اس زمانے کے عالم اسلام کا ایک دلچسپ سفرنامہ بھی شامل ہو گیا ہے اور ہم اگر لطائف اشرفی کا گہری نظر سے مطالعہ کریں تو اس عہد کے بلاد اسلامیہ کی مذہبی زندگی اور سماجی حالت کے بارے میں بہت سے قیمتی اشارے پا سکتے ہیں۔

لطائف اشرفی میں جا بجا ہندی الفاظ بھی آئے ہیں اور بعض پورے جملے یا دوہرے ہندی کے نقل ہوئے ہیں۔ اس سے اردو زبان کے ارتقاء کا مطالعہ کرنے والوں کو بہت مدد ملتی ہے بعض حضرات نے ہندوی زبان میں حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کی ایک تصنیف کا بھی ذکر کیا ہے لیکن وہ کتاب نایاب ہے۔ اگر ایسی کوئی تصنیف مل جائے تو ہندی اور اردو دونوں زبانوں کی تاریخ میں ایک اہم باب کا اضافہ ثابت ہوگی۔

نظام حاجی غریب یمنی نے لکھا ہے کہ حضرت سمنانی قصبہ بھولی کی جامع مسجد میں نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے تشریف لے گئے وہاں ایک ملّا نے آپ سے علم کلام کے مسئلے دریافت کئے ان میں ایک مسئلہ جبر و اختیار کا بھی تھا۔ اثنائے گفتگو میں اس نے کچھ بے ادبی کی اور آپ کی کرامت سے فوراً اس کی زبان گنگ ہو گئی۔ یہ دیکھ کر اس ملّا کی ماں روتی ہوئی حضرت کے پاس آئی اور اپنے ہندی میں کہا: "میراں پت بھکیہ دیئے" یعنی مجھے میرے بیٹے کی بھیک دے۔ آپ نے اس کے لئے دعا کی تو زبان ٹھیک ہو گئی مگر ہکلاہٹ کا اثر اس کی آئندہ نسلوں میں بھی باقی رہا۔

اس کتاب میں مشائخ صوفیہ کے حالات بھی بیان ہوئے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے خلفاء کا مختصر تذکرہ بھی ہے۔ بیشتر حالات سیر الاولیاء سے ماخوذ ہیں۔ لیکن ان پر کچھ اضافے بھی کئے ہیں۔ حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی قصبہ چشت میں بھی حاضر ہوئے ہیں۔

وہاں انھوں نے حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی کی خانقاہ میں قیام کیا ہے۔ ہندوستان میں انھوں نے دیار گلبرگہ میں حضرت سید محمد حسینی گیسودراز علیہ الرحمۃ کی خانقاہ میں حاضری دی ہے۔ پہلی بار تشریف لے گئے تو اس وقت حضرت بندہ نواز گیسودراز بقید حیات میں تھے۔ دوسرا سفر ان کے انتقال کے بعد پیش آیا اس وقت حضرت گیسودراز کے فرزند سید یداللہ حسینی سجادہ نشین تھے۔ ایک سفر کا واقعہ لکھتے ہیں کہ جب ہم سید محمد گیسودرازؒ کی خانقاہ میں پہنچے تو وہاں ایک شخص مقیم تھا جو خود کو مہدی کہلواتا تھا اس وقت کے بہت سے علماء و فقہا نے ایک جلسہ کیا اور دلائل طلب کئے۔ جب

نفس ذکر میں صمدیت کی علامتیں اور آثار ثابت نہ ہو سکے تو کلبرگہ سے اس کا اخراج کر دیا گیا۔

مخدوم جہانگیر سمنانیؒ نے حضرت گیسو درازؒ سے روحانی استفادہ بھی کیا تھا، لکھا ہے کہ جس مقدار میں حقائق و معارف اُن کی خدمت میں حاصل ہوئے دوسرے مشائخ میں کسی سے حاصل نہ ہوئے تھے سبحان اللہ کس حد کا تقویٰ رکھتے تھے۔

باعتبار زمانہ سیر الاولیاء کے بعد لطائف اشرفی وہ دوسری قدیم کتاب ہے جس میں حضرت شیخ مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیریؒ کا حوالہ ملتا ہے۔ لکھا ہے کہ "قطب المشائخ علی صابر کہ از کمل خلفائے حضرت کبیر اند و رنجشے کہ در میان واقع شدہ باز رفع آں بأحسن وجہ حاصل گشتہ" (یعنی قطب المشائخ علی صابرؒ حضرت کبیر یعنی بابا فرید کے ممتاز خلفاء میں سے ہیں۔ ابتداء میں کچھ رنجش واقع ہوئی تھی پھر وہ بہت خوش اسلوبی سے دور ہو گئی تھی)

اس کتاب میں شیخ داؤد پالہی کو حضرت بابا فریدؒ کے خلفاء میں شمار کیا گیا ہے یہ شیخ داؤد وہی بزرگ ہیں جن کا نام مسندی ادب کے آدمی کال کے شعراء و مصنفین میں آتا ہے۔ یہ قصبہ ردولی کے پاس ایک گاؤں پالاموؤ کے رہنے والے تھے اور وہیں ان کا مزار بھی ہے۔ پالاموؤ کی ایک مسجد میں حضرت بابا فرید کا چلّہ بھی بتایا جاتا ہے لطائف اشرفی سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت بابا فریدؒ نے چند بار اودھ کا سفر کیا تھا۔ اگرچہ دوسری کسی کتاب سے ہمیں ان کے سفر اودھ کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت اشرف سمنانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت بابا فرید دو تین بار پالاموؤ تشریف لائے اور ایک بار اپنے زمانہ قیام میں انہوں نے شیخ داؤد پالاہی کی خاطر سے پالاموؤ کی مسجد میں ایک چلّہ پورا کیا۔ شیخ داؤد کے بھتیجے شیخ تقی الدین بھی حضرت بابا فرید گنج شکرؒ کے خلیفہ تھے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی تاریخ وفات ۱۴ ربیع الاول ۶۳۳ھ روز دوشنبہ بتائی ہے "قطب عاشقاںؒ" سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔ قاضی حمید الدین ناگوری کا انتقال ۱۱ رمضان ۶۴۱ھ کو بتایا ہے۔ دوسرے ذرائع سے معلوم ہوتا ہے کہ قطب صاحبؒ سے دس سال کے بعد اُن کا انتقال ہوا تھا۔ لطائف اشرفی کی رو سے یہ مدت بارہ سال ہو جاتی ہے۔ حضرت سمنانیؒ اوچ بھی گئے تھے اور مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ سے ملاقات کی تھی۔ اُن کی ولادت ۱۵ شعبان ۷۰۷ھ اور وفات ۱۰ ذی الحجہ ۷۸۵ھ کو بتائی ہے۔

قصبہ ردولی میں انہوں نے حضرت صفی الدین ردولویؒ سے ملاقات کی تھی جو حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ کے دادا ہیں۔ حضرت شیخ صفی الدین نے جامع مسجد ردولی میں اُن سے بیعت بھی کی، حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ کے والد بزرگوار حضرت شیخ محمد اسمٰعیل اُس وقت چالیس دن کے تھے انہیں برکت کے لئے شیخ سمنانی کی خدمت میں پیش کیا۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی کے ان ملفوظات میں تاریخ، تذکرہ، سیرت، تصوف و سلوک اور تہذیب و معاشرت کے موضوعات پر اتنی قیمتی باتیں جابجا بکھری ہوئی ہیں کہ اُس عہد کی صوفیاء کی تحریک پر کام کرنے والا کوئی مورخ اس کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

تعلیمات صوفیہ کے سلسلہ میں بھی لطائف اشرفی سے بہت قیمتی مواد ملتا ہے حضرت سمنانی نے فرمایا کہ درویشی کی شرطوں میں سے ایک اہم شرط یہ ہے کہ وہ قولاً و فعلاً و اعتقاداً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کرے اور دوسری شرط یہ ہے کہ عالم ہو جاہل نہ ہو اور فرمایا کہ ولی کو ناموزوں نہیں ہونا چاہئے۔ حضرت نور العین نے پوچھا کہ

"ناموزوں" کیا ہوتا ہے؟ تو فرمایا اس کے تمام افعال وحرکات موزوں اور پسندیدہ میزان شریعت وطریقت میں پورے اتریں اور اس کا کوئی کام خلاف شریعت اور رسمِ صوفیوں سے پیدا ہوا نہ ہو"

مرید کے لئے فرمایا کہ مریدِ حقیقی وہ ہوتا ہے جس میں چند بنیادی باتیں پائی جائیں فقر اور غنا۔ یعنی اسباب دنیا کا ہونا نہ ہونا اس کی نظر میں یکساں ہو۔

دوسری یہ کہ خلق کی تعریف اور مذمت اس کے لئے برابر ہوں۔ نہ تعریف سے گمراہ ہو نہ مذمت کے خوف سے راہ حق سے منہ موڑے۔ اسی طرح آخرت میں بہشت و دوزخ اس کی نظر میں ایک ہوں۔ یعنی طاعت وعبادت بے ریا و بے طمع کرے۔

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانی نے لکھا ہے کہ مولانا یوسف چندیری کو رخصت کرتے ہوئے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ نے پہلی وصیت یہ فرمائی تھی کہ "رہن سہن میں میرا اقتدا کرنا اور دل کی نگرانی سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہ رہنا"

انہوں نے لکھا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء ایک محافے میں سوار کسی راستے سے گذر رہے تھے ایک بھیڑ دیکھی۔ استفسار کیا کہ کیسا مجمع ہے لوگوں نے بتایا کہ کوئی درویش بیٹھے ہیں اور لوگ اُن کے چاروں طرف ہجوم کئے ہوئے ہیں آپ نے حکم دیا کہ ہمارا محافہ بھی اُدھر لے چلو تاکہ اُن کی صحبت سے ہم بھی فائدہ حاصل کریں جب درویش کے قریب آئے تو ایک نظر اسے دیکھا اور فرمایا واپس چلو۔ کچھ دور گئے تھے کہ خدام نے دریافت کیا کہ آپ واپس کیوں تشریف لے آئے؟ فرمایا کہ ہمارا مقصد تو اس کی نعمت کو پانا تھا مگر دیکھا کہ اس کے پاس اپنا کچھ نہیں ہے کسی درویش صاحب باطن کی اس پر نگاہ پڑ گئی ہے جس سے تھوڑی سی جمعیت باطن اسے مل گئی ہے"۔

مختصر یہ کہ لطائف اشرفی ہمارے سرمایۂ ملفوظات میں ایک بہت ہی اہم اور قابل قدر کتاب ہے جس میں انواع واقسام کی معلومات کا خزانہ جمع کر دیا گیا ہے۔

دعوتِ قرآنی کی اثر آفرینی

حضرت مولانا سید انظر شاہ ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند

حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری ایک صاحب فکر و نظر عالم ہیں۔ الجمعیۃ کے لیے مولانا کی یہ دوسری نظر کرم ہے۔ اس مضمون میں آپ نے اپنے مخصوص انداز تحریر میں، تاریخ دعوت قرآنی کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ امید ہے کہ ناظرین مستفید ہوں گے۔ (مدیر)

کہنے والے نے (اللہ تعالیٰ کی اس پر رحمتیں برستی رہیں) سچ کہا تھا اور کس قدر صحیح کہا تھا کہ

"میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں ایک قرآن دوسرا خانوادہ نبوت اگر تم ان کو تھامے رہو گے تو گمراہ نہ ہوگے۔"

چودہ سو سال کا طویل عرصہ اطلاع دینے والے کی اطلاع پر گذر چکا مگر اس ارشاد کی گہرائی و گیرائی پر تجربات و مشاہدات کی تیز روشنی مہر تصدیق لگا رہی ہے۔ اسلام کے مرکز جمیل کی جانب سمٹ سمٹ کر آنے والے انہی دو چیزوں کی بنیاد پر تھے اور خدا اور اس کے بندوں کے درمیان معاہدہ اسلام سے کٹنے والے بھی ان ہی بنیاد پر تھے اس ارشاد کی جامعیت اس طرح صاف اور واضح ہے کہ قرآن میں مومنانہ زندگی کا بھرپور نمونہ بہم پہنچا دیا گیا ہے اور اسی نمونے کی عملی شکل و صورت نبوت کے دودمان عالی کی چلتی پھرتی تصویروں میں جلوہ گر ہے اگر عترتی کے مفہوم میں وسعت پیدا کرتے ہوئے اس ایک لاکھ کے جم غفیر کو بھی شامل کر لیا جائے جس کی قیادت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی۔ اور پھر کوئی وجہ نہیں کہ مشہود بالخیر قرون کو بھی عترتی میں داخل نہ کر لیا جائے اور کیا مانع ہے کہ پھر اس عہد تک ان ربانی علماء کو شامل نہ کیا جائے جو بنص حدیث و قرآن نبوت کے کاروبار کو نبی نہ ہونے کے باوجود صبح قیامت تک کھینچ کر لے جائیں گے تو اس حقیقت آمیز ارشاد کی وسعتوں پر ایک طویل تاریخ بطور وثیقہ موجود ہوگی۔

قرآن کا استعمال اس جماعت نے بھی کیا جنھوں نے شیر بیشہ شجاعت و علمبردار میدان بسالت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے میں شکست کو فتح سے بدلنے کے لئے ان الحکم الا للہ کہتے ہوئے مقدس صحیفوں کو نیزوں پر بلند کر لیا تھا۔ اور — انہوں نے بھی قرآن ہی سے اپنے حسن کردار کا جواز و استناد پیش کیا جو بعد خلفائے راشدین ایوان اسلام میں زبردستی گھس آنیوالوں کے لئے رکاوٹ کا کام دے رہے تھے۔ غرضیکہ اسلام کی مسلسل تاریخ قرآن کے صحیح و غلط استعمال کی ایک تابناک و اندوہناک دو رخوں کی نقاب کشائی کرنیوالی تاریخ ہے۔ اور ٹھیک اسی طرح عترتی کو امام بنا لینے میں ایک سچا و پکا طرز عمل بھی موجود ہے اور ایک ناقص و متعفن کردار بھی۔

سیدنا علی اور ان کے جگر پیوند صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی محبت میں سرشار جس فرقے نے اسلام کی رسوائی کا سامان بہم پہنچایا ہے اور جو صدیوں سے جفائے وفانما کا بدترین مظاہرہ کر رہا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ ان کے دل و دماغ کے منظر پر عترتی کے محبت کے نقوش موجود نہیں مگر — کیا یہ غلط نقوش اس مخلصانہ و دبیز تعلق کی صحیح تصویریں ہیں جو کہنے والے نے اپنے مذکورۃ الصدر ارشاد میں چاہی تھی۔ تمام ہی صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو غاصب ثابت کرتے ہوئے یا غصب کی کارروائی میں شریک سمجھتے ہوئے طعن

وتشنیع کی زبان کھول دینا محمد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرمایۂ ہدایت وارشاد کی تکمیل کہی جاسکتی ہے؟ وہ میں نہیں سمجھتا کہ ہوش وحواس کی سلامتی کے باوجود تشیعیت کے طومار کو کوئی بھی کھرا کھرا مسلمان اسی شکل وصورت میں قبول کرنے کے لئے تیار ہوگا جس کا نمونہ اسلامی سال کے پہلے مہینہ کی پہلی دھائی میں دیکھنے کو ملتا ہے۔ سینہ کوبی، تعزیہ برداری، سب صحابہ اور مقدس جماعت کے لئے بلا جھجک طعن وتشنیع ان دس دنوں کی ایک دلدوز سرگذشت سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ ظاہر ہے کہ حقوق کے عنوان پر یہ سب کچھ کرنے والے اسی عنوان سے اسلام سے کٹ رہے ہیں۔

دوسری طرف یہ بھی دیکھئے کہ القرآن ہی کو بلا شرکت غیرے امام ہدایت قرار دینا ——— تا آنکہ ——— اس کی سب سے زیادہ دل آویز تفسیر حدیث کو بھی صاف صاف نظر انداز کرنا کیا اپنے اندر کوئی بھی ہدایت کی روشنی رکھتا ہے؟ بس اس شاہ راہِ اعظم سے نکلنے والی ایک وہ پگڈنڈی بھی جس پر چل کر ہلاکتوں کے تیرہ وتار گڑھوں میں الجھنے کے سوا اور کچھ نصیب نہیں اور وہ خطِ مستقیم بھی یہیں سے دکھائی دیتا ہے جس پر گامزنی ... مقصود تک پہونچنے کی سب سے بڑی ضمانت ہے۔

بہرحال مقصد یہ ہے کہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب آزادی وحریت کے گلے پر فرنگی اقتدار نے اپنے آہنی پنجہ کو رکھ کر نام نہاد آزادی کا گلا گھونٹتے ہوئے غلامی کے دیوہیکل طاغوت کو ہندوستان پر مسلط کردیا۔ تو غریب مسلمان کے ساتھ خود اسلام بھی ہندوستان میں دوراز ذہنیت میں دھکیل دیا گیا۔ ٹھیک ان حالات میں جس خانوادہ کی علمی عظمتیں وعلمی رفعتیں ہندوستان میں اسلام کے ناتوان جسم میں حیاتِ تازہ کا خون دینے کی کوششوں میں مصروف تھیں اس خانوادہ کے امام کبیر حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ نے ایک جانب قرآن کو پکڑا تو دوسری طرف حدیث کو ——— قرآن میں آپ کا ترجمۂ فارسی اور حدیث میں امام مالکؒ کے مؤطا کا تشریحی سرمایہ اسی جدوجہد کا علمی نمونہ ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تفسیر عزیزی شاہ عبدالقادرؒ کی موضح القرآن شاہ رفیع الدینؒ کا ترجمہ پھر دلی کا وہ معروف مدرسہ رحیمیہ جس کے حصار کہنہ میں بیٹھکر اس خاندان کا ہر فرد اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لانے کی کوشش کررہا تھا آپ کی نظر میں ایک سوچا سمجھا منصوبہ یا منزل سے ہٹ کر رواں ہونے کا پروگرام تھا دین کے آجانے میں اگر وجود آفتاب کا انکار ممکن نہیں تو تاریخی وثائق کی جلوہ ریزیوں میں دلی کے ولی اللہی خاندان کی منصوبہ بند اسکیم کی اثر آفرینیوں کا انکار کون کرسکتا ہے؟

قرآن وحدیث کے لئے قائم مدرسوں نے ہندوستان میں کیا کچھ کیا اس کا فیصلہ کرنے کے لئے قریہ بقریہ گاؤں در گاؤں اسلامی مدارس کا مسلسل وجود خود ایک شاہد ہے۔ ہندوستان میں اسلامی تاریخ سے ناواقف حلقہ کے لئے عرض ہے کہ کج کلاہ شہنشاہیوں کی قوت وطاقت کے سہارے جب ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا لہرایا تو وہ کسی سے مغلوب نہیں بلکہ غالب، مفتوح نہیں بلکہ فاتح قوم کا بلندیوں پر لہرانے والا پرشکوہ پھریرا تھا پھر اس کے ساتھ اسے یہی لگا دیجئے کہ ہندوستان کی زمین پر موجود مذاہب تبلیغی ادیان سے تعلق نہیں رکھتے تھے رہا بدھا زم تو وہ ہندوستان کے میدان کو یا خالی کرچکا تھا یا انخلاء کے لئے پر تول رہا تھا اس گردوپیش میں ہندوستان میں اسلام کو کسی ایسے مزاحم ومتصادم مذہب سے سابقہ نہیں تھا جو اسلام کے بنیادی افکار اساسی اقتدار کے لئے چیلنج ہو اور غالباً یہی وجہ ہے کہ بکثرت اسلام کو ہندوستان میں اپنے تاثر قائم کرنیکا موقعہ ملتا رہا بلکہ یہ مذہب اپنی خوبیوں اور رعنائیوں کی بنیاد پر دوسری ملتوں کے کے کشش کا باعث بنا رہا لیکن انیسویں صدی کے آغاز ہی میں جو بدیشی قوت ہندوستان کے ہر کل پر چھا گئی تھی اس کا معاملہ قطعاً دوسرا تھا اپنے لئے دعوتی پروگرام کی مدعی تھی اور اپنے تصورات کو زبردستی مفتوح ملک پر مسلط کرنے کے سفا کانہ طور طریق اپنانے پر تلی ہوئی تھی [illegible]

دولت سے متعلق اسلام کا نقطۂ نظر

ڈاکٹر محمد محمد ابو شہبہ مصری
مترجمہ: دا شیخ عمر

مال نعمت ہے: مال و دولت اسلام کی نظر میں ایک پسندیدہ نعمت ہے۔ اگر اس کو راہ خدا میں لٹا دیا جائے اور نیکی اور بھلائی کے کاموں میں خرچ کیا جائے ـــ مال فی نفسہ کوئی مذموم چیز نہیں، ہاں اس کو جمع کرنا، بخل کرنا اور بندگان خدا پر خرچ نہ کرنا قبیح اور معیوب ہے اور ایسا کرنے سے اسلام روکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے

وَاعْلَمُوْا اَنَّمَا اَمْوَالُکُمْ وَاَوْلَادُکُمْ فِتْنَۃٌ۔

ترجمہ: اور جان لو کہ بیشک تمہارے مال و اولاد خدا کی طرف سے آزمائش میں ڈالنے والے ہیں۔

پس یہی مال انسان کے لئے راحت کا باعث ہوتا ہے۔ جبکہ وہ راہ خدا میں سخاوت کرتا ہے اور یہی مال اس کے لئے اذیت کا سبب ہوتا ہے جبکہ وہ بخل کرتا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی وَمَا یُغْنِیْ عَنْہُ مَالُہٗٓ اِذَا تَرَدّٰی۔ (اللیل)

سو جس نے اللہ کی راہ میں دیا اور ڈرتا رہا اور بھلی بات کو سچ جانا تو ہم اس کو سہج سہج پہنچا دیں گے آسانی میں، اور جس نے بخل اختیار کیا اور بے پرواہ رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو سو اس کو ہم سہج سہج پہنچائیں گے سختی میں اور اس کا یہ مال اس کے کچھ کام نہ آئیگا جب وہ گڑھے میں گرے گا۔

مال کا صحیح مصرف:۔

اسلام میں مال کا صحیح مصرف کلمۃ الحق کو جاری و ساری کرنا اور اسلام اور ملک و ملت کی خدمت کرنا ہے نہ یہ کہ ذخیرہ اندوزی سے اپنے آپ کو ہلاکت و تباہی میں ڈالنا جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ

اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیکی کرو بیشک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یہاں، فی سبیل اللہ سے مراد جہاد فی سبیل اللہ کلمۃ الحق کا بلند کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ تُرْھِبُوْنَ بِہٖ عَدُوَّ اللّٰہِ وَعَدُوَّکُمْ وَاٰخَرِیْنَ مِنْ دُوْنِھِمْ لَا تَعْلَمُوْنَھُمْ اَللّٰہُ یَعْلَمُھُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ (الانفال)

اور تیار کرو ان کی لڑائی کے واسطے جو کچھ جمع کر سکو قوت سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے کہ اس سے دھاک پڑے اللہ کے دشمنوں پر اور تمہارے دشمنوں پر اور دوسروں پر ان کے سوا (منافقین) جن کو تم نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے وہ تم کو پورا ملے گا اور تمہارا حق نہ رہ جائے گا۔

شکر اور کفر کے نتائج:-

حیات دنیوی میں ایمان اور عمل صالح کا صلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراخی مال اور کفر اور ناشکری کا بدلہ تنگی رزق ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:-

اِسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ إِنَّهُ كَانَ غَفَّارًا يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُمْ مِدْرَارًا وَيُمْدِدْكُمْ بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَيَجْعَلْ لَكُمْ جَنَّاتٍ وَيَجْعَلْ لَكُمْ أَنْهَارًا ۝

اے لوگو! اپنے پروردگار سے گناہ بخشواؤ بیشک ...... وہ بخشنے والا ہے، چھوڑ دے گا آسمان کی تم پر دھاریں اور بڑھائے گا تم کو مال اور بیٹوں سے اور بنائے گا تمہارے واسطے باغ اور بنائے گا تمہارے لئے نہریں۔ (نوح)

پھر ارشاد ہوتا ہے:-

وَأَنْ لَوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُمْ مَاءً غَدَقًا　(الجن)

اور یہ حکم آیا کہ اگر لوگ راہ پر سیدھے رہتے تو ہم پلاتے ان کو پانی بھر کر۔

آگے چل کر فرمایا:-

وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمَى　(طٰہٰ)

اور جس نے منہ پھیرا میری یاد سے تو اس کو ملنی ہے گزران تنگی کی اور لائیں گے اس کو دن قیامت کے اندھا۔

ان آیات سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے کہ مال بذات خود کوئی بری چیز نہیں بلکہ اس کا استعمال انسان کو شقی یا سعید بنا دیتا ہے۔

استعمال کے طریقے:-

اسلام جہاں رزق حلال کی ترغیب دیتا ہے وہاں مال کے صحیح مصرف کی راہ بھی بتاتا ہے۔ وہ فضول خرچی اور عیاشی سے منع کرتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:-

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا، إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا　(بنی اسرائیل)

قرابت والے، محتاج اور مسافر کو ان کا حق ادا کر اور مت اڑا بیجا بیشک فضول خرچ شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان تو اپنے رب کا نافرمان ہے۔

میانہ روی کو اسلام نے سراہا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:-

وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَحْسُورًا۔　(بنی اسرائیل)

اور نہ رکھ ہاتھ بندھا ہوا اپنی گردن کے ساتھ اور نہ کھول دے اس کو بالکل کھول دینا، پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا ہوا۔

حقیقت میں اعتدال پسند لوگ ہی نیکی پر ہیں ارشاد ہوتا ہے:-

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَلِكَ قَوَامًا۔　(الفرقان)

اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرنے لگیں نہ بیجا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ میں ایک سیدھی گذران۔
آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:۔
وکلوا واشربوا ولا تسرفوا انہ لا یحب المسرفین۔
کھاؤ اور پیو اور بیجا خرچ نہ کرو، بیشک اس کو۔
خوش نہیں آتے بیجا خرچ کرنے والے۔ الاعراف
نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔
کلوا واشربوا وتصدقوا فی غیر اسراف ولا مخیلۃ
کھاؤ، پیو، پہنو، اور خیرات کرو۔ فضول خرچی اور دکھاوے سے بچتے رہو۔
اس بات پر آپ تعجب کریں گے کہ فقہائے اسلام وضو کرتے ہوئے پانی کا بھی اسراف نہ کرتے، اگرچہ وہ دریا پر یا نہر ہی پر کیوں نہ وضو کر رہے ہوں، اسلام مسلمانوں کو ایسی تربیت دیتا ہے کہ وہ کسی حال میں بھی اعتدال کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اگر آج مسلمان اسلام کے سنہری اصولوں کو اپنا لیں تو وہ یقیناً دنیا میں عزت کی زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

مال کی حفاظت:۔

اسلام نے مال کی حفاظت کے لئے یہاں تک حکم دیا کہ ان نادان لوگوں کے ہاتھ میں نہ تھما دیا جائے جن کو اس کے صحیح استعمال کا علم نہیں۔ ارشاد ہے:۔
ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما وارزقوھم فیھا واکسوھم وقولوا لھم قولا معروفا (النساء)
اور مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے گزران کا سبب اور ان کو اس میں سے کھلاتے پہناتے رہو اور کہو ان سے بات معقول۔
غور فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے (اموالکم فرما کر) کس طرح نادان کے مال کو "تمہارا" مال قرار دیا۔ اگرچہ یہ مال بعض افراد کا ہے لیکن اس میں پوری امت کے لئے برکتیں ہیں اور یہ وہ امانت ہے جس میں کسی فرد کو بھی خیانت کی اجازت نہیں۔ ارشاد ہے:۔
آمنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ فالذین آمنوا منکم وانفقوا لھم اجر کبیر (الحدید)
یقین لاؤ اللہ پر اس کے رسول پر اور خرچ کرو اس میں سے جو تمہارے ہاتھ میں دیا اپنا نائب کر کے، سو جو لوگ تم میں یقین لائے ہیں اور خرچ کرتے ہیں ان کو بڑا ثواب ہے۔
پس ظاہر ہوا کہ اسلام ہر شخص کو اپنا مال جس طرح چاہے آزادانہ خرچ کرنے کا حق نہیں دیتا۔ بلکہ اس نے راہیں مقرر کر دی ہیں جن کو توڑنا ظلم ہے۔

اسپین کی اسلامی حکومت میں فلسفہ کا ارتقاء

(غلام مرسلین صاحب ایم اے شعبہ عربی
مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

مسلمانوں کے دورِ حکومت میں اسپین کے اندر فلسفہ کے نشوونما اور ارتقاء کا جائزہ لینے کے لئے پہلے ہم کو یہ دیکھنا ضروری ہوگا کہ اسلام سے پہلے وہاں کے باشندوں کا فلسفہ کے ساتھ کیا معاملہ تھا۔

فتحِ اسلامی سے پہلے اسپین میں آریائی قومیں آباد تھیں جن کی زندگی میں بدویت اور ذہن میں سادگی تھی۔ ان کے فکر و تخیل نے اتنی ترقی نہیں کی تھی کہ فلسفہ جیسی باریک بحثوں کی متحمل ہو سکیں، حامی اور بربر قومیں جہاں بھی رہیں ان کو علمی بحثوں سے کوئی سروکار نہیں رہا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ یہ قومیں مختلف قبائل میں منقسم تھیں جو آئے دن ایک دوسرے سے لڑتے رہتے تھے۔ باہمی جنگ و جدل کا یہ غیر منقطع سلسلہ ان کو حقائقِ اشیاء میں غور و فکر کی فرصت نہ دیتا تھا۔ ان کا پیشہ تجارت اور جہاز رانی اور مذہب اصنام پرستی اور اوہام پرستی تھا۔ ان وجوہ کی بنا پر ان کے یہاں علماء اور عاملوں کی جگہ جادو ٹونہ اور جادوگروں کو مقبولیت حاصل تھی۔ جیسا کہ عموماً جاہل قوموں میں ہوا کرتا ہے۔

لیکن ۹۲ھ کے بعد جبکہ اسپین میں مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا وہاں تعلیم و تعلم کا سلسلہ عام ہوا۔ مشرق کے علماء ہجرت کر کے وہاں گئے اور مشرقی علوم سے وہاں کے باشندوں کو روشناس کیا۔ اسی طرح اسپین سے بھی طلباء کی بڑی تعداد نے علم حاصل کرنے کے لئے مشرق کا سفر کیا اور بغداد جیسے شہروں میں سالہا سال رہ کر مختلف علوم میں کمال حاصل کیا، پھر اپنے وطن کو لوٹ گئے۔ اسی وقت سے اسپین میں فلسفہ کا چرچا شروع ہوا۔ لیکن پھر بھی یہ کہنا پڑتا ہے کہ اسپین میں وہ آزاد خیالی عام نہ ہو سکی جو مشرق میں تھی۔ اسی لئے وہاں علوم لغویہ، دینیہ اور ادبیہ کو کافی ترقی ہوئی۔ انہوں نے تفسیر، حدیث اور فقہ وغیرہ کی خوب خدمت کی۔ علوم عربیہ ادب، نحو اور لغت وغیرہ میں کافی کام ہوا اور ابن عبداللہ جیسے نامور علماء ظہور پذیر ہوئے جن کی کتاب "العقد الفرید" عربی ادب کے مصادر میں بڑی اہمیت رکھتی ہے، لیکن علوم فلسفہ جس میں فلکیات، الٰہیات اور طبعیات سب ہی آ جاتے ہیں زیادہ مقبولیت حاصل نہ کر سکے۔

صاحب الطیب کا کہنا ہے "اگرچہ اہلِ اسپین کا علم فلسفہ اور علم نجوم میں کافی حصہ ہے لیکن عوام کی ناراضگی کی وجہ سے یہ علوم خواص تک ہی محدود رہے جس کے بارے میں معلوم ہو جاتا کہ وہ فلسفہ یا نجوم پڑھتا ہے تو اس پر طعن و تشنیع ہی نہیں کرتے تھے بلکہ ذاتی طور پر اس سے دشمنی پر اتر آتے۔ قبل اس کے کہ سلطان اس سلسلہ میں کوئی فیصلہ کرے وہ خود اس شخص کو کافر سمجھتے ہوئے ہلاک کر دیتے۔ سلطان بھی عوام کی خوشنودی کے لئے عموماً ایسے لوگوں کو قتل کروا دیا کرتے تھے، صرف یہی نہیں بلکہ ان کی کتابوں کو جلا کر ملیامیٹ کر دیا کرتے تھے۔

کے باوجود بہت سے لوگوں نے اس علم میں دلچسپی لی اور اس کو حاصل کرنے کے لئے مشرق کے طویل سفر کئے اور اپنے ملک میں آکر اس موضوع پر کتابیں لکھیں۔

ابو عبیدہ مسلم بن احمد المعروف بصاحب القبلہ نے مغرب سے مشرق کا سفر کیا اور بڑے بڑے علماء سے علم حاصل کیا۔ یہ شخص علم نجوم و دوران کے متعلق احکامات و حسابات سے بخوبی واقف تھا۔ اس کے نظریات کو ادباء و فقہاء نے پڑھا اور اس پر بہت سے الزامات لگائے۔ اس پر طعن و تشنیع کرنے والوں میں ابن عبد ربہ اندلسی پیش پیش تھا۔ اس نے اپنی تصنیفات میں بہت سے مقامات پر اس کے نظریات کا مذاق اڑایا اور ادباء و فقہاء کی جماعت اور ان کے نظریات سے علیحدگی کو اس کی بہت بڑی غلطی قرار دیا۔

بہر حال اسپین میں فلسفہ کی ابتدا تیسری صدی ہجری کے درمیان میں ہوئی اور پہلے علم فلک و نجوم، پھر علم طب اور علم الکلام علماء کی دلچسپی کا سامان بنے۔

عبدالرحمٰن الناصر (۳۰۰ھ سے ۳۵۰ھ) کے عہد حکومت میں اسپین میں علوم و فنون میں بڑی ترقی ہوئی۔ یہ بادشاہ بڑا عالم اور علم دوست تھا۔ چنانچہ اس نے مشرق سے بہت سی قیمتی کتابیں منگائیں اور وہاں سے آنے والے وفود کی بڑی عزت کی۔ اس کا بیٹا الحکم، جس نے ماہر علماء کی صحبت میں پرورش پائی تھی، بہت زیادہ علم دوست تھا۔ اس کو علمی کتابیں جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ اپنے دور حکومت میں اس نے بغداد اور دوسرے بڑے شہروں سے فلسفہ اور ریاضی کے ساتھ دوسرے علوم عربیہ کے بھی بہت سے نادر اور قیمتی مخطوطات منگوائے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے کتب خانہ میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ دوسرے قول کے مطابق اس میں چھ لاکھ کتابوں کا ذخیرہ تھا۔ اس کے شوق مطالعہ کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ان کتابوں میں اکثر پر اس کی تعلیقات تھیں۔

الحکم کی علم دوستی نے عوام و خواص کو علوم سے روشناس کرایا۔ فلسفہ اور اس کے مذاہب عام ہوگئے۔ اسپین میں صرف علم طب کے لئے چار جامعات تھیں اور صرف قرطبہ (Cordova) میں اسّی مدرسے تھے۔ الحکم اپنے محل میں علمی اور ادبی مجلس منعقد کیا کرتا تھا جن میں مختلف موضوعات پر پوری آزادی کے ساتھ مباحثے ہوتے اور وہ ہر ایک کی رائے کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا۔ اس لئے مشرق کے علماء و فلاسفہ کی ایک بڑی تعداد وہاں پہنچ گئی۔ اسپین کے جامعات کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ ان کی شہرت سن کر یورپ کے مختلف ممالک کے لوگ تحصیل علم کی غرض سے اسپین آنا شروع ہوگئے اور یہاں سے تعلیم حاصل کرکے اپنے یہاں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوئے۔

الناصر اور الحکم کے عہد میں اسپین نے بہت سے نامور فلاسفہ کو جنم دیا مثلاً ابن تمیمہ م ۳۱۵ھ، عبداللہ بن محمد م ۳۷۰ھ، محمد بن اسمٰعیل م ۳۳۱ھ اور ابوبکر بن ابی عیسیٰ وغیرہ۔ لیکن الحکم کے انتقال کے بعد ہشام کم سنی کی وجہ سے تخت نشین نہ ہو پایا۔ عہد حکومت کی باگ ڈور منصور بن ابی عامر کے ہاتھ میں پہنچ گئی۔ اس نے الحکم کے کتب خانہ سے فلسفہ کی تمام کتابوں کو نکلوا کر جلوا دیا اور اس طرح فلسفہ اور فلاسفہ ایک دفعہ پھر گمنامی میں چلے گئے۔ یہ حالت اموی حکومت کے اختتام یعنی ۴۲۸ھ تک باقی رہی۔

طوائف الملوکی کے زمانہ میں حکمرانوں کو ملک کے اندرونی خلفشار نے اتنی مہلت نہ دی کہ لوگوں کی آزاد خیالی پر روک لگا سکیں۔ چنانچہ ایک بار پھر فلسفہ کا بازار گرم ہوگیا۔ لوگوں نے اس علم کے چھپے ہوئے خزانہ کو تلاش کرنا شروع کر دیا اور علمی

مباحثے عام طور پر ہونے لگے۔ اس دور کے مشہور فلاسفہ یہ ہیں:۔

(۱) عبد الرحمن بن اسمٰعیل اقلیدسی، (۲) سعید سرقسطی (۳) مسلمۃ سرقسطی (۴) عمر بن عبد الرحمن قرطبی (۵) ابن حزم علی بن احمد اندلسی اور ابن خلدون اشبیلی۔

مرابطین کے دور میں فلسفہ پر پھر پابندی عائد کی گئی اور فلاسفہ کے ساتھ سختی سے معاملہ کیا گیا۔ یہی حالت موحدین کے عہد میں بھی رہی۔ البتہ یوسف بن عبد المومن (۵۵۸ھ سے ۵۸۰ھ) کے عہد میں آزاد خیال فلاسفہ اور مفکرین کی ہمت افزائی کی گئی۔ اس نے علماء و فلاسفہ کو تقرب بخشا اور علمی کتابیں جمع کرائیں۔ اسی بادشاہ نے ابن رشد کو ترقی دیکر قرطبہ کا قاضی القضاۃ بنا دیا۔

یوسف کے بعد اس کا بیٹا یعقوب جانشین ہوا مگر وہ صوفی منش آدمی تھا۔ لہٰذا اس کے مصاحبین میں صوفیہ اور علمائے حدیث و تفسیر کے علاوہ کوئی اور شامل نہ ہو سکا۔ اس نے سب کو ایک مذہب پر لانے کی کوشش کی اور علوم عقلیہ کا پڑھنا ممنوع کر دیا۔ صوفیہ اور علمائے وقت نے دین کی آڑ لے کر بادشاہ کو ابن رشد اور اس کے تلامذہ کے خلاف بھڑکا دیا۔ چنانچہ بادشاہ نے ان کو شہر بدر کر دیا۔ فلسفہ کی تمام کتابوں کو جلوا دیا۔ اور اس کے خلاف بہت سخت احکام جاری کئے۔ لیکن جلد ہی بادشاہ کو عقل آ گئی۔ چنانچہ ابن رشد کو واپس بلا لیا گیا اور دوبارہ فلسفہ پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔ اس کے بعد مسلمانوں کی حکومت کے خاتمہ تک یعنی ۱۴۹۲ء تک وہاں فلسفہ کی تعلیم عام طور پر جاری رہی۔

قاضی زین العابدین سجاد

ہمارے دینی مدارس اور ان کا نظامِ تعلیم

۱۹۶۲ء میں، ہندوستان کے بعض ممتاز دینی مدارس میں اساتذہ اور اساتذہ و طلبہ میں عام بے چینی کی وجہ سے اخبارات و رسائل میں "اصلاح مدارس" کا مسئلہ چھڑا ہوا تھا اور کئی اکابر علم و قلم نے اس بحث میں حصہ لیا تھا۔ خاکسار نے بھی اس زمانہ میں "ندائے ملت" میں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔

اب پھر یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا ہے۔ اس موضوع پر کئی ارباب مدارس کے مضامین اخبارات و رسائل میں شائع ہو چکے اور صوبہ بہار میں مونگیر اور گیا میں اس موضوع پر دو کانفرنسیں بھی منعقد ہو چکی ہیں جو دو مختلف نقطہ ہائے نظر کی حامل تھیں۔

اس سلسلہ میں اپنا نقطۂ نظر پیش کرنے کے لئے میں اس مضمون کو شائع کر رہا ہوں اس مضمون کا اہم عنصر نصاب تعلیم کی دو حصوں میں تقسیم ہے تاکہ ابتدائی حصہ میں حدیث و تفسیر کا بھی کچھ حصہ آجائے جس سے محرومی بڑی محرومی ہے۔

ناظرین کرام کی معلومات کے لئے عرض کر دوں کہ چار پانچ سال قبل، دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ میں نصاب تعلیم میں ترمیم و اصلاح کا مسئلہ زیرِ بحث آیا تو خاکسار نے اپنے اس خیال کو مجلس میں پیش کیا تو بیشتر ارکان شوریٰ نے اسے پسند فرمایا اور نصاب تعلیم کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پہلے حصہ کے لئے سند کا عنوان "عالم" بھی تجویز فرما دیا گیا اور اس حصہ کو فی الجملہ مفید بنانے کے لئے احادیث شریف کے دو مختصر مجموعوں کی ترتیب کا کام حضرت مولانا محمد میاں مرحوم اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کے سپرد کیا گیا۔ ان دونوں بزرگوں نے یہ کام بحسن و خوبی انجام دیا اور مشکوٰۃ الآثار اور الفیتہ الحدیث کے نام سے یہ دونوں رسالے شائع ہو کر دارالعلوم دیوبند کے نصاب تعلیم کا جزو بن گئے۔ مگر دارالعلوم میں، بعض اہم مصالح تعلیمی کے تحت درجہ عالمیت کو مستقل حیثیت سے قابل سند قرار دینے کی تجویز کو واپس لے لیا گیا۔ بہرحال، دارالعلوم دیوبند میں نصاب تعلیم کے ابتدائی حصہ میں اس مفید اضافہ سے، نیز قواعد عربی کے بعض جدید رسائل النحو الواضح۔ کتاب الصرف کتاب النحو کے علاوہ، تاریخ جغرافیہ معاشیات اور سائنس کے مختصر رسالوں کو جزو نصاب بنانے سے یہ فائدہ ہوا کہ جو طلبہ آخری درجات تک کسی مجبوری سے اپنی تعلیم کو مکمل نہ کر سکیں گے وہ بھی دنیوی اور دینی دونوں قسم کے علوم سے کسی نہ کسی درجہ میں آشنا ہو جائیں گے۔ اور ان کے یہ سال ضائع نہ ہوں گے یہ مفید ترمیم و اضافہ دارالعلوم دیوبند میں کئی سال گزرے عمل میں آچکا ہے مگر جہاں تک مجھے علم ہے ہندوستان کے دوسرے دینی مدارس نے جن میں سے اکثر دارالعلوم دیوبند سے اپنی وابستگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں، اس اصلاح شدہ نصاب کو اپنے ہاں جاری نہیں کیا ہے۔ میری درخواست ہے کہ وہ کم از کم اس اصلاح کو ضرور قبول فرمالیں جو خود ان کے علمی و تعلیمی مرکز میں ہو چکی ہے۔ دیگر انتظامی و تنظیمی اصلاحات پر گفتگو کا دروازہ کھلا رکھا جا سکتا ہے۔

میں نے اپنے مضمون مندرجہ تحت میں مدارس دینی کے مسائل پر بحث و نظر کے لئے ایک مرکزی اجتماع کی تجویز بھی پیش کی تھی۔ صوبائی حیثیت سے، اس سلسلہ میں صوبہ بہار میں دو اجتماع منعقد ہو چکے ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے گذشتہ جشن

تعلیمی میں بھی یہ مسئلہ ضمنی طور پر زیر بحث آچکا ہے مگر کل ہند پیمانہ پر ابھی ایسے اجتماع کا انتظار ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور جمعیۃ علمار ہند دو مرکزی ادارے ایسے ہیں جو اس کام کو ذمہ دارانہ طریقہ سے انجام دے سکتے ہیں۔

(ملا عیب)

ہمارے دینی مدارس کے زوال و انحطاط کا مسئلہ ملت کے ارباب فکر کے حلقوں میں بحث و تمحیص کا موضوع بن رہا ہے۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، مولانا ابوالحسن علی ندوی اور دیگر اصحاب علم کے متعدد مضامین مختلف رسائل و جرائد میں نظر سے گزر چکے ہیں ہمارے عربی مدارس بے شک دین کے قلعے ہیں۔ موجودہ دور زوال و انحطاط میں بھی ان کی افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ برّاعظم ہند و پاکستان میں جو دینداری اور مذہبی بیداری پائی جاتی ہے وہ بڑی حد تک انہی کے وجود کا صدقہ ہے خصوصاً مسلمانوں کے غیر تعلیم یافتہ طبقوں میں جو مذہبی رجحان اور دینی لگاؤ ہے وہ انہی مدارس کے علمار کا فیض ہے جو مدارس میں درس ہی نہیں دیتے بلکہ مساجد میں امامت کے فرائض بھی انجام دیتے ہیں مذہبی اجتماعات میں وعظ و تقریر کے ذریعہ اسلامی جذبات بھی پیدا کرتے ہیں، فتاویٰ کے ذریعہ عملی زندگی میں ان کی رہنمائی کا فرض بھی ادا کرتے ہیں۔ [illegible] و تالیفی حلقوں میں اور سیاسی میدانوں میں بھی وہ کبھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ بہرحال یہ مدارس حفاظت دین کے قلعے اور جسم ملت کا قلب ہیں۔ اور وہی لوگ ان کی اہمیت و عظمت کا انکار کر سکتے ہیں جن کی نگاہوں میں دین [illegible] ہی کی کچھ اہمیت نہیں ہے یا ان کی خدمات سے واقف نہیں ہیں۔

ظاہر ہے اگر قلب کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے اور وہ اپنے فرائض صحیح طور پر انجام نہ دے سکے تو کوئی عقلمند یہ نہیں کہے گا کہ اسے جسم میں سے نکال کر پھینک دیا جائے۔ البتہ اس کے علاج کی طرف توجہ کی جائے گی اور جسم کے دوسرے اعضاء کے مقابلہ میں زیادہ اہمیت کے ساتھ اس کے ازالہ کا اہتمام کیا جائے گا۔ لہٰذا دینی مدارس کے مسائل پر جب ہم اس مقصد سے گفتگو کرتے ہیں اور بغرض اصلاح و علاج ان کے نقائص و امراض کی نشاندہی کرتے ہیں تو اس کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ ان کے افادے کے دائرہ کو وسیع تر کیا جائے اور ان کو اپنی مفوضہ خدمات بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینے کے قابل بنایا جائے۔

یہ بات میں نے بطور تمہید اس لئے عرض کر دی کہ جدید تعلیم یافتہ اصحاب میں سے کوئی صاحب جو فی نفسہ قدیم نظام تعلیم ہی کے مخالف ہوں ہمارے ان مضامین سے غلط استدلال کرنے کی کوشش نہ فرمائیں۔

اسباب فساد کا تجزیہ :-

حضرت مولانا علی میاں نے اپنے مضمون میں مدارس عربیہ کے فساد اور بگاڑ کا اصل سبب طلبا میں علوم دینیہ کی عظمت تقدس و افادیت پر یقین و اعتماد کا فقدان اور اس سے روحانی و ذہنی وابستگی اور جذبہ قربانی سے محرومی قرار دیا ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ :-

"دینی مدارس کے حدود کے اندر اس وقت جو ذہنی بے چینی اخلاقی انتشار اور علمی انحطاط پایا جاتا ہے اور جو بعض اوقات طلبار کی غلط تنظیمات اور اسٹرائکوں کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اس کے اصلاح و ازالہ کی شکل یہی ہے کہ اس کی [illegible] کی گہرائیوں سے نکالا جائے اور اخلاص، دین کی عظمت و افادیت پر یقین و اعتماد اپنے مستقبل کے بارے میں ایمانی جذبہ کے ساتھ اطمینان پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔"

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی نے اس رائے سے اتفاق فرماتے ہوئے آگے بڑھ کر ایک بات اور فرمائی ہے اور وہ یہ کہ :-

"اس وقت صورت یہ ہے کہ ہمارے ان مدارس کے منتظمین اور اساتذہ و مدرسین میں بھی خاصی تعداد ایسوں کی ہے جن کے دلوں میں اصل مقصد کے بارہ میں کوئی جذبہ کوئی لگن اور کوئی دلچسپی نہیں ہے بلکہ ان کو اس کا شعور واحساس بھی نہیں ہے، مدارس سے ان کا تعلق بس ایک معاشی مشغلہ کا ہے۔ وہ اپنے فرائض و حقوق اور دیگر متعلقہ مسائل کے بارہ میں ایک تنخواہ دار ملازم ہی کی حیثیت سے سوچتے ہیں، یہ بات کہ ایک نائب رسول، عالم دین اور عالم گر ہونے کی حیثیت سے ان کا نصب العین کیا ہونا چاہئے ان میں کیا صفات اور کیسے جذبات ہونے چاہئیں، اور ان کی زندگی اور سیرت کیسی ہونی چاہئے اس کی فکر ان کو نہ اپنے بارہ میں ہوتی ہے نہ طلباء کے بارہ میں۔"

حضرت والا نے اس سلسلہ میں بیماری کے اسباب و علل کا یہ تجزیہ بڑی حد تک صحیح ہے۔ بنیادی خرابی یہی ہے کہ مدارس عربیہ کے بیشتر طلباء کا نصب العین یہ نہیں ہوتا کہ وہ علوم دینیہ کی تکمیل کرنے کے بعد، کتاب و سنت کی روشنی کے مشعل بردار ہوں اور ملت مسلمہ کی فکری و عملی رہنمائی کا فرض جو ان پر ولتکن منکم امۃ یدعون الی الخیر۔ کے تحت عائد ہوتا ہے ادا کریں، بلکہ بیشتر اقتصادی مجبوریوں سے ان مدرسوں میں آجاتے ہیں اور چونکہ وہ تعلیم جدید کے گراں قدر اخراجات کا تحمل نہیں کرسکتے بلکہ بعض حالات میں زندگی کے دن گزارنے کا کوئی اور معقول انتظام نہیں ہوتا اس لئے ان مدرسوں میں داخلہ لیتے ہیں۔

ماضی اور حال کا فرق:

... سے پچاس برس پہلے جب تعلیم جدید کا جال گاؤں گاؤں اور قصبہ قصبہ نہیں پھیلا تھا، اور مسلم شرفاء اور ارباب ثروت ... تعلیم کو اپنی اولاد کے لئے عار نہیں سمجھتے تھے حالات اس سے بالکل مختلف تھے۔ مجھے ذاتی طور پر اس کا علم ہے کہ اب سے تیس برس پہلے تک اصحاب حیثیت مسلمانوں کے بچوں کی کافی تعداد ان مدرسوں کی زینت ہوتی تھی۔ اس شہر اور قصبہ کے مدرسوں میں زیادہ تر مقامی طلباء علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کرتے تھے یہ تو نہیں کہا جاسکتا یہ طلباء سب کے سب ... دعوت و تبلیغ کے مقاصد کے تحت تعلیم حاصل کرتے تھے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ کم از کم ہر طالب علم کا مطمح نظر طالب علم ہوتا تھا ... دینیہ علوم و فنون میں بصیرت پیدا کرنے کے لئے جدوجہد بھی کرتے تھے اس لئے ان مدرسوں سے فارغ ہو کر نکلنے والوں میں استعداد و علمی کا فقدان نہ ہوتا تھا۔

موجودہ صورت حالات یہ ہے کہ (نام نہاد) مسلم شرفاء اور ارباب ثروت، بلکہ مجھے عرض کرنے دیجئے کہ صاحب مقدرت ... مشائخ بھی اپنے بچوں کو جدید تعلیم سے آراستہ کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان مدارس میں ... جو ... کے سرپرست اسکولوں اور کالجوں کی تعلیم کے گراں قدر مصارف ادا نہیں کرسکتے۔ بلکہ ... کی معاشی ذمہ داریوں کو بھی پورا نہیں کرسکتے۔ زمانہ کی مجبوریوں کے ہاتھوں مدارس دینیہ میں ... نصب العین یہی ہوتا چاہئے کہ وہ ہر ممکن راحت و آرام کے ساتھ مدرسہ کی زندگی کے لمحات ... گزاریں اور اگر ... راحت و آرام میں کوئی کمی و کوتاہی محسوس کریں تو اس کے حصول کے لئے عصر حاضر کے معاشی نظاموں کے طریق احتجاج کے تمام جائز و ناجائز طریقے استعمال میں لائیں۔ اسٹرائکیں کریں، جلسے منعقد کریں، جلوس نکالیں، اساتذہ کے خلاف نعرے لگائیں اور مقدمے دائر کریں۔

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۱۲ سے آگے) نہ تھی نتیجۃً ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے مضبوط ہونے کے ساتھ ہی عیسائیت کی نشرواشاعت کے لئے اس ملک کو ایک کارآمد اور زرخیز علاقہ قرار دیا گیا۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ اس وقت ہندوستان میں موجود مذاہب میں اگر کوئی عیسائیت کے سیلاب بلا کو روکنے کے مذہبی جوش و خروش سے مسلح تھا تو وہ صرف اسلام تھا۔ چنانچہ ہندوستان میں جگہ جگہ مناظروں کے کارزار برپا ہو گئے جن میں نصرانیت اسلام سے براہ راست دست و گریباں ہونے لگی۔ پادری فنڈر کی ہنگامہ خیزیوں کے لئے مولانا رحمۃ اللہ کیرانوی کا کامیاب تعاقب اسی عہد کی یادگار ہے اور پھر یہ دستہ خیزی دور اس وقت تک برابر جاری قائم رہا جب تک کہ ہندوستان کی اقوام سیاسی مرکزیت پیدا کر لی۔ ڈیڑھ سو سال زائد پہلے ہندوستان کا یہ مختصر نقشہ جو اجمال و اختصار کی کوششوں کے ساتھ قارئین کے روبرو ہے اس کو سامنے رکھکر ذرا سوچئے کہ تثلیث کا وہ لشتارہ جو فرنگی اقتدار کی کمر پر لاد کر پادریوں کا جم غفیر ہندوستان پہنچ رہا تھا اس زہر کے لئے تریاق بجز اس کے اور کیا تھا کہ توحید کے ان اساسی تصورات کو بقوت اچھالا جائے جو اسلامی معتقدات میں قوام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ حضرت سید احمد شہید قائد تحریک جہاد کے دور میں جب توحید کے چشمۂ صافی پر تثلیث و شرک، بدعات و محدثات کا گرد و غبار تہہ بہ تہہ جمنے لگا تو اس تحریک سے وابستہ ہر فرد خصوصاً حضرت شاہ اسمٰعیل علیہ الرحمۃ نے حقیقت توحید کو جس مضبوط انداز میں نمایاں کیا وہ ولی اللہی خانوادہ کی مسعود جد و جہد کا ایک نمایاں کردار ہے غرضیکہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان کے ہر فرد نے ہندوستان میں اسلام کے احیاء و نشاۃ ثانیہ کے لئے وہ کوششیں انجام دیں جو ہندوستان کی تاریخ میں زریں عنوان سے لکھی جائیں گی اور جس کے ہر دور میں اثرات ہمیشہ فروزاں و تاباں رہیں گے۔

راقم الحروف تو یہ عرض کر رہا تھا کہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرنگی اقتدار کے بڑھتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لئے قرآن و حدیث ہی سے بھرپور مقابلہ کیا — اگر میں غلط کہہ رہا ہوں تو مجھے بتایا جائے کہ خود شاہ صاحب کی تفسیر قرآن کے بعد فارسی میں تفسیر عزیزی کی کیا ضرورت تھی؟ اور موضح القرآن کے بعد شاہ رفیع الدین المرحوم کے لئے ایک نئے ترجمہ کا کیا داعیہ تھا۔ کیا یہ حضرات صرف اپنے بے پناہ علم کا اظہار کر رہے تھے یا خواہی نخواہی قرآنیات میں اضافہ صرف زاد آخرت بادور کر رہے تھے — اور پھر کیا بات تھی کہ اسی تحریک کے امام سادس مولانا محمود حسن المعروف شیخ الہند نے مالٹا کی اسارت کے دور میں قرآن مجید ہی پر سعی و کاوش اپنے لئے ضروری قرار دی۔ اس مربوط و مسلسل کوشش کو بخت و اتفاق کی بد بختیانہ فہرست میں کب تک داخل کیجئے گا؟

خدا جانے قارئین کو یہ حقیقت سمجھا سکوں یا نہ سمجھا سکوں جسے ایک عرصہ سے اپنے دماغ میں سمیٹے ہوئے ہوں کہ قرآن و حدیث پر جو محنت ہندوستان میں کی گئی کہ قرآن کے تراجم، اسکی تفاسیر، فوائد و حواشی، پڑھانے کے لئے درسگاہیں سمجھانے کے لئے مجلسوں میں شبینہ و صبح گاہی دروس قرآن کوئی بلا ارادہ بات نہیں بلکہ ایک ایسا منصوبہ ہے جسکی گہرائی و گیرائی پر باقاعدہ تحقیقات دفتر کئے جا سکتے ہیں — پھر...... یہ قرآن کی تفسیر و ترجمہ کا سلسلہ اس وقت بھی کیوں اختیار کیا گیا جب ریگستان سندھ کا ایک بیدار مغز انسان اپنے استاذ کی جانب سے دلی کی پرسکون سیاسی زندگی میں تموج پیدا کرنے کے لئے مامور کیا گیا تھا آخر اگر صرف سیاسی ہلچل پیدا کرنا ہی پیش نظر تھی تو شیخ الہند علیہ الرحمۃ مولانا عبید اللہ سندھی المغفور سے اس مقصد کے لئے کوئی اور کام بھی تو لے سکتے تھے — پھر یہ کہکر بھی آپ اپنی جان نہیں بچا سکتے کہ ریشمی رومال کی تحریک کے منصوبہ کو نظر بد سے بچانے کی یہ تدبیر تھی اگر یہ کہئے گا تو — اس پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ اپنے پرجوش مقاصد کو مستور رکھنے کے لئے دوسری صورتیں بھی اختیار کی جا سکتی تھیں آخر قرآن کا ترجمہ و تفسیر ہی کا اس کام کے لئے انتخاب کیوں؟ بہر حال یہ صرف قارئین کے ذہنوں میں حقیقت کو اتارنے کی ایک کوشش ہے جو میرا اپنا ایک یقین ہے ورنہ راقم الحروف کے لئے تو شاہ ولی اللہ قدس سرہ سے لے کر مولانا شبیر احمد عثمانی تک قرآن کو اساس بنا کر جو بنیادی

منیبہ خاتون قاضیہ ایم اے

ایک عالمِ باعمل ــــــ ابراہیم حربیؒ

بغداد کے خلیفہ معتضد کے دورِ حکومت میں ابراہیم حربی نہایت متقی پرہیزگار اور بلند پایہ مصنف گزرے ہیں آپ نے مختلف علوم و فنون پر سینکڑوں کتابیں لکھیں جن میں بہت سی کتابیں اب بھی موجود ہیں۔ ابراہیم حربی امام احمد بن حنبل کے لائق شاگرد تھے۔ خلیفہ کے محل کے قریب ہی ان کا مکان تھا مگر آپ کے استغنا اور خودداری کا یہ عالم تھا کہ خلیفہ کی خواہش کے باوجود خلیفہ سے ملنے نہیں گئے۔

ایک مرتبہ ابراہیم حربی سخت بیمار تھے اور گھر کھانے پینے کو بھی نہیں تھا بیوی اور بیٹی تیمارداری میں لگی ہوئی تھیں، خلیفہ نے ایک ہزار اشرفیوں کا ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجا آپ نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا۔ بیٹی کا بہت اصرار تھا کہ جب یہ حالت ہے تو قبول کر لینا چاہیے اسی دوران علامہ ابوالقاسم جو ہر وقت آپ کے پاس ہی اٹھتے بیٹھتے تھے آ گئے۔ ابراہیم حربی نے کہا۔ اچھا ہوا ابوالقاسم تم آ گئے اب تم ہی فیصلہ کرو۔ بیٹی نے کہا چچا جان اس وقت ہماری حالت یہ ہے کہ کھانے کو درکنار دوا کیلئے بھی پیسے نہیں ہیں خشک ٹکڑوں سے نمک تک کھانے کو نہیں ہے ایک پڑوسی نے جتنا سامان بھیجا اس کو واپس کر دیا۔ رسولی نے جو اونٹ سامان لاد کر بھیجے وہ بھی واپس کر دئیے اب خلیفہ نے ایک ہزار اشرفیاں بھیجیں وہ بھی واپس کر رہے ہیں۔ ابراہیم نے سنکر کہا بیٹی بیان کر چکی؟ سنو ابوالقاسم زکوۃ خیرات کن لوگوں کے لئے جائز ہے یتیموں غریبوں بیواؤں کے لئے یا ہمارے لئے جبکہ اس صندوق میں بارہ سو جز مختلف الموضوعات پر میرے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں جن کی قیمت بارہ ہزار ملیگی پھر ہم کس طرح زکوۃ خیرات کے مستحق ہو سکتے ہیں۔ ان سے کہدو میرے مرنیکے بعد اس کو فروخت کر دینا۔ لڑکی یہ سُنکر خاموش ہو گئی اور وہ اشرفیاں واپس ہو گئیں ان کے استغنا و توکل کی وجہ سے تمام بغداد میں ان کی بڑی عزت تھی۔

ایک مرتبہ بغداد کے امیر الامراء قاضی اسمٰعیل نے ابراہیم حربی سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی ابراہیم حربی نے کہا میں جانتا ہوں قاضی صاحب بہت بڑے عالم ہیں میں بھی ان سے ملنے کا آرزومند ہوں مگر ان کے دروازہ پر دربان اور نقیب ہیں اور اس طرح میں جا کر اپنی بے عزتی نہیں کرانا چاہتا قاضی صاحب نے جب یہ سنا تو فوراً دربان اور نقیب اُٹھا دئیے اور کہلا بھیجا میرا دروازہ جامع مسجد کے دروازہ کی طرح کھلا ہوا ہے۔ ابراہیم حربی ان سے ملنے گئے۔ قاضی صاحب نے از راہ تعظیم ابراہیم کا جوتا اپنے رومال میں لپیٹ کر بغل میں دبا لیا اس کے بعد نہایت بے تکلفی کے ساتھ علمی گفتگو ہوتی رہی دونوں ایک دوسرے سے ملکر بیحد خوش ہوئے اور جب ابراہیم چلنے لگے تو جوتا تلاش کیا قاضی صاحب نے جوتا نکالکر سامنے رکھدیا ابراہیم مسکرائے اور دعا دی کہ تم نے عالم کی قدر کی تمہاری مغفرت کرے۔ کہا جاتا ہے جب قاضی صاحب نے انتقال کیا تو ایک شخص نے ان سے خواب میں پوچھا آپکے ساتھ خدائے تعالیٰ کیا

مرتبہ

شعبۂ نشر و اشاعت دارالعلوم دیوبند

رمضان المبارک اور عید الفطر کے معتبر اور ضروری مسائل

روزہ میں نیت کی ضرورت:۔ روزہ میں نیت شرط ہے (نیت کے معنی دل کے ارادے کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔
رمضان کے روزے کی نیت نصف دن شرعی سے پہلے تک کرسکتا ہے بشرطیکہ صبح صادق ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو اور کوئی کام جو روزہ کا مفسد ہو نہ کیا ہو، اس کے بعد اگر نیت کرے گا تو معتبر نہ ہوگی، زبان سے نیت .... زبان سے کرنی فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اس طرح نیت کرے۔ بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔
اگر افطار کے وقت ہی اگلے روزے کی نیت کرلی تب بھی جائز ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں یہ بالکل غلط ہے بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے تک کھانا پینا وغیرہ بلا شبہ درست ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں جاتا:۔ بھول کر کھانا پینا روزہ کو نہیں توڑتا، بلا اختیار حلق میں گرد و غبار یا مکھی مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، آٹا پیسنے والے، چھتا کوٹنے والے کے حلق میں جو آٹا وغیرہ اڑ کر جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آئے یا خواب میں غسل کی حاجت ہو جائے یا قے اگر خود بخود لوٹ جائے ان سب کاموں سے روزہ نہیں جاتا۔ اور کچھ خلل نہیں آتا، بلغم یا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر قصداً قے کی مگر تھوڑی سی (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں جاتا، تھوڑی سی قے آئی اور قصداً لوٹا کر نگل گیا تو اس میں اختلاف ہے، خوشبو سونگھنے سے، آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں جاتا۔ اگر روزہ میں کوئی بھول کر کھا پی رہا ہے اور قوی و تندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے اگر ضعیف و ناتواں ہے .... دلانا درست ہے، اگر خود بخود یا مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے لیکن حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہ کیا تو روزے میں خلل نہیں آتا۔ اگر دن میں سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہوگئی تو روزہ میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا، انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن دماغ اور معدہ میں اگر براہِ راست کوئی دوا وغیرہ پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جن چیزوں سے قضا واجب ہوتی ہے:۔ کان میں یا ناک میں دوا ڈالنا قصداً منہ بھر قے کرنا، منہ بھر قے آئی تھی اس کو نگل جانا یا کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا یہ سب چیزیں روزہ کو توڑنے والی ہیں مگر صرف قضا واجب ہوگی کفارہ واجب نہیں، کنکر یا لوہے، تانبے وغیرہ کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں یا رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھائی تو اس روزے کی قضا واجب ہوگی دن باقی تھا غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا روزہ کھول لیا تو صرف قضا واجب ہوگی، کفارہ نہیں، جان بوجھ کر بدون بھولنے کے صحبت کرنا، کھانا پینا، روزہ کو توڑتا ہے اور قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، اس کی طاقت نہ ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھنا، اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا (تفصیل کسی عالم سے دریافت کرلو۔)

جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے اور جن چیزوں سے مکروہ نہیں ہوتا

بلا ضرورت کسی شے کو چبانا، نمک وغیرہ کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے، قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کرکے نگل جانا مکروہ ہے، تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے اور روزہ مکروہ ہوجاتا ہے، فصد کرانا، پچھنے لگوانا روزہ میں مکروہ ہے، غیبت، بدگوئی، لڑائی جھگڑا روزہ کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے، مسواک کرنا، سر یا مونچھوں پر تیل لگانا مکروہ نہیں، سرمہ لگانے یا سرمہ لگا کر سو جانے سے روزہ میں خلل نہیں آتا، ناواقف لوگ جو مکروہ سمجھتے ہیں بالکل غلط ہے، خوشبو سونگھنا مکروہ نہیں، اگر بیوی کو اپنے خاوند یا نوکر کو اپنے آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں آنکھ میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت۔ اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہوجانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے، پھر قضا رکھے، حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے، اپنے یا غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے، ہمارے نواح کے چھتیس کوس یعنی اڑتالیس میل (۷۷ ۱/۴ کلومیٹر) کا سفر یا اس سے زیادہ سفر شرعی سفر کہلاتا ہے یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے واپس آنے کے بعد قضا کرے، اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہنچ گیا اور اب تک کچھ کھایا پیا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا، اگر کوئی شخص تیز سواری یا ریل وغیرہ سے بھی کم سے کم وقت میں ۷۷ ۱/۴ کلومیٹر کا سفر کرے گا تو بھی اس کو رخصت شرعی نماز کے قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہوگی۔ بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر بوزن انگریزی، یا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے، لیکن اگر کبھی طاقت آجائے گی تو قضا ضروری ہوگی، عورت کو اپنے نسوانی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں، اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز نفاس کا خون آئے جب خون بند ہوجائے روزہ رکھنا چاہیئے اور رمضان شریف کے بعد ان دنوں کے روزوں کی قضا ضروری ہے جن دنوں یہ عذر رہا ہے، جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا پینا نہیں چاہیئے بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنا اور اس کی قضا ۔ فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف کے اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں پس اگر سخت بیمار ہوگیا کہ اگر روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مرجائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے اگر کسی عذر سے روزے قضا ہوگئے ہوں تو جب عذر جاتا رہے جلد ادا کرلینا چاہئے کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں کیا خبر موت آجائے اور فرض ذمہ رہے مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کرلینا چاہئے، قضا رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر (یعنی لگاتار) رکھے یا جدا جدا متفرق اگر قضا رکھنے کا وقت پایا لیکن بغیر ادا کئے مرگیا تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر ایک کلو ۶۳۳ گرام) گندم صدقہ کریں اور اگر مال چھوڑ گیا ہے اور روزہ کی وصیت کرگیا ہے تو ادا کرنا لازم اور واجب ہے۔

سحری کھانے کا بیان اور فضیلت ۔ روزے کے لئے سحری کھانا مسنون ہے اور باعث ثواب ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "سحری کھایا کرو اس میں برکت ہوتی ہے" یہ ضروری نہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے بلکہ ایک دو لقمہ یا چھوارے کا ٹکڑا یا دو چار دانے چبالے تب بھی ثواب پائے گا۔ افضل اور بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصہ میں صبح صادق ہونے سے ذرا پہلے کھائے، اور اگر دیر ہوگئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح ہوگئی اور کچھ کھالیا تو شام تک رکنا اور پھر قضا رکھنا لازم ہے، اور اگر کسی مرغ یا مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں جبتک صبح صادق نہ ہوجائے بلا تکلف کھاتے پیو۔

افطار ۔ آفتاب غروب ہوجانے کے بعد افطار میں دیر نہ کرنی چاہئے البتہ جب روزہ ابر ہو احتیاط کے لئے دیر کرنا بہتر ہے چھوہارے یا خرمے سے افطار .... کرنا مسنون اور باعث ثواب ہے اور یہ نہ ہو تو پانی بہتر ہے۔ آگ کی پکی ہوئی چیز مثلاً روٹی، چاول، شیرینی وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت اور نقصان روزہ میں نہیں آتا، البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل وغیرہ دوسری چیز ہو، خرما و کھجور وغیرہ سب سے افضل ہے، اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار کروگے تو تمہارا .... ثواب ہرگز کم نہ ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائے گا پھر تم اس کو واپس کرکے کیوں بخیل کہلاتے ہو، البتہ یہ مال حرام اور مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو یہ حدیث و فقہ سے ثابت ہے اگر روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے کی وجہ سے مغرب کی نماز و جماعت میں غروب کے بعد دس بارہ منٹ کی تاخیر کردی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اور افطار کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینا کافی ہے اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ اور افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے ذَھَبَ الظَّمَاُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ تَعَالٰی۔

تراویح اور وتر ۔ عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح باجماعت مسنون ہے۔ اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا ملجائے تو تمام رمضان میں ایک قرآن مجید ختم کردینا چاہئے اسقدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہو اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار رکعت پر سلام پھیرا تو ان چاروں کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہئے۔ چار نہیں جس شخص کی دو یا چار رکعت تراویح کی رہ گئیں وہ امام کے ہمراہ باجماعت وتر پڑھ لے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے۔ جس شخص کو عشاء کے فرض باجماعت نہیں ملے وہ وتر امام کے ساتھ باجماعت پڑھ سکتا ہے، جو حافظ روپے لیکر ختم میں قرآن مجید سُناتا ہے اس سے بہتر وہ ہے جو اَلَمْ تَرَ کَیْفَ سے پڑھائے، اگر اجرت مقرر کرکے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو، اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں حدیث و فقہ سے یہی ثابت ہے۔

اعتکاف اور شب قدر ۔ اخیر عشرہ میں اعتکاف سنت ہے اگر بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب گنہگار سنت کا وبال رہتا ہے اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کرکے مسجد میں رہنا اور سوائے حوائج ضروری اور غسل وضو کے باہر نہ آنا۔ خاموش رہنا، اعتکاف میں ہرگز ضروری نہیں البتہ نیک کلام کرنا چاہیے بدکلامی اور لڑائی جھگڑے سے بچنا چاہیے، اعتکاف اس مسجد میں ہوسکتا ہے جس مسجد میں پنجگانہ نماز جماعت سے ہوتی ہے۔ اگر پورے اخیر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو بیس تاریخ کو آفتاب غروب ہونے سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آئے تو اعتکاف سے باہر ہو، یہ بھی جائز ہے اور باعث ثواب ہے کہ ایک دو روز یا ایک آدھ گھنٹہ کے لئے اعتکاف کی نیت سے مسجد میں رہے، شب قدر کا رمضان کے اخیر عشرہ میں ۲۱ یا ۲۳ یا ۲۵ یا ۲۹ کو ہونا احادیث میں وارد ہے لہٰذا ان مخصوص راتوں میں بہت محنت سے عبادت میں مصروف و مشغول رہنا چاہیے۔

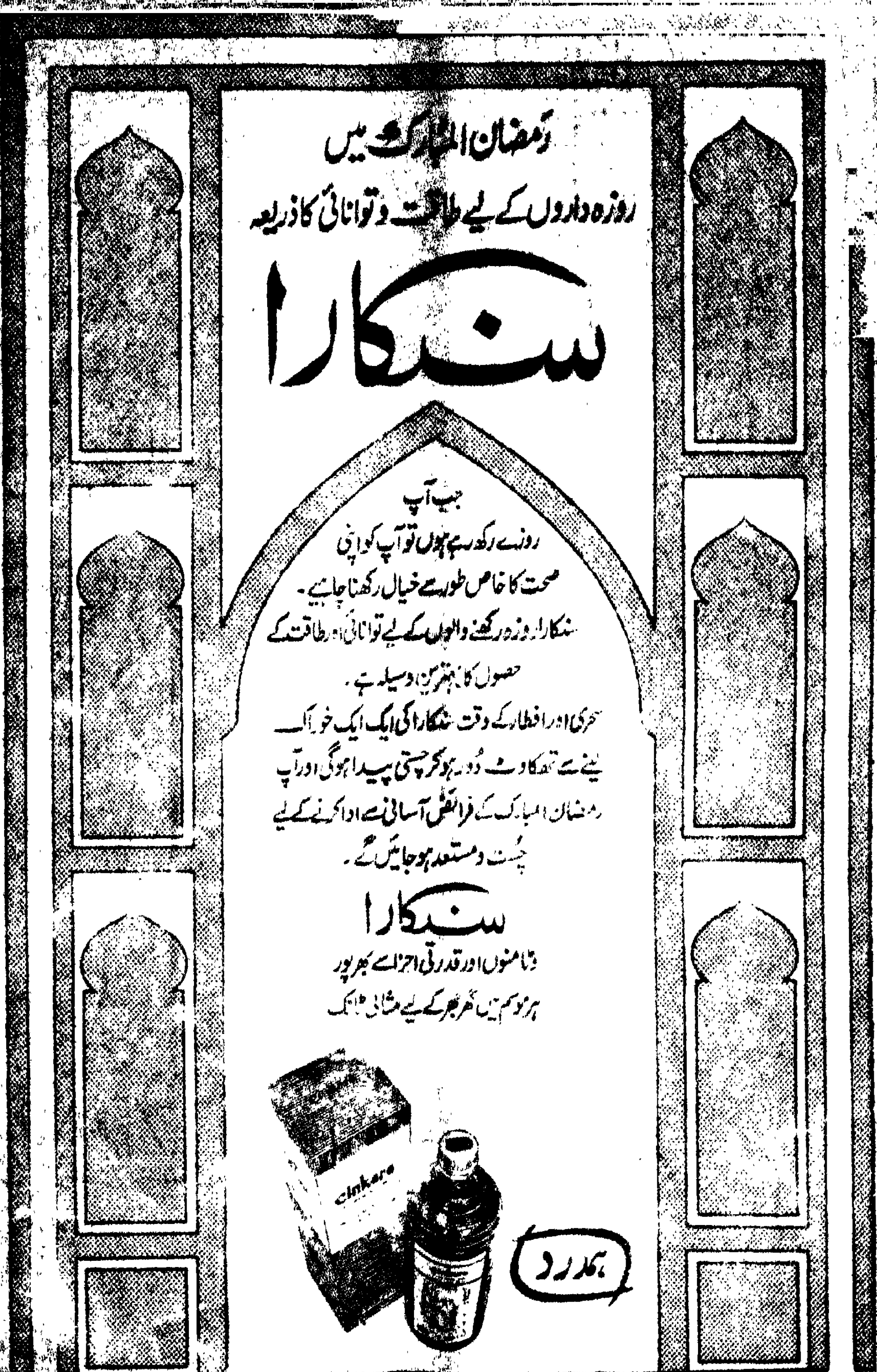
صدقۃ الفطر ۔ صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ ساڑھے باون تولہ تقریباً ۶۱۲ گرام چاندی یا اسی قدر وزن کے چاندی کے روپے ہوں یا زیور۔ مال و جائداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ تقریباً ۸۷ گرام سونا یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہو، یہ ضروری نہیں کہ اس پر سال بھی گذر گیا ہو، اگر کسی ....
کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس قسم کا اسباب باقی نہیں رہتا ہے .... تو اس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں جس شخص کے پاس مذکورہ بالا مال یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے ادا کرے اور اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی۔

صدقۃ الفطر ایک آدمی کا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم یا تین کلو ۲۶۶ گرام جو یا ان کی قیمت ہے، یہ وزن پونے دو سیر اور ساڑھے تین سیر کے مساوی ہے، اپنے نادار عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا فطرہ دیا جائے تو درست ہے اور اگر ایک آدمی کا صدقۂ فطر کئی محتاجوں کو دیں تو بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہت زیادہ باعث ثواب ہے۔

جس نے عذر یا غفلت سے روزے نہیں رکھے اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار کے بقدر مال رکھتا ہے، صدقۃ الفطر مؤذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں اور مسجد کی تعمیر یا اس کے مصارف میں لگانا درست نہیں۔

زکوٰۃ ۔ مال کی جس مقدار پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے اسی مقدار پر زکوٰۃ فرض ہوجاتی ہے۔ زکوٰۃ کا نصاب یہ ہے کہ مال کی مقدار کا چالیسواں حصہ (ڈھائی فیصدی) ادا کیا جائے، مگر اس میں مال کا نامی ہونا سونا چاندی ہو یا مال تجارت اور مال پر سال گذر جانا ضروری ہے، سال ختم ہونے سے پہلے زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی، رمضان المبارک میں [illegible] زیادہ فضیلت ہے طالبانِ علم دین زکوٰۃ کے بہترین مصرف ہیں اسمیں دوہرا ثواب ہے فرض [illegible] اور اشاعت علم دین کا۔

رویت ہلال ۔ اگر مطلع صاف ہو تو رمضان اور عید کے چاند میں بہت سے لوگوں کا [illegible]


رمضان المبارک میں
روزہ داروں کے لیے طاقت و توانائی کا ذریعہ
سنکارا
جب آپ
روزے رکھ رہے ہوں تو آپ کو اپنی
صحت کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے۔
سنکارا روزہ رکھنے والوں کے لیے توانائی اور طاقت کے
حصول کا بہترین وسیلہ ہے۔
سحری اور افطار کے وقت سنکارا کی ایک ایک خوراک
لینے سے تھکاوٹ دور ہو کر چستی پیدا ہوگی اور آپ
رمضان المبارک کے فرائض آسانی سے ادا کرنے کے لیے
چست و مستعد ہو جائیں گے۔
سنکارا
وٹامنوں اور قدرتی اجزا سے بھرپور
ہر موسم میں گھر بھر کے لیے مثالی ٹانک
Cinkara
ہمدرد


امام حرم
دہلی

علمی دینی و تبلیغی ماہنامہ

الحرم

دہلی

مدیر اعلیٰ
قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

مدیران
اطہر ہاشمی بی اے علیگ
قاضی زین الساجدین صدیقی
ایم اے پی ایچ ڈی

چندہ سالانہ
ہندوستان سے بارہ روپے
پاکستان سے بیس "
بنگلہ دیش سے چودہ "
چندہ ششماہی ہندوستان سے سات "
فی پرچہ ایک روپیہ

جلد ۲ | ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۸ء مطابق شوال و ذی قعدہ ۱۳۹۸ھ | نمبر [illegible]

گذارش (۱) براہ کرم چندہ بذریعہ منی آرڈر روانہ فرمائیں۔ بذریعہ وی پی طلب کریں تین روپے زائد خرچ ہوں گے (۲) اپنا پتہ صاف انگریزی اور اردو میں منی آرڈر کے کوپن پر اور خط میں لکھیں اور نمبر خریداری بھی لکھیں (۳) ایڈیٹر سے متعلق ہر قسم کی خط و کتابت سب آفس (میرٹھ) کے پتہ پر کریں۔

جنرل منیجر:- زین الراشدین (بی - کام)

ہیڈ آفس - ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ - دہلی - ۶ سب آفس: قاضی اسٹریٹ میرٹھ

زین العابدین سجاد پرنٹر و پبلشر نے جمال پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر الحرم ۲۱۱۷ قاسم جان اسٹریٹ دہلی ۶ سے شائع کیا۔

نقوشِ اولین

مدیر

عذاب کے شامیانوں کے نیچے :-

ستمبر ۱۹۷۸ء کے پہلے ہفتہ میں، دہلی سے مدنا پور تک جمنا اور گنگا کے دونوں طرف بسنے والے شہروں اور دیہاتوں ہو ہلاکت خیز اور بلا انگیز طوفان آیا اور جس نے بلا مبالغہ ہزاروں گاؤں کو تنکے کی طرح بہا دیا، اور لاکھوں انسانوں ! حیوانوں کو موت کی نیند سلا دیا گیا اسے عذاب الہی کے سوا کچھ اور کہا جاسکتا ہے آج تا وقت تحریر، اس سیلاب پر دو ہفتے گذر چکے ہیں مگر اس کی حشر سامانیوں کی کیفیت یہ ہے کہ میرٹھ اور دہلی کے درمیان کی صاف وشفاف تارکول کی سڑکیں جتے ہوئے کھیت بنی ہوئی ہیں۔ راقم الحروف کو ایک عزیز کی تقریب شادی میں ان سڑکوں سے گزرنا ہوا تو یہ بھیانک دیکھا کہ سڑکوں پر ایک ایک گز گہرے گڑھے کھد گئے ہیں اور اردگرد کی آبادیاں جزیرے بنی ہوئی ہیں۔ ہماری کار محفوظ ترین راستے سے گزری تو حال یہ تھا کہ ڈرائیور کبھی اسے دائیں طرف موڑتا تھا اور کبھی بائیں طرف اور جب گڈھے میں اس کا طرف کا حصہ جا ہی پڑتا تھا تو وہ نصف سے زیادہ جھک جھک جاتی تھی۔

معلوم ہوا کہ آس پاس کے گاؤں کے گاؤں صاف ہو گئے اور جو لوگ طوفان کی غضبناک لہروں کا شکار ہونے سے وہ درختوں پر چڑھے ہوئے، بھوکے پیاسے کئی کئی روز موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہے صرف یوپی میں وہاں کے اعلیٰ کے بیان کے مطابق مالی نقصان کا اندازہ تین ارب روپے ہے۔

بے شک یہ عذاب الٰہی کی قہر سامانیاں تھیں۔ فرمایا گیا ہے هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ (کیا ان کو اس کا ہی انتظار ہے کہ اللہ کا عذاب اور عذاب کے فرشتے۔ بادلوں کے شامیانو ان تک پہنچیں اور کام تمام کر دیا جائے) مگر ہم نے اس سے کیا عبرت حاصل کی، کیا دہلی جو اس عذاب میں گھرا ہوا تھا۔ اس سینماؤں کی جگمگاہٹ کچھ ماند ہوئی، اس کے ہوٹلوں اور ریسٹورانوں کی حرام کاریوں میں کچھ فرق پڑا۔ اس کے میکدو بادہ آشامیوں میں کچھ کمی ہوئی۔ اس کا جواب نفی ہی ملیگا۔ بلکہ اخبار الجمعیۃ (ستمبر) کی خبر ہے کہ بدمعاشوں نے سیلا میں گھرے ہوئے گھروں میں گھس گھس کر جنھیں ان کے مکیں خالی چھوڑ گئے تھے، امدادی کام کے بہانے، ان کے مال کا صفایا کرنا شروع کر دیا۔

قرآن کریم میں کفار مکہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِنْ أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ۝ فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُو الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ط (یونس)

وہی (خدا) ہے جس نے تمہارے لیے خشکی اور تری میں سامان سفر مہیا کر دیا ہے۔ پھر جب ایسا ہوتا ہے کہ تم کشت میں سوار ہوتے ہو اور کشتیاں موافق ہوا کے سہارے مسافروں کو لیکر چلتی ہیں اور وہ خوش ہوتے ہیں کہ ہوا سازگا یکایک تیز ہوا کے جھونکے اٹھنے لگتے ہیں اور ہر طرف سے موجیں اٹھ کھڑی ہوتی ہیں اور مسافر خیال کرتے ہیں کہ

وہ گھر گئے تو (اس وقت انھیں خدا کے سوا کوئی ہستی یاد نہیں رہتی) وہ اللہ کی فرماں برداری کے خالص جذبہ کے ساتھ، اسے پکارنے لگتے ہیں کہ خدایا اگر تو نے ہم کو اس مصیبت سے نجات دیدی تو ہم ضرور تیرے شکر گذار ہوں گے مگر ہوتا یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ انکو (اس طوفان سے نجات نصیب کیا ہے تو اچانک وہ سب عہد و پیمان بھول جاتے ہیں اور) زمین پر فساد پھیلانے لگتے ہیں۔

مگر افسوس کہ ہماری حالت ان کفار مکہ سے بھی بدتر ہے کہ عذاب الٰہی میں گھرے ہوئے ہو کر بھی خدا یاد نہیں آتا اور فتنہ و فساد سے باز نہیں آتے اور عذاب کے اٹھ جانے کا بھی انتظار نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

ہماری دینی کانفرنسوں کے دو عام مرض:-

امسال ماہ جولائی کے شروع میں "رابطہ عالم اسلامی" کی ایشیائی اسلامی کانفرنس، حکومت پاکستان کے تعاون سے کراچی میں منعقد ہوئی۔ اس کے شرکاء میں ہمارے محترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدیر الفرقان بھی تھے۔ مولانا نے کانفرنس کے سلسلہ میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:-

"کانفرنس میں دو چیزیں شدت سے محسوس ہوئیں ان کا ذکر نہ کرنا ایک طرح کی خیانت ہوگی۔

ایک اسراف (فضول خرچی) — جس ہوٹل میں تمام مدعوئین کا قیام تھا، جن کی تعداد دو سو کے قریب تھی، انہی میں سے بعض واقف حضرات نے بتایا کہ اس ہوٹل میں ہم میں سے ہر ایک کے قیام و طعام کے مصارف کا اوسط ایک ہزار روپے یومیہ کے قریب ہے۔ ایک پیالی چائے جو ہم پیتے ہیں یا کسی مہمان کے لئے منگاتے ہیں، اس کی قیمت سات روپے ہوتی ہے —— سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا یہ ہمارا طرز عمل اور امریکہ وغیرہ کی تقلید میں ہماری یہ مسرفانہ زندگی ہماری ان (اسلامی قانون کے نفاذ اور مسلم معاشرہ کی اصلاح کی) نیک اور مبارک آرزوؤں سے کچھ مطابقت رکھتی ہے۔ کیا اس بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات آپ کے اسوۂ حسنہ اور امت کی تاریخ میں ہمارے لئے کوئی رہنمائی نہیں ہے؟

دوسری چیز جو شدت سے محسوس ہوئی وہ بعض مقررین کا وہ جوش خطابت تھا۔ جس سے محسوس ہوتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انکو حقیقت پسندی کا کوئی حصہ عطا نہیں فرمایا ہے اور وہ صرف خیالی دنیا میں رہتے ہیں اور شاید اپنے کو اور اپنے دور کے مسلمانوں کو وہ قرون اولیٰ کے فاتح مجاہدین سمجھتے ہیں اور دنیا کی بساط پر اس وقت مسلمانوں کی جو واقعی حالت ہے اس کی طرف سے انہوں نے آنکھیں بند رکھنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے متعلق روایات میں ہے کہ حضرت عمر رضؓ کی شہادت کے بعد جب وہ خلیفہ منتخب کئے گئے اور انہوں نے پہلا خطبہ دیا جو بہت مختصر تھا تو اس کے آخر میں یہ بھی فرمایا کہ آج تمھیں زیادہ بولنے والے امام و رہنما کے مقابلہ میں زیادہ ضرورت فعال امام و رہنما کی ہے،، (الفرقان اگست ۱۹۷۸ء)

قرآن کریم میں فضول خرچی کے متعلق صاف طور پر فرمایا گیا ہے۔

اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ بے شک بیجا خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور زبانی لن ترانیوں کے متعلق جن کا عمل سے کوئی تعلق نہ ہو ارشاد فرمایا گیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ۔ اے ایمان والو، جو تم نہیں کرتے اسے زبان سے کیوں نکالتے ہو۔ اللہ تعالیٰ سے ناراضگی کی سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ بات زبان سے نکالو جو کرتے نہیں افسوس کہ فضول خرچی اور فضول گوئی کے یہ دونوں امراض آج ہماری معاشرتی اور سیاسی مجلسوں سے گذر کر خالص

مذہبی و دینی اجتماعات کا بھی جز دو تینگ بن چکے ہیں سیرت کا نفرنسوں اور مواعظ و میلاد کی محفلوں میں ہزاروں روپیہ بے تکلف آرائش و زیبائش اور روشنی پر خرچ کر دیا جاتا ہے۔ ادھر سامعین کا مذاق اس قدر بگڑ گیا ہے کہ مقررین کے الفاظ کی تراش و خراش تقریر کی روانی و شیرینی اور لب و لہجہ کی دل پذیری اور وجد انگیزی ہی کو بڑا کمال سمجھا جاتا ہے۔ بات کیا کہی جا رہی ہے۔ اس دلائل کا وزن کیا ہے وہ کس حد تک علمی ہے، اس کو کوئی نہیں دیکھتا۔ بلکہ اگر کوئی مقرر سیدھے سادے الفاظ میں حقیقت پسندانہ انداز میں کسی موضوع پر گفتگو کرے تو اسے پسند نہیں کیا جاتا۔ مسلمانوں کی اس بد ذوقی نے پیشہ ور مقرروں کا ایک طبقہ پیدا کر دیا ہے جس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ گراں قدر معاوضوں پر محفلوں اور مجلسوں کو کامیاب بنائے۔ اس طرح ہماری یہ عام دینی جذبہ رکھنے والے مسلمانوں کی تفریح گاہ، بلکہ مذہبی تھیٹر بن کر رہ گئی ہیں جن کا حاصل وقتی تفریح کے سوا کچھ بھی نہیں۔

رابطہ عالم اسلامی تو اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کے حسین و جمیل چہرہ پر تو یہ دھبے دوسروں ہی کے ہاتھوں لگے ہوں، زیادہ بدنما معلوم ہونے چاہئیں۔

عورت راج کی ناکامی:۔ لکھنؤ کے ممتاز معاصر "صدق جدید" کا یہ نوٹ کسی مزید اضافہ کا محتاج نہیں:۔

لکھنؤ میں ۲ اگست کو آچاریہ نریندر دیو کے یادگاری لکچروں کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے ملک کے نامور سوشلسٹ لیڈر مسٹر اشوک مہتہ نے فرمایا کہ ماضی قریب میں ذیل کے ملکوں میں عورتیں سربراہ حکومت رہی ہیں۔

(۱) ارجنٹائن (جنوبی امریکہ) میڈیم پیرن۔ صدر (۲) لنکا (سیلون) مسز بندرانائکے۔ وزیر اعظم (۳) اسرائیل مسز گولڈا میر وزیر اعظم (۴) ہندوستان۔ مسز اندرا گاندھی وزیر اعظم لیکن اب یہ چاروں محروم اقتدار ہو چکی مقرر کے نزدیک ان خواتین میں قیادت کا فقدان ان کے زوال اور محرومی اقتدار کا موجب ہوا۔ اور اس طرح ایک بار پھر دنیا کے سب سے سچے (رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی سچی بات کا اثبات ہو کر رہا کہ اس قوم کو فلاح نہیں ہو سکتی جس نے اپنی حکومت کسی عورت کے سپرد کر دیئے۔

کچھ دفتری امور:۔ معذرت:۔ افسوس ہے کہ گزشتہ دنوں طوفانی بارشوں اور سیلاب کی تباہ کاریوں کی وجہ سے دہلی اور میرٹھ وغیرہ میں پورا نظام زندگی معطل ہو کر رہ گیا۔

الحرم کی ترتیب کا کام میرٹھ میں انجام پاتا ہے اور طباعت و اشاعت کے مراحل دہلی میں طے ہوتے ہیں۔ ریل اور سڑک کے راستے قطعاً بند ہونے کے سبب الحرم کا ستمبر کا پرچہ نکالنا ناممکن ہو گیا۔

اب یہ پرچہ پیش کیا جا رہا ہے جو قانونی لحاظ سے ستمبر اور اکتوبر دو ماہ کا مشترکہ پرچہ ہے مگر معاملاتی اعتبار سے اسے ایک ہی ماہ کا پرچہ سمجھنا چاہئے۔

غالباً پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ اگر کسی مجبوری کی وجہ سے کسی مہینہ کا پرچہ شائع نہ ہو سکے گا۔ تو اسے حساب میں محسوب نہ کیا جائے گا۔ یعنی ہر سالانہ خریدار کو بارہ پرچے دئے جائیں گے خواہ وہ ایک سال سے زیادہ مدت میں شائع ہوں۔

محسنین کرام کے عطیہ کا مصرف:۔

الحرم کے پچھلے پرچہ میں رسالہ کے نقصانات کی تلافی کے لئے حلقہ محسنین کے قیام کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس کی رکنیت کے لئے یک صد روپے سالانہ عطا فرمانے کی شرط رکھی گئی اگرچہ متعدد دینی پرچے اس تجویز پر عمل کر رہے ہیں مگر میری طبیعت پر عطیہ خالص کی یہ نوعیت بار رہی تھی۔ اب اعلان کیا جاتا ہے کہ محسنین کرام کا حلقہ تو قائم رہے گا مگر اس مد میں جو رقوم آئیں گی

کہ استطاعت خریداری نہ رکھنے والے خواہشمند اصحاب کو پرچہ مفت یا نصف قیمت پر جاری کر دیا جائے گا۔ اور اس کا الحرم میں اعلان بھی کر دیا جائے گا۔ اور بس حاجت مند اصحاب تو فائدہ اٹھائیں گے ہی۔ الحرم کی یہ مدد ہوگی کہ اس کا حلقہ اشاعت بڑھ جائے گا اور اس کی آواز دور تک پہنچ سکے گی۔ اس وضاحت کے بعد امید ہے کہ ارباب خیر حلقہ محسنین میں شامل ہو کر اجر دارین حاصل فرمائیں گے۔

نمونہ کا پرچہ:۔ ملک و بیرون ملک کے ممتاز اہل علم و قلم حضرات کی خدمت میں تو پرچہ اعزازی طور پر بھیجا جاتا ہے، مگر خاصی تعداد میں دیگر اصحاب ذوق کی خدمت میں بھی "الحرم" بطور نمونہ ارسال کیا جاتا ہے۔ لہذا درخواست ہے کہ جن اصحاب کے پاس نمونہ کا پرچہ پہنچے اور وہ اُسے پسند فرمائیں.... تو خدمت دین کے اس کار خیر میں تعاون فرمانے کے لئے خود بھی خریدار بنیں اور اپنے حلقہ احباب میں خریدار بنانے کی کوشش کریں۔ اور سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوائیں۔ وی پی کی صورت میں تین روپے زائد ڈاکخانہ کی نذر ہو جاتے ہیں۔

اس مقصد کے لئے جو احباب نمونہ کے پرچے منگانا چاہیں وہ ان اصحاب کے پتے لکھ کر بھیج دیں جن سے خریداری کی توقع ہو۔ دفتر سے ان کو نمونے کے پرچے مفت بھیج دیے جائیں گے۔

یہ خطوط، سب آفس الحرم قاضی منزل۔ قاضی اسٹریٹ میرٹھ کے پتہ پر بھیجے جائیں۔

مولانا ریاست علی ظفر بجنوری

مسافرِ راہِ حرم سے

مبارک اے مسافر شیوۂ اہلِ رضا تجھ کو ◆ مبارک اضطرابِ طائرِ قبلہ نما تجھ کو
مبارک ہو جبیں کو انتسابِ عتبۂ عالی ◆ مبارک ہو کرم کی ابتدا کی انتہا تجھ کو
مبارک ہو شکستِ حلقۂ زنجیرِ امکانی ◆ مبارک ہو چمن زارِ تجلی کی ہوا تجھ کو
قدم راہِ محبت پر، نظر حسنِ عنایت پر ◆ مبارک ہو کرم کا ایک مرتب سلسلہ تجھ کو
خوشا وہ تشنہ کامی جس پہ ساقی کو پیار آئے ◆ مبارک میگسارِ عشق تحریکِ عطا تجھ کو

مبارک ہو شریکِ زمرۂ اہلِ وفا ہونا
مبارک ہو جنوں کی آخری منزل عطا ہونا

کھلے گا اے مسافر تجھ پہ حاصل سرخوشی کیا ہے ◆ قیامِ زندگی کیا ہے، مقامِ بندگی کیا ہے
یہ طوفان و تلاطم صورتِ تادیبِ ہستی ہے ◆ گہر پہچانتا ہے صورتِ تابندگی کیا ہے
بنامِ حج بیت اللہ تکمیلِ جنوں ہوگی ◆ کرم کھولے گا تجھ پر سوز و سازِ سرمدی کیا ہے
وقوفِ بارگاہِ حق شبابِ زندگانی ہے ◆ کسی کو کیا خبر ہے لذتِ دیوانگی کیا ہے
دلِ پروانۂ فطرت اور شمعِ جلوہ گستر پھر ◆ کوئی اس وقت دیکھے صورتِ پروانگی کیا ہے
تمنا بھی اسی کی ہو وہی ہو جادۂ منزل ◆ مسافر تو نے سمجھا ہے عروجِ زندگی کیا ہے

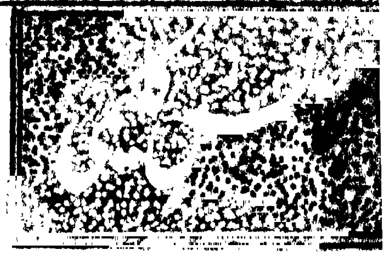
زمین والوں کا ملجا مہبطِ انوارِ رحمت ہے
تجھے جس کی تمنا ہے تجھے جس سے عقیدت ہے

مسافر بارگاہِ آیتِ رحمت میں کہہ دینا ◆ کہ اپنی زندگی بجملہ خوابِ پریشاں ہے
وہ جس کو تو نے بخشا تھا مقامِ نازفرمائی ◆ وہ مردِ حق نما گویا چراغِ زیرِ داماں ہے
طلب آلودۂ امکاں، توکل خاک آلودہ ◆ دلِ بدبخت اپنی بے یقینی پر پشیماں ہے
کوئی بھی میکدہ ہو تشنہ سامانی نہیں جاتی ◆ کہ صدہا سال سے بربادۂ تفریقِ دل و جاں ہے
مسافر عرض کر دینا کہ آخر ہم کہاں جائیں ◆ ہمارا بابِ زنداں ہے، نہ ایوانِ گلستاں ہے

سیہ کاروں کی جانب قصدِ رحمت کی ضرورت ہے
کہ اس امت کو پھر چشمِ عنایت کی ضرورت ہے

مسافر ان سے کہنا کس کو جا کر زخم دکھلائیں ◆ یہاں پر تیر اندازی مداوائے علل و جہال ہے
مسافر عرض کرنا روضۂ اطہر کی جالی پر ◆ خدارا برقِ آسودہ کو جنبش دم عطا کیجے
ادب سے پوچھنا ان سے کہ آخر کیا کہوں جا کر ◆ کہا تھا بینواؤں نے کہ ہم کو بھی بلا لیجے

مسافر ان کو ساری سرگزشتِ غم سنا دینا
اگر کچھ اور پوچھیں چاک سینہ دکھا دینا



ڈاکٹر نثار احمد فاروقی
ریڈر شعبہ عربی، دہلی یونیورسٹی

ملفوظات حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ

دہلی میں جامع مسجد کے مشرقی دروازے اور لال قلعے کے درمیان ۱۸۵۷ء سے پہلے بہت پُررونق اور گنجان آباد علاقہ تھا جسے ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزوں نے بالکل مسمار کر دیا اس لئے کہ یہاں ایسے ہوشیار اور ماہر فن کرخندار رہتے تھے جو ولایتی بندوقوں کے سے ہتھیار بنا سکتے تھے۔ اصل میں انتقامی جذبے کے تحت انھیں بے گھر کرنا مقصود تھا۔ یہ سارا علاقہ مرزا غالب کی آنکھوں سامنے ڈھایا گیا وہ پالکی میں بیٹھ کر یہ دلدوز منظر دیکھنے جاتے تھے اور پھر اپنے دوستوں کو خطوں میں اس کی تفصیل لکھتے تھے۔ علاقے میں خانم بازار تھا جو شمالاً جنوباً پھیلا ہوا تھا یہاں ایک حویلی میں سلسلہ چشتیہ نظامیہ کی وہ عظیم شخصیت رہتی تھی جسے آج حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ کہا جاتا ہے۔ جہاں آج حضرت کا مزار مبارک ہے یہی آپ کی حویلی تھی اور آپ اپنی حویلی کے ہی میں دفن کیے گئے تھے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی کے اسلاف اور خاندان کا پیشہ معماری تھا اور یہ لوگ اس فن میں اپنے زمانہ کے ماہرین تھے ان کے ت اعلیٰ کو لال قلعے کی تعمیر کے لئے شاہجہاں نے خجند سے دہلی بلایا تھا۔ دہلی کی جامع مسجد بھی حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں ی کے اجداد کی بنائی ہوئی ہے۔ لطف اللہ مہندس جن کا فارسی دیوان بھی شائع ہو چکا ہے حضرت شیخ کے تایا تھے یہی اللہ مہندس ہیں جن کے والد شیخ احمد معمار نے آگرے کا تاج محل تعمیر کیا تھا۔ انھیں شیخ احمد معمار کے بیٹے شیخ نور اللہ، ہمارے حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کے والد بزرگوار ہیں۔ یہ بہت اعلیٰ درجہ کے خوش نویس بھی تھے۔ جامع مسجد دہلی کے دروں ہ اور قرآنی آیات انھیں شیخ نور اللہ احمد کے فن خطاطی کا نمونہ ہیں۔

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی ولادت ۲۴ جمادی الثانیہ ۱۰۶۰ھ (۱۶۵۰ء) کو ہوئی۔ ان کی تعلیم و تربیت جن باکمال اساتذہ کی ں میں ہوئی ان میں شیخ ابو الرضا کا نام بھی آتا ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے تایا ہیں۔

رسمی تعلیم سے فارغ ہوئے تو دل کی شورش اور ذوق طلب لے مدینہ منورہ میں حضرت شیخ یحییٰ مہاجر مدنیؒ کی خدمت میں دیا جو حضرت شیخ کمال الدین علامہ (خواہرزادہ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ) کی اولاد میں سے تھے۔

حضرت شیخ یحییٰ مدنی سے خلافت و اجازت لے کر دہلی آئے تو خانم بازار میں اپنی خانقاہ میں رہنے لگے ان کی ذات سے سلف سنت پر قائم رہ کر توکل اور قناعت کی زندگی گذاری۔ نہ کبھی بادشاہ وقت سے ملنے گئے نہ دربار کی طرف سے کوئی نذرانہ یا جاگیر کی۔ آپ نے اپنی بڑی حویلی کو ڈھائی روپیہ ماہوار کرائے پر اٹھا دیا تھا خود آٹھ آنے ماہوار کرائے کے مکان میں رہتے تھے دو روپیہ میں گھر اور خانقاہ کے نو دس افراد کا گذارا ہوتا تھا کبھی کچھ آمدنی فتوح اور نذرانے سے بھی ہو جاتی تھی۔

حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی نے ۲۴ ربیع الاول ۱۱۴۲ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۷۲۹ء کو انتقال فرمایا۔ اور اپنی حویلی دفن کیے گئے۔

ان کے ممتاز خلفاء میں حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ ہیں جن کے فرزند حضرت شیخ فخر الدین محب النبی دہلوی بھی

سلسلہ نظامیہ کے مجددین میں سے ہیں۔ حضرت شاہ نیاز احمد بریلوی انھیں کے خلیفہ مجاز تھے۔

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی صاحب تصانیف تھے ان کی تقریباً دس تصانیف کے نام معلوم ہیں ان میں عشرہ کاملہ، سواء السبیل، کشکول کلیمی، اور مرقع کلیمی، شائع بھی ہو چکی ہیں۔

حضرت کے خلفاء کی بڑی تعداد تھی جو ہندوستان کے مختلف گوشوں میں سلسلے کی ترویج کا سبب بنے لیکن سب سے ممتاز شخصیت حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کی ہے۔ جن کا مقبرہ آج بھی اورنگ آباد میں موجود ہے۔ پہلے یہیں آپ کی حویلی تھی جس کے کچھ آثار ابھی باقی ہیں۔

حضرت شاہ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے مقبرے میں آپ داخل ہوں تو داہنے ہاتھ کو ایک احاطے میں ایک بوسیدہ قبر ہے اس میں حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کے مرید و خلیفہ نواب کامگار خاں حسینی آرام کر رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے پیر و مرشد کو یہ ساری زمین نذر کی تھی جس پر آپ کی خانقاہ، مسجد، حویلی، اور مقبرہ ہے اور انھوں نے ہی آپ کے ملفوظات "احسن الشمائل" ترتیب دئے تھے اس مجموعے کے علاوہ ایک اور مجموعہ ملفوظات بھی انھوں نے مرتب کیا جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں محفوظ ہے۔ انھوں نے ان ملفوظات کے متعدد قلمی نسخے نہایت اہتمام سے اور بہت خوشخط تیار کرائے تھے۔

خواجہ محمد کامگار حسینی اور خواجہ نورالدین حسینی دونوں حقیقی بھائی تھے۔ ان کا سلسلہ نسب حضرت سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما سے ملتا ہے اور آبائی وطن حصار (ہریانہ) تھا مگر آخر عہد اورنگ زیب میں شاہی لشکر کے ساتھ دکن گئے تھے اور وہیں رہنے لگے تھے۔

خواجہ کامگار نے حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی بیس مجلسوں کا حال مجالس کلیمی کے نام سے قلم بند کیا تھا۔ یہ مجموعہ بہت کمیاب ہے اس کا ایک نہایت خوشخط جلی نسخہ کتب خانہ سالار جنگ حیدرآباد میں موجود ہے اسی کی بنیاد پر اس کا تعارف قدرے تفصیل سے پیش کرتا ہوں۔

خواجہ کامگار حسینی اور خواجہ نورالدین اپنے پیر و مرشد حضرت نظام الدین اورنگ آبادی کی خدمت میں شب و روز کے حاضر باش تھے۔ حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی اُن کے دادا پیر صدر حیات میں تھے اور دہلی میں رُشد و ہدایت کا چراغ اُن کی خانقاہ میں روشن تھا۔ دونوں بھائیوں کو بڑی تمنا تھی کہ دادا پیر کی قدم بوسی کریں۔ یہ فرخ سیر کا زمانہ تھا۔ اس کی طرف سے بخشی الممالک امیر الامراء حسین علی خاں دکن میں گورنر تھا جو بعد کو "بادشاہ گر" مشہور ہوا۔ فرخ سیر نے سیاسی مصلحت سے نواب حسین علی خاں کو مرکز میں طلب کیا تو وہ ایک لمبا چوڑا قافلہ لے کر دہلی کی طرف روانہ ہونے لگے۔ اس وقت خواجہ نورالدین نے چاہا کہ وہ بھی اس قافلے میں شامل ہو جائیں۔ لیکن حضرت پیر و مرشد نے انھیں اجازت نہیں دی البتہ اُن کے بھائی خواجہ کامگار حسینی کو سفر کا ایما ہوا۔ وہ ۳ محرم سنہ ۱۱۳۲ھ کو اورنگ آباد سے نکلے۔ اور دہلی میں اپنے دادا پیر حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی خدمت میں پہنچ گئے۔ اسی سال ۲ ربیع الاول کو اورنگ آباد میں ان کے بھائی خواجہ نورالدین حسینی کا انتقال ہو گیا جس کی سناؤنی انھیں دہلی میں ملی اور اب سمجھ میں آیا کہ شیخ نے انھیں دہلی کے سفر کی اجازت کیوں نہیں دی تھی۔ انھوں نے سوچا کہ مرحوم بھائی کی روح کو خوش کرنے کے لئے اس سے بہتر کوئی تحفہ نہیں ہو سکتا کہ حضرت شیخ کلیم اللہؒ کی زبان گوہر افشاں سے جو کچھ سنا جائے اسے قلمبند کر لیا جائے اور اس طرح یہ مختصر سی تالیف اُس مرحوم کی یادگار بن جائے گی۔

مجالس کلیمی میں پہلی مجلس ۲۸ ربیع الاول سنہ ۱۱۳۲ھ اتوار کی ہے آخری اور چودھویں مجلس ۲۰ جمادی الاولیٰ جمعرات کو قلم بند

[illegible] ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مجالس کلیمی کی ۱۴ مجلسوں کا زمانہ تقریباً ایک ماہ ۲۰ روز پر پھیلا ہوا ہے۔

پہلے دن یہ حاضر ہوئے تو حضرت شیخ کلیم اللہ نے سب کی خیر وعافیت پوچھی ۔ ان کے بھائی خواجہ نورالدین اور اپنے بھتیجے مرید حضرت شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کا حال اور کیفیت مزاج دریافت کی اور خواجہ کامگار کے آنے پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرمایا۔

دوسری مجلس میں ۴ ربیع الثانی ۱۱۳۲ھ کو جمعہ کے دن یہ تذکرہ ہوا کہ فرخ سیر بادشاہ ہندوستان ملکی امور سے بے خبر رہتا ہے اور کاروبار حکومت ٹھپ پڑا ہوا ہے۔ بادشاہ کے لئے اتنی بے خبری مناسب نہیں۔ اس موقع پر آپ نے فرخ سیر کے دادا اورنگ زیب عالمگیر کا ایک قصہ سنایا اور فرمایا کہ وہ خبرداری وہشیاری میں بے نظیر تھا۔ ہمارے شیخ حضرت یحییٰ مدنی اپنی والدہ ماجدہ کی اجازت سے زیارت حرمین کے لئے تشریف لے گئے تھے ان کی والدہ گجرات میں تھیں۔ ان سے وعدہ کر گئے تھے کہ حج وزیارت کے بعد واپس آجاؤں گا ۔لیکن مدینے کی سرزمین ایسی دامن گیر تھی کہ آنے کو جی نہ چاہتا تھا اور رہ رہ کر والدہ سے کیا ہوا وعدہ بھی یاد آتا تھا ۔ایک دن روضہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر ایک درویش شیخ عثمان حاضر ہوئے یہ نہایت خوش وضع ، خوش رو، اور ذی وجاہت تھے ۔ سیاہ جبہ ، سیاہ عمامہ، اور تمام ساتھی ایک سے لباس میں صف باندھے کھڑے تھے ۔ شیخ یحییٰ مدنی ان بزرگوں کی صورت پر گرویدہ ہوگئے اور دل میں سوچا کہ مجھے ان سے مشورہ کرنا چاہیئے کہ یہاں رہوں یا والدہ کی خدمت میں واپس جاؤں۔ شیخ عثمان نے کہا کہ والدہ سے وعدہ خلافی نہیں کرنی چاہیئے ۔لہٰذا یہ واپس آگئے کچھ عرصے کے بعد والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا ۔اب اہل وعیال کے علائق ہجرت نہ کرنے دیتے تھے مگر ان کا دل وہیں مدینہ منورہ میں اٹکا ہوا تھا ایک بار مدینہ منورہ سے کچھ دوستوں نے ایک حاجی کے ہمراہ آب زمزم کا ہدیہ بھیجا۔ شیخ نے اسے احتیاط سے رکھا اور فرمایا کہ جس دن فقراء وصلحاء کا مجمع ہوگا اسے تقسیم کریں گے۔ ۲۷ رجب کی شب میں بہت سے مرد ،عورت عقیدتمند اور فقراء وصلحاء جمع ہوئے آپ نے نماز عشاء کے بعد وہ آب زمزم طلب کیا اور سب کو تقسیم کرکے فرمایا کہ اس کا خاصہ یہ بتاتے ہیں کہ جس نیت سے پیئے اور دعا مانگے وہ قبول ہوتی ہے۔ آپ نے مدینہ منورہ میں جاکر بسنے کی نیت کی اور آب زمزم نوش کرکے دعا مانگی ۔ کچھ ایسا لگنے لگا کہ اسی رات کو مکمل بے سروسامانی کے عالم میں پیادہ پا سفر حجاز کے لئے نکل کھڑے ہوئے ۔ صبح کو کچھ دیر تک زنان خانے کے لوگ یہ سمجھتے رہے کہ آپ مردانے مکان میں ہیں اور ادھر یہ خیال رہا کہ زنان خانے میں تشریف رکھتے ہیں۔ جب ذرا دن چڑھنے لگا تو معلوم ہوا کہ آپ تشریف لے جاچکے ہیں۔ تلاش شروع ہوئی ۔ ایک گھسیارے نے بتایا کہ میں نے فلاں جنگل میں انھیں نماز پڑھتے دیکھا تھا۔ غرض لوگ تلاش کرتے ہوئے پہنچ گئے دیکھا کہ جنگل میں...... چاشت کی نماز پڑھ رہے ہیں، عصا ایک طرف پڑا ہوا ہے۔ خدام نے بہت گڑگڑا کر التجا کی کہ آپ واپس تشریف لے چلیں مگر آپ نے فرمایا کہ اب ہم نے مدینہ منورہ ہی میں جاکر رہنے کا ارادہ کرلیا ہے۔ جب خدام نے دیکھا کہ آپ ہرگز ارادہ منسوخ نہ کریں گے تو آپ سے وصیت اور ہدایات طلب کیں اور پوچھا کہ صاحبزادوں میں سے کسے آپ کا سجادہ نشین بنایا جائے؟ شیخ یحییٰ مدنی نے فرمایا کہ بڑے بیٹے تو جنون کی کیفیت میں ہیں اور مسند ارشاد پر سالک مجذوب ہونا چاہیئے ۔ دوسرے بیٹے اس ذمہ داری کے اہل نہیں ہیں انھیں سرکاری ملازمت قبول کرلینا چاہیئے ۔ یہ فرماکر چلے گئے ۔مدینہ طیبہ میں شب برات کو تہجد کی نماز کے لئے اٹھے اور پاؤں پھسل گیا جس سے ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس طرح آپ مدینہ منورہ سے کہیں سفر کرنے کی ظاہری صورت سے بھی بے نیاز ہوگئے ۔ پھر آخر حیات تک اپنے مکان ہی میں مقیم رہے۔

جن صاحبزادے کو آپ نے سرکاری ملازمت کرنے کی وصیت کی تھی وہ گجرات سے دہلی آئے اور صدر الصدور موسوی خاں سے پہلے انھیں بتایا کہ والد نے ہجرت کرتے وقت مجھے ملازمت کرنے کی وصیت کی ہے۔ صدر الصدور نے بادشاہ عالمگیر کی خدمت میں جاکر عرض کیا کہ گجرات سے شیخ محمد یحییٰ مدنی کے صاحبزادے نوکری کی طلب میں آئے ہیں۔ عالمگیر نے انھیں رات کے وقت خلوت میں طلب کیا تاکہ اطمینان سے کچھ دیر بات کرسکے۔ ملاقات ہونے پر...... صاحبزادے سے بادشاہ نے پوچھا کہ آپ کے دہلی آنے کا کیا باعث ہوا۔ انھوں نے عرض کیا کہ شیخ نے مجھے نوکری کرنے کا حکم دیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ شیخ کس تاریخ کو مدینہ منورہ کے لئے روانہ ہوئے تھے؟ صاحبزادے نے کہا کہ ۲۶ رجب کو۔ عالمگیر نے کہا۔ گجرات کے واقعہ نگار نے جو رپورٹ بھیجی تھی اس میں تاریخ ۲۷ رجب لکھی تھی۔ صاحبزادے نے عرض کیا کہ وہ ۲۶ تاریخ تھی اور ۲۷ کی شب تھی۔ واقعہ نگار نے شب کے حساب سے عرض کیا کہ وہ ۲۶ تاریخ تھی اور ۲۷ لکھ دی ہوگی۔

یہ واقعہ سنانے سے حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کا مقصود یہ تھا کہ عالمگیر کا حافظہ اور یادداشت اور امورِ مملکت کی معمولی سی باتوں سے بھی باخبری کا یہ عالم تھا۔ اور اب اس کے پوتوں کو بڑی بڑی مہموں کا بھی ہوش نہیں ہے۔

ابھی کامگار خاں حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادی کی خانقاہ ہی میں مقیم تھے کہ فرخ سیر کا قتل ہوا اور رفیع الدرجات کو تخت نشین کیا گیا۔ ۷ ربیع الثانی ۱۱۳۱ھ کی مجلس میں حضرت شیخ انقلاب زمانہ اور فنائے عالم کے موضوع پر گفتگو فرماتے رہے اور فرمایا عالم میں سلسلۂ فنا و بقا ہر وقت جاری ہے۔ مثلاً کوئی بہتی ہوئی نہر کو دیکھے تو اس میں پانی نظر آئیگا مگر حقیقت پر غور کرے تو جو پانی پہلی نظر میں دیکھا تھا وہ جاچکا ہوگا اور دوسرا اس کی جگہ آگیا ہوگا۔ اسی طرح چراغ کی لو دیکھنے میں روشن ہے مگر پہلی بار جو لو جلی تھی وہ عالم فنا میں چلی گئی اور دوسری کو اس کی جگہ آگئی۔ اس طرح فنا و بقا کا عمل باہم متصل اور متواتر رہتا ہے۔

مغل سیاست کے انتشار کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ۹ ربیع الثانی کو رفیع الدرجات کو تخت پر بٹھایا گیا۔ اگلے دن شیخ کی مجلس میں اس کا تذکرہ ہوا تو یہ بات زیرِ بحث تھی کہ نئے بادشاہ کا نام رفیع الدولہ ہے یا رفیع الدرجات۔ کامگار خاں نے کہا کہ ہم نے رفیع الدولہ سنا ہے۔ کسی شخص نے کہا کہ بادشاہ حال کا سکہ یہ کہا گیا ہے۔

زد سکہ بہ ہند با ہزاراں برکات شاہنشہ بحر و بر رفیع الدرجات

آپ نے فرمایا تم نے دلیل کے ساتھ بات کہی!

۱۱ ربیع الثانی کو جمعہ تھا۔ خواجہ کامگار حسینی جامع ملفوظات نے جامع مسجد دہلی میں نماز جمعہ ادا کی۔ بادشاہ رفیع الدرجات بھی آیا اور اس کا پہلا خطبہ پڑھا گیا نواب قطب الملک امیر الامرا جو سادات بارہہ کے بادشاہ گر برادران میں سے تھا اور دوسرے امرا کی فوج ساتھ تھی۔

سب نے تخت نشینی کی مبارکباد پیش کی۔ امام مسجد کو خلعت عطا ہوا۔ اس زمانے میں مرہٹوں کی فوجیں وزیر آباد میں پڑی تھیں، ان کے سپاہی شہر میں گشت کرتے تھے اور شہریوں سے کسی بات پر بلوہ ہوجاتا تھا قلعہ سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ عوام کی نظریں صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت کے ظہور پر رہتی تھیں۔

ان ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی کو نقرس کے آثار بہت دنوں سے تھا اس کی وجہ سے اکثر علاج کیا کرتے تھے اور حقے کا ساگر سر کے میں پیس کر اس کا لیپ کرتے تھے۔

ساتویں مجلس میں ضمناً یہ معلوم ہوتا ہے کہ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا فصوص الحکم کا ایک نسخہ بادشاہ فرخ سیر کے کتب خانہ میں موجود تھا وہ بادشاہ نے کسی نااہل کو بخشش کر دیا تھا۔ برسبیل گفتگو ارشاد فرمایا کہ کتاب مصنف کی بہترین یادگار ہوتی ہے اگر ایک کتاب بھی قلم سے ڈھنگ کی نکل جائے تو مصنف کا نام باقی رہتا ہے۔ یہی حال اولاد کا ہے۔ اور اسی پر مرید کو قیاس کرنا چاہئے۔ اگر کسی شیخ کو ایک مرید بھی اچھا ہاتھ آجائے تو سلسلہ کی رونق بڑھا دیتا ہے اور ہر شہر و دیار میں اس کا نام روشن کر دیتا ہے۔ جیسے ساری غزل میں کوئی پُرمضمون شعر وارد ہو جائے جسے بیت الغزل کہتے ہیں۔

حضرت شاہ کلیم اللہ دہلوی اپنی خانقاہ میں طالبوں کو تفسیر مدارک اور بیضاوی کا درس بھی دیا کرتے تھے جس میں بعض منتہی علماء بھی شریک ہو کر استفادہ کرتے تھے۔ شام کو مغرب کی نماز خانقاہ میں پڑھ کر اندرون مکان تشریف لے جاتے تھے۔ کبھی جمعرات کے دن حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مزار پُرانوار کی زیارت کے لئے جاتے تھے شب میں وہاں قیام کرتے اور اگلے دن جمعہ کی نماز دہلی میں آکر ادا فرماتے تھے۔

ان ملفوظات میں شریعت و طریقت کے نکات بھی بیان ہوئے ہیں لیکن ہم نے اس مجموعے کے اہم اور کمیاب ہونے کے پیش نظر اس کا اجمالی اور عمومی تعارف کرانا زیادہ مناسب سمجھا۔ ایک مجلس میں فرمایا کہ اسلام کے ارکان کی اصل صبر ہے۔ مثلاً نماز میں تکلم نہ کرنے اور ادھر اُدھر نہ دیکھنے پر صبر، روزے میں کھانے اور پینے سے باز رہنے پر صبر، حج میں صعوبت سفر اور ترک لباس وغیرہ پر صبر، زکوۃ میں اپنے مال کو خود سے جدا کرنے پر صبر — گویا تمام احکام اسلام کی تعمیل صبر پر مبنی ہے اور اسی کا اجر طرح طرح سے ملے گا۔

، ر جمادی الاولیٰ ۱۱۳۲ھ کو بدھ کے دن — ایک شخص آیا اور کہا کہ فلاں امیر کو اس فقیر کے لئے دو کلمے سفارش کے تحریر فرما دیں۔ آپ نے قلمدان طلب کیا اور رقعہ لکھ کر اُسے دے دیا۔ پھر خواجہ کام گار خاں کو بتایا کہ یہ صاحب جنھیں سفارشی خط لکھ کر دیا ہے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے پوتوں میں سے ہیں۔ جو مشہور عالم اور درویش تھے جن کی تالیف اخبار الاخیار ہے۔ کام گار خاں نے کہا شیخ محدث دہلوی کی تو بہت سی تصانیف رائج ہیں افسوس ہے کہ ایسی بزرگ شخصیت کا پوتا افلاس و تنگدستی اور احتیاج میں گرفتار ہو۔ اس زمانے میں کوئی بزرگ زادوں کا قدر داں نہیں ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ بزرگ زادوں کی قدر پہچاننا اور اُن کی ساتھ مراعات کرنا تمام خلائق پر واجب و لازم ہے۔ بزرگ زادے خواہ اپنے اعمال میں کیسے بھی ہوں ان کا احترام کرنا چاہئے اور اُن کے بزرگوں پر نظر رکھنی چاہئے۔

۲۰ر جمادی الاولیٰ ۱۱۳۲ھ کو جمعرات کے دن حضرت شیخ نے اپنے چہیتے مرید و خلیفہ شیخ نظام الدین اورنگ آبادیؒ کے نام ایک خط لکھ کر دیا اور نواب کام گار خاں کو اورنگ آباد کے لئے رخصت کر دیا۔ اس طرح اہل راز و نیاز کی یہ ظاہری صحبت اختتام کو پہنچی جس کا حال مجالس کلیمی، کی چودہ مجلسوں کے ضمن میں بیان ہوا ہے۔

دعوتِ قرآنی کی اثر آفرینی

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رح

(۲)

از ـــــ حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری مسعودی
استاذ تفسیر و حدیث دار العلوم دیوبند

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی جس کا ذکر مضمون کی قسط اول میں کیا جا چکا ہے۔ مفسر قرآن مولانا احمد علی لاہوری کی تابناک شخصیت ہے۔ مولانا احمد علی صاحب مرحوم کے علوم و کمالات اور زنگہار رنگ شخصیت کے دیدہ زیب و دل افروز جلوے دارید کسی شفاہی ملاقات کے نتیجہ میں خاکسار کے مشاہدات نہیں ہیں غالباً ۱۹۴۱ء میں جب یہ سراپا تقصیر حقیر اپنی والدہ مرحومہ کے ساتھ زندہ دلان پنجاب کے سدا بہار و سر سبز مرغزار لاہور میں مقیم تھا تو اپنے ایک عزیز محمد سعید صاحب مرحوم کی معیت میں ایک روز عصر تا مغرب حضرت مولانا احمد علی صاحب کی پر انوار مجلس میں حاضری دبار یابی میری سعادت تھی کم سنی کے جس دور سے اس وقت گزر رہا تھا طول عمری کے اس بے شعور عہد میں امن

ع۵ اس سفر کی بھی عجیب و غریب داستان اور اندوہناک پس منظر ہے میرا عزیز بھائی اور اپنے والدین کے لئے محبوب محمد اکبر شاہ المرحوم بعمر چودہ سال جب دنیائے دوں سے اٹھکر اپنے نامور باپ کی آغوش شفقت کی زینت بن گیا تو اس روح فرسا سانحہ کو برداشت کرنے کا حوصلہ والدہ مرحومہ میں نہ تھا۔ انھوں نے شعور کی آنکھیں ابھی کھولی تھی نہیں تھیں کہ والدین کا حادثۂ رحلت پیش آیا پھر یتیم زندگی کا واحد سہارا بڑے بھائی کا حادثہ پھر ملی کی رحلت جالی میں ان کی بڑی بہن بھی پیوند خاک ہو گئیں ان پے بہ پے حوادث کا بوجھ وہ اپنی پشت زندگی پر اٹھائے ہوئے حضرت علامہ کشمیری کے حرم میں داخل ہوئیں تو یہاں چند سال ہی سکون و عافیت کے گذرے تھے کہ چار دن کی چاندنی پھر اندھیری رات کا منظر سامنے تھا یعنی حضرت شاہ صاحب کی رفاقت بھی یکا یک ختم ہو گئی اس جان گداز حادثہ کے غم سے وہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھیں کہ میری بہن عابدہ مرحومہ صورۃ و سیرۃً اپنے والد سے اشبہ تھیں بعہد شباب پہلی زچگی میں رہ گزرائے عالم جاودانی ہو گئیں۔ مرحومہ والدہ کو ان حوادث نے نیم جاں بنا ڈالا ان کی صحت کو گھن لگ رہا تھا اور شباب تو تیں لگا تار واقعات کے مقابل اپنی شکست کا اعلان کر رہی تھیں کہ برادر عزیز اکبر شاہ کے اندوہناک سانحہ نے ان کی صبر و سکون کی عمارت کو منہدم کر دیا وہ اس زلزلۃ الارض سے کچھ اس طرح متاثر ہوئیں کہ دیوبند کا ذرہ ذرہ ان کے لئے سوہان روح ہو گیا تجربہ کار اطباء نے گرتی صحت کو سنبھالا دینے کے لئے آب و ہوا کی تبدیلی کا مشورہ پیش کیا اس زمانہ کے لاہور میں ان کے ہمشیر زادہ محمد سعید مرحوم مقیم تھے جو لاہور کے مشہور رئیس شیخ محمد اعجاز صاحب کی رفاقت میں استقلال نامی ہفتہ وار جریدہ میں ادارت کے فرائض انجام دے رہے تھے اور رضوی لاج کے ایک کمرے میں ان کا قیام تھا والدہ مرحومہ انہی کے پاس جا کر مقیم ہوئیں ادھر راقم الحروف اپنی کم سنی کی بنا پر والدہ کی جدائی برداشت نہ کر سکا تو مجھے بھی لاہور بھیج دیا گیا اور میرے بعد میری ہمشیر راشدہ خاتون بھی وہیں پہونچ گئیں اب لاہور کے فیض باغ میں ایک مکان کرایہ پر لیا گیا یہ غلام حسین صاحب بٹ کا مملوکہ مکان تھا۔ متصلاً ہی خود ان کا رہائشی مکان تھی ا بٹ صاحب کے یہاں ایک خوفناک کتا تھا مجھے خوب یاد ہے کہ اس دریدہ دہن کتے سے معاہدۂ امن و صلح کرنے کے لئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑے تھے اسی محلہ میں مشہور مزاح نگار حاجی لق لق کی بھی رہائش تھی اوقات شب میں پنجاب کے عام دستور

بابرکت مجلس کے ملفوظات محفوظ رکھنے کا کیا سوال ؟ لیکن مولانا کی ریش مبارک کا طول وعرض آج بھی محفوظ ہے اور ذائقہ اسے بھی فراموش نہ کر سکا کہ مرحوم نے ایک رقم اپنے گریبان سے متصل اندرونی جیب سے نکال کر اس بے بضاعت کی جیب میں ڈالی تھی اور یہ معلوم ہونے پر کہ والدہ مرحومہ میری بہن کے ساتھ یہیں لاہور میں مقیم ہیں ایک روز اپنے یہاں مدعو کیا۔ اگر میں بھولتا نہیں تو بالائی منزل پر انگیٹھی اور اس پر رکھے ہوئے توے پر مچھلی کے کباب مہمانی کے لئے تیار کئے جا رہے تھے اب ، اسے مرحوم کے اخلاص وللّٰہیت کی کرشمہ ہی کہئے آج تک ہندوستان و بیرون ہند کی دعوتوں میں اس ذائقہ کی مچھلی پھر نصیب نہیں ہوئی جس کی یاد سے کام ودہن اب بھی لذت اندوز ہوتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ مولانا احمد علی پر جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں وہ شنیدہ روایات پر مبنی ہے جس کا وزن دیدہ کے مقابلہ میں بہرحال کم ہی ہے۔ درخت اگر اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو مولانا کو جس جلیل شخصیت کی آغوشِ تربیت نصیب ہوئی وہ ان کا سب سے بڑا تعارف ہے۔ کونسی شخصیت ؟ جس کی دیدہ وری کے ہیں اور آپ نہیں بلکہ عالمی سیاست کا سب سے بڑا شاطر فرنگی بھی قائل و معترف رہا۔ شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر رولٹ کمیٹی کی رپورٹ آج بھی سب سے بڑا وثیقہ ہے جس میں مولانا عبیداللہ سندھی کو اس تحریک کا خوفناک ترین انسان باور کرایا گیا ہے۔

کے مطابق ایڑیوں پر رکھی ہوئی برف کی سِل پر تازہ بتازہ گنڈیریاں اور " متبعـھا الرادفة " کے مصداق " رس گنڈے ملائیاں آتے ہیں دو دو آنیاں " کی صدائے دلنواز اب تک حافظ میں موجود ہے سرشام پتنگ کے مقابلے اس میں آویزشوں کے نتیجہ میں پنجابیوں کی خوفناک ٹکر صفحۂ دماغ کے انمٹ نقوش ہیں لارنس گارڈن، شملہ پہاڑی، نورجہاں وجہانگیر کا مقبرہ، بپھرے ہوئے دریائے راوی کی ہلاکت خیز موجیں مصری شاہ اور موچی دروازہ بازار میں سائیکل پر میرا مٹرگشت یاد کرتا ہوں تو سوائے اس حسرت کے اور کچھ نہیں ع کہاں گیا میرا بچپن خراب کر کے مجھے۔

سہ ع زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام ہے آیا — شعور و آگہی نے بے شعوری کے دروازے پر ہلکی ہلکی دستک دی تو دارالعلوم کی روشوں میں مولانا عبیداللہ سندھی کا نام مقام مصروف خرام پایا لیکن یہ بھی معلوم ہوا کہ ریگستان سندھ کا یہ جیالا۔ بیدار مغز اس وقت سعودی حجاز میں جلاوطنی کا دور گذار رہا ہے اچانک ایک دن یہ بھی سننے میں آیا کہ مولانا سندھی اپنی طویل جلاوطنی کو ختم کرنے کے بعد ہندوستان بلکہ ازہر الہند دارالعلوم تشریف لا رہے ہیں یہ وہ وقت تھا کہ راقم الحروف موروثی علوم کے بجائے دانش افرنگ کو سیکھنے کا سودائی تھا دارالعلوم سے تعلق منقطع تھا لیکن ایک گونہ وابستگی کے بنا پر اس عظیم درس گاہ کے ہنگامے دامن کش قلب تھے بقولِ دہلوی سخن ور —

گو واں نہیں پہ واں کے نکالے ہوئے تو ہیں کعبے سے ان بتوں کو بھی نسبت ہے دور کی

مگر یاد نہیں آتا کہ اس جلیل مجاہد کی دیوبند میں تشریف آوری پر پُرشوق آنکھیں حصول زیارت کی ٹھنڈک پاسکی تھیں یا نہیں لیکن ۱۹۴۲ء میں خاکسار دہلی میں اورینٹل کالج سے پنجاب یونیورسٹی کے امتحان دے رہا تھا عقب جامع مسجد میں ایک عمارت بنام ادارۂ شرقیہ میں جس کے روحِ رواں استاذ محترم مولانا ادریس میرٹھی حال وارد کراچی تھے جمعہ کے بعد ایک خصوصی مجلس ہوتی جس میں دہلی میں منتشر فضلائے دارالعلوم یکجا ہوتے یہاں بذلہ سنجیاں بھی ہوتیں لطیف مزاج بھی عالمانہ نکتہ آفرینیاں بھی اور مدبرانہ لطائف و ظرائف بھی تبسم ریزیاں بھی ہوتیں، اور فلک شگاف قہقہے بھی۔ اس بارگاہِ علم و دانش کا سب سے کم سن اور بے شعور شریک یہی بے بضاعت تھا ایک اور اتفاق ہوا مجلس جمی ہوئی تھی مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمٰن چہک رہے تھے، مولانا بشیر بھٹہ یہ عقل کل کا روپ دھارے ہوئے تھے مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اپنے ہیبت آفریں چشمہ کے عقب سے جھانک رہے تھے مولانا اکبر آبادی پر حیرت

اس مجاہد جلیل کا سینہ جس انقلاب آفریں جذبات کا طوفان بنا ہوا تھا اسی سے نکلی ہوئی حریت طلبی کی ارتعاشی صدائیں مولانا احمد علی کے سامعہ میں شروع ہی سے پہنچنے لگیں اور بہت جلد سندھی مرحوم نے مولانا احمد علی مرحوم کی شکل میں ایک جیتی جاگتی شخصیت پنجاب کی سرزمین کو دیدی تھا اس طرح اہل پنجاب کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر مجاہد سندھی تک ان تصورات سے واقفیت کا براہ راست موقعہ ملا۔ اس مربوط تحریک کے ابھرے نقوش تھے پھر لاہور کی ایک گمنام مسجد سے قرآن کو اساس بنا کر جو انقلابی کام شروع کیا گیا اس پر لکھنے والے انشاء اللہ شفا بخش تفصیل پیش کریں گے۔ مجھے تو یہ عرض کرنا ہے کہ پنجاب کا وہی علاقہ جو ایک جانب فرنگی اقتدار کو مستحکم کرنے کے لئے فوجی بٹالنوں کی صورت میں ہزاروں جسمانی نوجوان پیش کر رہا تھا اور جہاں کی زمین سستی قادیان وغیرہ کے لئے زرخیز کاشت بنی ہوئی تھی۔ جو علاقہ دیوبند سے ناآشنا اور دیوبندیت سے تقریباً ناواقف تھا اسی میں جم کر نصف صدی تک قریب متنوع جلیل خدمات کا جو منظر پیش کیا گیا اسکی اس دور میں اثرات کا کون اور کیسے انکار کر سکتا ہے۔ سالانہ انجمن خدام الدین کے جلسے علمائے دیوبند کو اس پلیٹ فارم سے متعارف کرانے کی جدوجہد، تفسیر کی راہ سے انقلابی افکار و نظریات کی اشاعت، تثلیث کے تعفن سے پنجاب کی فضاؤں کو پاک کرنے کا کارنامہ، مجاہدانہ زندگی کو اپنانے کے لئے پرجوش دعوت، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ زہد و قناعت، استغناء، للہیت، حسن کردار و مثالی زندگی کے جو رخ مولانا احمد علی مرحوم سے برگشتہ منزل قافلہ کے لئے کھلے۔ اس سے دل و دماغ کی تطہیر بھی ہوئی، صفائی باطن کی دولت بھی میسر آئی، نیز تزکیۂ باطن کا ہنگامہ بھی برپا ہوا اور تجلیۂ روح کے لئے قافلے آمادہ سفر بھی ہوئے۔ اسلام و ایمان کے مرکب اسی حسین مرقع میں حلم صدیقی، جلال فاروقی، غنائے عثمانی، شجاعت اسد اللہی اور فقر بوذری کے انوار و تجلیات جگمگا رہی ہیں اور انہی اجزاء سے تیار کرنے والا ایک مرد حق آگاہ وعالم ربانی کی تصویر تیار کر سکے گا۔

مگر عرض ہے کہ مرحوم سے رابطہ نہ ہونے کی بنا پر اس حقیر تحریر میں جو کمی و خامی ہے، اسے راقم الحروف کی معذرت کے پس منظر میں دیکھ کر شریفانہ عفو و صفح سے محروم نہ رکھا جائے۔ میرا یقین ہے کہ پنجاب ہی نہیں بلکہ پورا ہندوستان بشمول پاکستان ذرہ ذرہ مرحوم کی جانب سے حقیقت فیوض حلقہ کے لئے یہ صادقانہ اعلان کر رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم   تعبیر ہے جس کی حسرت و غم اے ہم نفسو وہ خواب ہیں ہم

کا غلبہ تھا کہ دفعۃً ایک برہنہ سر جو برہنہ پا، گریبان چاک، چہرہ طویل و عریض داڑھی، پیشانی کے سامنے کا حصہ فارغ البال، عقابی آنکھوں کا مالک بغیر سلام کلام مجلس میں آدھمکا عجیب بات تھی کہ مجلس کے آداب سے اس ناآشنا انسان کے لئے دیکھتے ہی پوری مجلس سرو قد ہو گئی اکابر نے مسند صدارت چھوڑ دی اور لکھنوی تکلف کو درمیان میں لائے بغیر خود یہ کہنہ سال گاؤ تکیہ سے پشت لگا کر بیٹھ گیا ہی نہیں بلکہ ارباب دین و دانش اس کے سامنے زانوئے ادب تہہ کر کے بیٹھ گئے آنے والے نے عقابی نظریں پوری مجلس پر ڈالیں اور گفتگو کا آغاز اس طرح کیا مولوی حسین احمد کو گالیاں دینے والا فلاں اخبار کا ایڈیٹر قتل کر دیا گیا اور شیخ الہند کو گرفتار کرانے والا اب تک دارالعلوم میں موجود ہے میں نے روس سے تین بموں کی بات کرلی ہے ان میں سے ایک دارالعلوم پر گرایا جائیگا اور ایک خانقاہ ... پر بتیسرا کہم کے لئے بیان کردہ نشانہ خاکسار کو یاد نہیں رہا تقریر بلکہ یہ اعلان جنگ اپنے شباب پر تھا کہ اچانک اس جبرئیل نے اپنی جیب سے سفری دسترخوان کا دانہ نکالا اور اسے کھانا شروع کر دیا۔

اب کیا عرض کروں کہ اپنے بچپن کی بنا پر اس نو وارد کی اس ادا میں میرے لئے کتنی دلچسپی تھی آنیوالا ٹکٹکی باندھ کر مجھے بھی دیکھ

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی

از — مدیر

کمالات و ملفوظات

(ماخوذ از کمالات رحمانی)

مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی کی تشریف آوری –

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کی کھلی کرامت یہ تھی کہ بڑے بڑے علماء جن کی نظیر نہ تھی، آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے چنانچہ لکھنؤ کے مشہور صاحب تصنیف عالم حضرت مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی بھی آپ کی زیارت کے لئے تشریف لائے آپ ان کی آمد سے بہت خوش ہوئے اور فرمایا تم نے ہدایہ (فقہ حنفی کی بلند پایہ کتاب جو درس نظامی کی انتہائی کتاب ہے) کا حاشیہ لکھا ہے، تم ہمارے پاس ہماری چارپائی پر بیٹھو۔ پھر فرمایا، بھلا یہ تو بتاؤ تم نے راستہ میں قصر نماز کیوں نہیں پڑھی؟ تم تو بڑے فقیہ ہو ہدایہ کا حاشیہ اور بہت سی کتابوں کی شرحیں لکھی ہیں، اس کی وجہ بتاؤ – مولانا فرنگی محلی کو بڑا تعجب ہوا کہ میرے اور خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ میں نے کے رکعت پڑھی ہیں۔ احساس ہوا کہ حضرت کو کشف ہوا۔ پھر فرمایا میں بوڑھا ہوں اور تم جوان مگر تمہاری تعظیم کرتا ہوں جیسا کہ حضرت عباسؓ نے، بسبب علم کے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کی تعظیم کی تھی مولانا فرنگی محلی نے عرض کیا۔ میں سندیلہ کے ارادے سے لکھنؤ سے چلا – پھر سندیلہ پہنچکر یہ ارادہ ہوا کہ آپکی زیارت کو گنج مرادآباد حاضر ہوں۔ یہ دونوں مقام الگ الگ کرکے، قابل قصر نہیں ہیں۔ اس لئے نماز قصر نہیں کی۔ حضرت نے فرمایا بھائی تم تو بڑے آدمی ہو محشی ہدایہ ہو۔ مجھ کو تو پڑھے ہوئے ساٹھ ستر برس ہوگئے مگر مجھے یاد ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ دو سفر جوڑنے سے اگر اتنی مسافت ہو جائے جس میں قصر ہوتا ہے تو قصر کرنا چاہیے۔ مولانا فرماتے تھے کہ مکان پر آکر جب میں نے کتابوں کو دیکھا تو مفتیٰ بہ (جس پر فتویٰ دیا گیا ہے) قول یہی نکلا کہ ایسی صورت میں نماز قصر پڑھنی چاہیے۔ ان کے جانے کے بعد بھی حضرتؒ نے مولانا قدس سرہٗ کی بڑی تعریف کی۔ حضرتؒ کے صاحبزادہ احمد میاں صاحب نے فرمایا، کسی بڑے انگریز نے حضرتؒ سے پوچھا کہ سنیوں میں تو بڑے عالم مجتہد سمجھے جاتے ہیں آپ کے سنیوں میں کون مجتہد ہے۔ حضرت نے فرمایا مولوی عبد الحیؒ لکھنوی ہیں۔ پھر یہ شعر پڑھا۔

سرسبز ہو جو تیرا پائمال ہو
ٹھہرے تو جس شجر کے تلے نونہال ہو

حضرت محدث سہارنپوری رحؒ کی آمد

اسی طرح، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحؒ تشریف لائے تو حضرت بہت خوش ہوئے کیونکہ الجنس یمیل الی الجنس۔ آپ بھی محدث تھے اور وہ بھی محدث تھے۔ آپ نے بخاری شریف اور دوسری حدیث کی کتابوں کے حواشی لکھے تھے اور اپنے مطبع احمدی دہلی میں ان کو بڑے اہتمام سے طبع کرایا تھا۔ حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلی کے شاگرد بھی تھے اس لیے استاد بھائی بھی تھے۔ حضرت مولانا نے، اپنی طبع کرائی ہوئی بخاری شریف کا ایک نسخہ حضرت رحؒ کو نذر کیا۔ حضرت نے اسے لے لیا اور بطور کرامت جلدی جلدی ورق الٹ کر طباعتی غلطیاں بتاتے رہے۔ حضرت مولانا احمد علیؒ انہیں نوٹ کرتے، پھر احمد سہارنپوری نے غلط نامہ تیار کرکے کتاب کے ضمیمہ کے طور پر لگا دیا۔

مولانا امیر احمد صاحب کی تشریف آوری۔

یہ بزرگ کٹر غیر مقلد تھے اور مولانا عبد الکریم مراد آبادی کے استاد تھے۔ ایک بار انہوں نے مولانا عبد الکریم سے شکایتاً کہا کہ گنج مراد آبادیں کیا کرتے ہو۔ حضرت گنج مراد آبادی رحمہ نے حکم دیا کہ یہ شعر لکھ بھیجو۔

ما ہرچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم — الا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

(ہم نے جو کچھ پڑھا ہے اسے بھلا دیا ہے۔ سوائے دوست کی باتوں کے۔ جن کو دہراتے رہتے ہیں)

الغرض مولانا امیر احمد جو جامع منقول و معقول عالم اور ادیب بے نظیر تھے حاضر ہوئے۔ اور درس حدیث میں شریک ہوئے۔ ایک حدیث پر تقریر کے دوران حضرت نے فرمایا کہ اس کے مفہوم کی وضاحت کے لئے، عرب جاہلیت کے اشعار کسی کو یاد ہوں تو پڑھے۔ مولانا امیر احمد صاحب نے بارہ شعر پڑھکر سنائے۔ حضرت بہت خوش ہوئے مولانا بھی حضرت رحمہ سے بہت متاثر ہوئے۔ مرید بھی ہو گئے اور حنفی مسلک بھی قبول کر لیا۔ ہم (شاہ تجمل بہاری) نے مولانا امیر احمد سے پوچھا آپ تو امام ابو حنیفہ رحمہ کے بہت مخالف تھے۔ پھر آپ نے امام صاحب کا مسلک کیوں اختیار کر لیا۔ مولانا نے فرمایا، یہ سب کم علمی و کم فہمی کی باتیں ہیں۔۔۔ میں بھوپال جا کر نواب صدیق حسن صاحب اور مولوی بشیر الدین صاحب قنوجی کو تنبیہ کروں گا کہ ائمہ کرام کی شان میں گستاخی نہ کیا کریں۔ مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ آپ حنفی صاحبان طبقہ اولیٰ کے فقہاء کے تابع رہیے کہ ان کے مسائل میں مخالفت کو گفتگو کی گنجائش نہیں ہے۔ اور امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے استنباطات جو طبقہ ثانیہ کے فقہاء ہیں، حضرت امام اعظم کے اصول سے مستنبط ہوئے ہیں۔ ان کے فروعات میں گو اختلاف ہو مگر اصول میں سب متفق ہیں۔

مولانا سعادت حسین کی آمد:۔

مولانا سعادت حسین صاحب مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ جو مولانا محمد ابراہیم آروی (ممتاز عالم) کے استاذ تھے تشریف لائے مولوی اکرم صاحب محدث بھی ان کے ساتھ تھے۔ حضرت گنج مراد آبادی رحمہ اس وقت چادر اوڑھے ہوئے تھے آپ نے سب کو مخاطب کر کے پوچھا بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھتے وقت کونسی دعا پڑھتے تھے۔ سب خاموش رہے۔ کسی نے جواب نہ دیا۔ نہ کسی سے بن آیا۔ حضرت نے فرمایا مجھے حدیث شریف پڑھتے ہوئے ساٹھ برس کی مدت ہوئی۔ اس میں یہ دعائیں تھیں۔ پھر آپ نے کئی دعائیں معہ سند کے پڑھکر سنا دیں سب آپ کی وسعت علم اور قوت حفظ سے متاثر ہوئے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۶ کا) رہا تھا کچھ دیر بعد میں مجلس سے اُٹھا اور زینہ سے اترتا ہوا سڑک پر پہنچا تو پیچھے سے مولانا ادریس صاحب نے آواز دی دوبارہ مجلس میں گیا پر اس بوڑھے انسان نے اپنے سینے سے لگا لیا بلکہ معارف و سیاسیات کے گنجینہ سے چمٹا لیا انھیں بتایا گیا کہ میں ہی بدنام کنندۂ نکو نامے چند ان ہی مولانا انور شاہ ہوں اور مجھے معلوم ہوا کہ یہی وہ بطل جلیل ہے جسکے لئے سالہا سال سے دیدہ و دل فرش راہ تھے یعنی مولانا عبید اللہ سندھی بعد میں یہ بھی معلوم ہوا کہ اُٹھ آنے پر حضرت والا نے دریافت کیا تھا کہ یہ بچہ کس کا ہے اور تعارف ہونے پر تحکم آمیز لہجہ میں حکم دیا تھا کہ اسے بلایا جائے اب کیا عرض کروں اس یقین کے اظہار میں بھی کوئی تامل محسوس نہیں ہوتا کہ آزاد ہندوستان میں اپنی حقیر سیاسی دلچسپیاں اسی چند لمحاتی سینہ سے مس ہونے کا ایک فیضان ہیں ۔۔۔۔۔۔ جو سینہ عالمی سیاست میں پڑی ہوئی گرہوں کو کھولنے کا سلیقہ رکھتا تھا۔ پھر دلی ہی میں مجذوب سندھی کی زیارت کئی بار ہوئی وہ کبھی چاندنی چوک میں برہنہ پا گشت کرتے ہوئے اور کبھی دلی کی شاہجہانی مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے لیکن جب بھی انھیں دیکھتا تو یہ یقین بڑھتا کہ یہ بچہ اب سے چلا رہا ہے۔

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا — یا اپنا گریباں چاک یا دامن یزداں چاک

عربی خط کا ارتقاء

از غلام مرسلین صاحب ایم - اے ریسرچ اسکالر
علیگڈھ

خطاطی ایک خوبصورت فن ہے اور علوم وفنون کی ترقی ہمیشہ حکومت کے استحکام اور ثقافت وحضارت کے تابع ہوتی ہے انتشار ا
وبدامنی کے دور میں کسی فن کی ترقی ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ عربی خط کے بارے میں بھی ہم یہی دیکھتے ہیں کہ جہاں کہیں عربوں کی حکومت مستحکم
ہوئی دیگر علوم وفنون کے ساتھ عربی خط بھی فروغ حاصل ہوا اور جب حکومت کو زوال ہوا تو فن خطاطی بھی زوال پذیر ہو گیا۔

آثار قدیمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ قدیم ترین خط جس کا استعمال عرب میں ہوا وہ خط مسند ہے، اسی کو خط حمیری بھی کہا جاتا ہے۔
یمن میں تبابعہ اور ملوک حمیر کے زمانہ میں رائج تھا۔ جدید تحقیق وتفتیش سے اس خط کے متعدد کتبات اور نقوش ملے ہیں جن سے
معلوم ہوتا ہے کہ اس کے حروف منفصل یعنی الگ الگ لکھے جاتے تھے اور اس میں عراق کے خط فنیقی سے کافی مشابہت پائی جاتی
ہے اس سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ خط فنیقی ہی سے خط مسند مشتق ہوا ہے، کیونکہ قدیم زمانہ ہی سے عراق اور یمن کے درمیان بحری را
سے آمد ورفت کا سلسلہ جاری تھا۔ مصر کے اندر بھی خط مسند کا استعمال ہوتا تھا۔ انھوں نے یمن کے لوگوں سے اسے سیکھا تھا
لیکن ان کے یہاں بداوت کی وجہ سے یہ خط زیادہ اچھا نہیں تھا اور ان کے ہاں اس کا زیادہ رواج بھی نہیں تھا، کیونکہ بدوی قبائل
کو لکھنے پڑھنے کی ضرورت بہت کم ہوتی ہے۔

پھر ملوک حمیر کی حکومت کے زوال کے بعد جب شمالی عرب میں آل منذر کی حکومت قائم ہوئی تو یہی خط مسند انبار اور حیرہ میں
استعمال ہونے لگا اور یہاں اس کا نام خط انباری یا خط حیری ہو گیا اور اس میں خط آرامی اور خط سریانی کے کچھ اثرات شامل ہو گئے چنا
اس کے بعض حروف متصل یعنی ملا کر لکھے جانے لگے۔ اسی خط کو مکہ اور طائف کے بعض لوگوں نے سیکھا اور اپنے قبیلوں میں اس کو
دیا۔ پھر یہی خط اسلام کے ابتدائی زمانہ تک عرب میں استعمال ہوتا رہا چنانچہ اسی میں مصحف عثمانی بھی لکھا گیا۔

اس کے بعد حضرت عمر رض کے عہد خلافت میں جب کوفہ اور بصرہ کے شہر آباد ہوئے اور وہاں دواوین وغیرہ لکھنے کی ضرورت
تو اسی خط انباری کو وہاں بھی استعمال کیا گیا۔ پھر کوفہ میں اس کا رواج اس قدر عام ہو گیا کہ اس کو خط کوفی کہا جانے لگا اور رفتہ رفتہ اس
میں اصلاحات بھی ہونے لگیں مثلاً متشابہ حروف میں نقطوں کے ذریعہ امتیاز پیدا کیا گیا اور حرکات کے لئے بھی کچھ علامات مقرر کئے گئے
اموی خلافت کے اواخر میں اس خط کے اندر مزید اصلاحات ہوئیں اور اس میں بڑی صفائی پیدا ہو گئی۔

پھر عباسی خلافت جب بغداد میں قائم ہوئی تو وہاں علوم وفنون کو بہت فروغ حاصل ہوا اور خط کوفی میں بھی نمایاں اصلاحات ہوئیں
اس دور میں فن خطاطی کے بہت سے ماہرین پیدا ہوئے جنھوں نے عربی خط کو بہت ترقی دی۔ اس سلسلہ میں ابن مقلہ (م ۳۲۸ھ)
کا نام بہت مشہور ہے۔ اس نے عربی خط میں نمایاں تبدیلی کی۔ وہ علم ہندسہ سے بھی واقف تھا لہٰذا اس نے ہندسے کے قوانین کے مطابق
حروف کا سائز اور اس کی شکل متعین کی۔ اور عربی خط کا نام بدیع منسوب رکھا۔ ابن مقلہ نے اس خط کے مختلف اسالیب واقلام
ایجاد کئے۔ مثلاً قلم النسخ، قلم الثلث، قلم النصف، قلم الثلثین وغیرہ۔

اس کے بعد ایک عظیم خطاط ابن البواب (م ۴۱۳ھ) پیدا ہوا۔ اس نے عربی خط کو درجہ کمال تک پہنچا دیا۔ اور اس کو نہایت
حسین وجمیل بنا دیا۔ وہ مختلف اقلام میں لکھا کرتا تھا۔ مثلاً قلم الطومار، قلم النسخ، قلم الثلث، قلم التوقیع، قلم الرقاع، قلم الغبار، قلم ال

وغیرہ عباسی خلافت کے آخر میں ایک اور عظیم خطاط یاقوت المستعصمی (م۔ ۶۹۸ھ) رونما ہوا۔ یہ ابن البواب ہی کے طریقہ پر لکھتا تھا لیکن اس کا خط بہت اچھا ہوتا تھا خطاطی میں اس کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور مشرق کے خطاطین کا [illegible] کیونکہ اس کے بعد عباسی خلافت کا خاتمہ ہوگیا۔

جہاں تک مغرب اور افریقہ کا تعلق ہے وہاں ابتداء میں ایک خط رائج تھا جس کو خط افریقی کہا جاتا تھا اور وہ مشرقی خط سے [illegible] مشابہ تھا۔ پھر جب اندلس میں عربوں کی حکومت قائم ہوئی تو یہاں ایک خط رائج ہوا جس میں فرانسیسی خط کے بھی کچھ اثرات [illegible] خط اندلسی کہا جانے لگا۔ اندلسی خط کو وہاں بہت ترقی ہوئی لیکن جب اندلس میں عربی حکومت کا زوال شروع ہوا تو اس خط میں کچھ خرابی پیدا ہوگئی۔ آخر کار وہاں کے اکثر خطاط ہجرت کر کے افریقہ چلے آئے۔ انھوں نے اندلسی خط کو افریقہ اور مغرب میں [illegible] دیا۔ اس طرح خط اندلسی کو یہاں غلبہ حاصل ہوگیا اور خط افریقی کا تقریباً خاتمہ ہوگیا۔ پھر یہی خط اندلسی بعد میں خط مغربی کے نام سے [illegible]

عباسی خلافت کے زوال کے بعد عالم اسلام میں علوم و فنون کے مختلف مرکز قائم ہوئے۔ جن میں قاہرہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ یہاں فن خطاطی کو کافی فروغ حاصل ہوا بہت سے مشہور خطاط پیدا ہوئے اور عربی خط کے متعدد جدید اقلام وجود میں آئے مثلاً خط دیوانی۔ خط ہمایونی اور خط تعلیق وغیرہ۔

مغرب میں ایران میں بھی عربی خط کو ترقی حاصل ہوئی اور یہاں بھی کچھ نئے اسالیب رونما ہوئے مثلاً خط نسخ اور خط تعلیق کو ملا کر ایک نیا اسلوب وضع کیا گیا جس کو نستعلیق کہا جاتا ہے۔

اب آجکل زیادہ تر خط نسخ، خط ثلث اور خط نستعلیق اور ایضں کے مختلف اسالیب و اقلام کا استعمال عرب ممالک میں ہوتا ہے۔

(بقیہ صفحہ ۲۴ کا) ہاں یہ کر سکتا ہے کہ مامورات کو ان کے شرائط کے ساتھ ادا کرکے اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی اور اس پر ثمرات مرتب ہونے کی امید کرے۔ پس انسان جب اعمال کرتا ہے اور اخلاص کے ساتھ کرتا ہے تو محققین اسی کو بطور ظن کے کہہ دیتے ہیں کہ رضا حاصل ہے۔ پس اس کا یہی درجہ ہے۔ کیونکہ حقیقت حال کو آخرت ہی میں معلوم ہوگی وہی اس کے ظہور کا مقام ہے۔ دنیا میں اس کا یقین نہیں کیا جا سکتا۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابہ سے ملاقات کی سب نفاق کا اپنے اوپر خوف کرتے تھے حالانکہ یہ وہ حضرات تھے کہ ان کو دنیا میں بھی قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ کی بشارت مل گئی تھی۔

اعمالِ صالحہ اور رضاءِ خداوندی

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رح

مندرجہ ذیل مضمون حضرت مرشدی مولانا شاہ وصی اللہ الہ آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مکتوب گرامی ہے، جو آپ نے اپنے ایک مسترشد مجاز کو تحریر فرمایا۔ اس میں آپ نے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رح کے ایک ارشاد کی عارفانہ وضاحت فرمائی ہے۔

اس مضمون کے لئے ہم مولوی احمد منصور صاحب ابن ڈاکٹر محمد ظفر صاحب مجاز حضرت الہ آبادی (اردلی بازار بنارس) کے دل سے شکر گذار ہیں۔ (مدیر)

حضرت مولانا تھانویؒ کا ارشاد جو آپ نے نقل کیا ہے کہ "جب عمل صالح میں لگے رہو رضا حاصل ہے اور جب رضا حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے۔ وصال ہو یا نہ ہو کیفیات ہوں یا نہ ہوں" اس میں اتنا اور ملا لیجئے کہ — بشرطیکہ عمل میں خلوص ہو اور معاصی سے اجتناب ہو ظاہری معاصی ہوں یا باطنی —

یہ اس لئے کہتا ہوں کہ حضرتؒ نے اس بات کو اپنے مواعظ وغیرہ میں کثرت سے بیان فرمایا ہے اور لوگوں نے اس کو بہت ہی پسند کیا ہے۔

چنانچہ آپ نے بھی کتاب میں سے اسی عبارت کا انتخاب فرمایا۔ لیکن میرا خیال یہ ہے کہ حضرتؒ کے منشاء کو کم ہی لوگوں نے سمجھا ہوگا۔ اور حضرت والا کے منشاء کے خلاف دوسرے معنی اس سے مراد لینے میں آدمی طریق سے بہت ہی دور ہو جائیگا۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ کیفیت کا اطلاق دو معنوں پر آتا ہے۔ ایک تو یہ کہ عبادت وغیرہ کرنے کی وجہ سے انسان کو کچھ ایسا سرور اور ایسی مستی سی ہو جائے کہ ماسوا کا ہوش نہ رہے۔ نہ وساوس آویں اور نہ خطرات ہی اس کو پریشان کریں بس ایک کیفیت طاری رہے۔ اور یہی وہ معنے ہیں جس کے متعلق حضرت نے فرمایا کہ مطلوب نہیں ہیں اور نہ مقصود ہیں۔ مقصود رضا ہے۔

لیکن دوسرے معنے کیفیات کے قلبی احوال مثلاً محبت۔ خشوع خضوع۔ اور خوف وغیرہ کے بھی ہیں۔ تو ان کا یہ حکم نہیں ہے کہ یہ مطلوب و مقصود نہیں۔ بلکہ یہ سب شرعاً مطلوب ہیں چنانچہ محبت کے متعلق تو صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ یہ فرض ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی محبت کی دو قسمیں ہیں۔ فرض اور مستحب۔ پس فرض تو وہ محبت ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کے امتثال پر اور اس کے معاصی سے اجتناب پر انسان کو ابھارے۔ اور اس کی تقدیر پر راضی رکھے۔ چنانچہ جو شخص حرام کا ارتکاب کرے یا واجب ترک کرکے کسی معصیت کا مرتکب ہوتا ہے تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں کمی ہوتی ہے۔ اسی سبب سے وہ اپنے نفس کی خواہش کو مقدم کرتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کی تحصیل فرض ہے نیز اس کا مطلوب ہونا اس سے بھی معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ارشاد فرماتے ہیں کہ اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور جو آپ سے محبت رکھتا ہے اور جو عمل کہ آپ کی محبت سے قریب کرنے والا ہے اس کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے میرے نفس میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب کر دے۔ اے اللہ مجھے اپنی محبت بخش اور اس شخص کی محبت عطا فرما جس کی محبت میرے لئے آپ کے نزدیک نافع ہو۔

ان سب روایات کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت کا حاصل کرنا ضروری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سب ارشادات درحقیقت شرح و تفسیر ہیں حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّى يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ۔

ترجمہ۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بیویاں اور قبیلہ والے لوگ اور وہ اموال جن کو تم نے جمع کر رکھا ہے اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم اندیشہ کرتے ہو اور وہ مکانات جو تمہیں خوش آتے ہیں (یہ سب چیزیں) تم کو اللہ اور رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) لے آوے۔

جس میں تصریح ہے کہ ان مذکورہ امور کا اللہ و رسول سے احب (زیادہ محبوب) ہونا ممنوع ہے اور اسی سے نکلا کہ اللہ و رسول کی نفس محبت ضروری ہے اور دیگر امور کی محبت بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ احب نہ ہونے پاویں۔

اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے اللہ! اپنی محبت کو میرے لئے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب کر دے اور اپنے خوف کو سب چیزوں کے خوف سے زیادہ کر دے اور اپنے لقاء (ملاقات) کے شوق کو غالب کر کے مجھ سے تعلقات دنیویہ کو قطع فرما دے۔

اسی طرح سے حق تعالیٰ قرآن شریف میں مومنین صالحین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ يَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ۔ وہ اس کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوف اور رجا جو قلبی کیفیات ہی ہیں یہ مطلوب ہیں اور محمود ہیں۔

غرض نصوص سے ان کیفیات کا مطلوب ہونا معلوم ہوا تو اس معنی کر تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیفیات مطلوب نہیں ہیں بس رضا مقصود ہے۔ کیونکہ جس طرح سے اول معنی کے اعتبار سے کیفیت کو مقصود نہیں کہا جا سکتا تاکہ لوگ اسی کے درپے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی فرض کی ہوئی کی ہوئی عبادت اور مشروع فرماتے ہوئے اعمال کو غیر اللہ کے لئے نہ کرنے لگ جائیں کہ یہ شرک ہوگا۔ اور صحیح طریقہ نہ ہوگا۔

اسی طرح سے کیفیت کے ثانی معنی کو بھی الگ کر دیجئے گا اور یہ کہہ کر اس کی اہمیت کم بلکہ ختم کر دیجئے گا کہ رضا مقصود ہے۔ وصال ہو یا نہ ہو کیفیات ہوں یا نہ ہوں تو سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ لوگ باطنی ترقیات سے محروم ہو جائیں گے فقط عمل کے ڈھانچہ ہی کو مقصود اور رضا کا ذریعہ سمجھ لیں گے۔ اور اس کے باطن یعنی خشوع خضوع، خلوص، محبت کی جانب التفات بھی نہ کریں گے۔ اور بالکل زاہد خشک ہو کر رہ جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت مولانا کا مقصود اس ارشاد سے ہرگز نہیں ہے کہ لوگ بس ظاہر ظاہر کو لے لیں اور باطن سے صرف نظر کر لیں یہ تو حدیث کے بھی خلاف ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ

إِنَّ اللَّهَ لَا يَنْظُرُ إِلَى صُوَرِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ وَلَكِنْ يَنْظُرُ إِلَى قُلُوبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتے بلکہ قلوب اور نیات کو دیکھتے ہیں۔

یہاں حضرت مولانا رح کا مقصد سمجھنا چاہئے کہ اس سے کیا ہے جبکہ قلبی کیفیات خلوص۔ محبت و خشیت اور خوف سب کی تحصیل مطلوب ہے پھر ان کے حصول سے پہلے رضا حاصل ہونے کا مطلب کیا ہے؟

اس کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ رضا کے بھی مراتب ہیں۔ اعمال ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں لیکن باعتبار تفاوت خلوص کے اس پر جو مرتب ہوتی ہے وہ بھی مختلف ہوتی ہے مثلاً حضرت انبیاء علیہم السلام بھی یہی اعمال (نماز روزہ) کرتے تھے جو ہم کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی رضا جو اس پر مرتب ہوتی ہے وہ کچھ دوسرے ہی نوع کی ہوتی ہے۔ اسی طرح سے حضرات صحابہ نے بھی یہی عمل کئے۔ پھر تابعین نے کئے۔ پھر تبع تابعین نے بھی کئے۔ اور بعد میں یہ عمل کرا دلیا امت اور پھر عوام امت نے بھی یہی کئے مگر سب کی رضا الگ الگ ہوئی یعنی حق تعالیٰ کی جو رضا صحابہ کو نصیب ہوئی وہ تابعین کو نہیں ہوئی اور جو ان حضرات کو ہوئی اس سے تبع تابعین محروم رہے گویہ فرق ہر ایک کا اس کے صدق وخلوص کے تفاوت سے ہوا۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک شخص تو وہ ہے جو قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں ماہر ہے ایک رضا اس کے اس عمل پر اس کو حاصل ہوگی۔ اور ایک دوسرا شخص ہے جو اٹک اٹک کر تلاوت کرتا ہے تو اس کے متعلق بھی کہا ہی جائیگا کہ حق تعالیٰ کی رضا اس کو بھی حاصل ہے تو اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے اس قاری ماہر کے برابر ہو گیا یا اس کو مشق کرکے اور کوشش کرکے ماہر نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس کو رضا حاصل ہے۔

اسی طرح جو شخص اعمال دین کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کے امتثال (حکموں کی تعمیل) کی اس کو فکر دامن گیر ہوگئی ہے تو گو ابھی وہ باطنی اعتبار سے کامل نہیں ہوا مگر کہا یہی جائے گا کہ تم جو عمل بھی اور جس طرح بھی کر رہے ہو ٹھیک ہے حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بس اسی درجہ پر قانع رہو اور آگے ترقی نہ کرو نہیں بلکہ خلوص کا اور پھر اور زیادہ خلوص کا اس سے مطالبہ برابر ہوتا رہیگا۔ اور خود اس کو بھی ترقی کر جانے کے بعد اپنا گذشتہ عمل ناقص اور ابتر ہی معلوم ہوگا لیکن اپنے درجہ میں وہ اتنا بھی مقبول تھا اور اس پر حق تعالیٰ کی رضا مرتب تھی بہرحال ہر کیفیت کی تحصیل غیر مقصود نہیں ہے بس حضرت رح جس کو غیر مقصود فرما رہے ہیں اور سالک کو جس سے نکالنا چاہتے ہیں وہ یہ درجہ ہے جسے صاحب ترصیع نے نہایت عمدہ عنوان سے بیان فرمایا ہے۔ ان کی اس عبارت کا مطلب اور حضرت کا مطلب ایک ہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ۔

(**عبودیت کے آداب**) عبودیت کہتے ہیں وفاء عہد کو اور حفظ حدود کو اور رضا بالموجود او رصبر عن المفقود کو۔

اور اصل اس باب میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا فرمایا ہے اپنی عبادت کے لئے لہذا انسان تو پیدائشی غلام ٹھہرا۔ اور غلام کا فرض یہ ہے کہ وہ خالق کی عبادت جس جس طرح ہوئے کیے جاتی نہ اس سے عوض مطلوب ہو اور نہ اس کی کوئی غرض ہو اور رعب سو مرکی طرح نہ ہو جائے کہ اگر مالک کا خوف نہ ہو تو کام ہی نہ کرے۔ اور نہ اجیر اور مزدور کا طور اختیار کرے۔ یعنی اگر اجرت کی توقع نہ ہو تو عمل نہ کرے۔ اس لئے کہ اس نوع کی عبادت تو مطلب کی ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ کے مستحق عبادت ہیں چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ جو شخص میری عبادت میری جنت کے لالچ یا میرے دوزخ کے خوف سے کرتا ہے تو مجھے اس پر بڑی حیرت ہوتی ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے اگر میں جنت کو یا دوزخ کو نہ پیدا کرتا تو عبادت کئے جانے کا اہل ہی نہ ہوتا؟

لہذا اس طرح کی عبادت تو عارفین کے نزدیک عبادت ہی نہیں۔ رابعہ بصریہ رح کہتی ہیں لوگ اللہ کی عبادت .... جہنم کے خوف کی وجہ سے کرتے ہیں پس ان لوگوں نے تو دراصل دوزخ کو پوجا ہمارے رب کی تو پرستش نہیں کی اور انہوں نے جنت ملنے کی خاطر نماز پڑھی ہے خدا کے لئے نہیں یہ تو اس قوم کے مشابہ ہوئے جو بت کی پوجا کرتی ہیں یعنی

ارشاد فرماتے ہیں کہ اے اللہ میں آپ سے آپ کی محبت کا سوال کرتا ہوں اور جو آپ سے محبت رکھتا ہے اور جو عمل کہ آپ کی محبت سے قریب کرنے والا ہے اس کی محبت کا سوال کرتا ہوں۔ اے اللہ اپنی محبت کو میرے لئے میرے نفس میرے اہل اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب کر دے۔ اے اللہ مجھے اپنی محبت بخش اور اس شخص کی محبت عطا فرما جس کی محبت میرے لئے آپ کے نزدیک نافع ہو۔

ان سب روایات کے الفاظ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی محبت کا حاصل کرنا ضروری ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سب ارشادات در اصل شرح و تفسیر ہیں حق تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ۔

قُلْ اِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَاَبْنَاؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَاَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ۔

ترجمہ۔ آپ فرما دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بیویاں اور قبیلہ والے لوگ اور وہ اموال جن کو تم نے جمع کر رکھا ہے اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری کا تم اندیشہ کرتے ہو اور وہ مکانات جو تمہیں خوش آتے ہیں (یہ سب چیزیں) تم کو اللہ اور رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہوں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) لے آوے۔

جس میں تصریح ہے کہ ان مذکورہ امور کا اللہ و رسول سے احب (زیادہ محبوب) ہونا ممنوع ہے اور اسی سے نکلا کہ اللہ و رسول کی نفس محبت ضروری ہے اور دیگر امور کی محبت بھی جائز ہے بشرطیکہ وہ احب نہ ہونے پاویں۔

اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اے اللہ! اپنی محبت کو میرے لئے تمام چیزوں سے زیادہ محبوب کر دے اور اپنے خوف کو سب چیزوں کے خوف سے زیادہ کر دے۔ اور اپنے لقاء (ملاقات) کے شوق کو غالب کر کے مجھ سے تعلقات دنیویہ کو قطع فرما دے۔

اسی طرح سے حق تعالیٰ قرآن شریف میں مومنین صالحین کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ يَرْجُونَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُونَ عَذَابَهٗ۔ وہ اس کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خوف اور رجا جو قلبی کیفیات ہی ہیں یہ مطلوب ہیں اور محمود ہیں۔

غرض نصوص سے ان کیفیات کا مطلوب ہونا معلوم ہوا تو اس معنی کر تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ کیفیات مطلوب نہیں ہیں بس رضا مقصود ہے۔ کیونکہ جس طرح سے اول معنی کے اعتبار سے کیفیت کو مقصود نہیں کہا جا سکتا تاکہ لوگ اسی کے درپے ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ کی فرض کی ہوئی کی ہوئی عبادت اور مشروع فرماتے ہوئے اعمال کو غیر اللہ کے لئے نہ کرنے لگ جائیں کہ یہ شرک ہوگا۔ اور صحیح طریقہ نہ ہوگا۔

اسی طرح سے کیفیت کے ثانی معنی کو بھی الگ کر دیجئے گا اور یہ کہہ کر اس کی اہمیت کم بلکہ ختم کر دیجئے گا کہ رضا مقصود ہے۔ وصال ہو یا نہ ہو کیفیات ہوں یا نہ ہوں تو سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ لوگ باطنی ترقیات سے محروم ہو جائیں گے فقط عمل کے ڈھانچہ ہی کو مقصود اور رضا کا ذریعہ سمجھ لیں گے۔ اور اس کے باطن یعنی خشوع خضوع۔ خلوص۔ محبت کی جانب التفات ہی نہ کریں گے۔ اور بالکل زاہد خشک ہو کر رہ جائیں گے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت مولانا رحمہ کا مقصد اس ارشاد سے ہرگز نہیں ہے کہ لوگ بس ظاہر ظاہر کو لے لیں اور باطن سے صرف نظر کر لیں یہ تو حدیث کے بھی خلاف ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلَى صُوَرِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَنِيَّاتِكُمْ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور اعمال کو نہیں دیکھتے بلکہ قلوب اور نیات کو دیکھتے ہیں۔

لہٰذا حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد سمجھنا چاہتا ہوں کہ اس سے کیا ہے جبکہ قلبی کیفیات خلوص ۔ محبت و خشیت اور خوف سب کی تحصیل مطلوب ہے ان کے حصول سے پہلے رضا حاصل ہونے کا مطلب کیا ہے ؟

اس کے متعلق عرض کرتا ہوں کہ رضا کے بھی مراتب ہیں ۔ اعمال ایک ہی قسم کے ہوتے ہیں لیکن باعتبار تفاوت خلوص کے اس پر جو رضا مرتب ہوتی ہے وہ بھی مختلف ہوتی ہے مثلاً حضرات انبیاء علیہم السلام بھی یہی اعمال (نماز روزہ) کرتے تھے جو ہم کرتے ہیں مگر حق تعالیٰ کی رضا جو اس پر مرتب ہوتی ہے وہ کچھ دوسرے ہی نوع کی ہوتی ہے ۔ اسی طرح سے حضرات صحابہ نے بھی یہی عمل کئے ۔ پھر تابعین نے کئے ۔ پھر تبع تابعین نے بھی کئے ۔ اور بعد میں چل کر اولیاء امت اور پھر عوام امت نے بھی یہی کئے مگر سب کی رضا الگ الگ ہوئی یعنی حق تعالیٰ کی جو رضا صحابہ کو نصیب ہوئی وہ تابعین کو نہیں ہوئی اور جو ان حضرات کو ہوئی اس سے تبع تابعین محروم رہے گویہ فرق ہر ایک کا اس کے صدق و خلوص کے تفاوت سے ہوا ۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ ایک شخص تو وہ ہے جو قرآن شریف کی تلاوت کرتا ہے اور اس میں ماہر ہے ایک رضا اس کے اس عمل پر اس کو حاصل ہوگی ۔ اور ایک دوسرا شخص ہے جو اٹک اٹک کر تلاوت کرتا ہے تو اس کے متعلق بھی کہا ہی جائیگا کہ حق تعالیٰ کی رضا اس کو بھی حاصل ہے تو اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے اب یہ قاری ماہر کے برابر ہو گیا یا اس کو مشق کرکے اور کوشش کرکے ماہر نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اس کو رضا حاصل ہے ۔

اسی طرح جو شخص اعمال دین کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اوامر اور نواہی کے امتثال (حکموں کی تعمیل) کی اس کو فکر دامن گیر ہوگئی ہے تو گو ابھی وہ باطنی اعتبار سے کامل نہیں ہوا مگر کہا یہی جائے گا کہ تم جو عمل بھی اور جس طرح بھی کر رہے ہو ٹھیک ہے حق تعالیٰ کی رضا حاصل ہے مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ بس اسی درجہ پر قانع رہو اور آگے ترقی نہ کرو نہیں بلکہ خلوص کا اور پھر اور زیادہ خلوص کا اس سے مطالبہ برابر ہوتا رہیگا ۔ اور خود اس کو بھی ترقی کر جانے کے بعد اپنا گذشتہ عمل ناقص اور ابتر ہی معلوم ہوگا لیکن اپنے درجہ میں وہ اتنا بھی مقبول تھا اور اس پر حق تعالیٰ کی رضا مرتب تھی بہرحال ہر کیفیت کی تحصیل غیر مقصود نہیں ہے بس حضرت رحمۃ اللہ علیہ جس کو غیر مقصود فرما رہے ہیں اور سالک کو جس سے نکالنا چاہتے ہیں وہ یہ درجہ ہے جسے صاحب ترصیع نے نہایت عمدہ عنوان سے بیان فرمایا ہے ۔ ان کی اس عبارت کا مطلب اور حضرت کا مطلب ایک ہی ہے ۔ فرماتے ہیں کہ ۔

(عبودیت کے آداب) عبودیت کہتے ہیں وفاء عہد کو اور حفظ حدود کو اور رضا بالموجود اور صبر عن المفقود کو ۔

اور اصل اس باب میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا فرمایا ہے اپنی عبادت کے لئے لہٰذا انسان تو پیدائشی غلام ٹھہرا ۔ اور غلام کا فرض یہ ہے کہ وہ خالق کی عبادت جس جس طرح ہوئے کیے جاتی نہ اس سے غرض مطلوب ہو اور نہ اس کی کوئی غرض ہو اور جب سو ہی کی طرح نہ ہو جائے کہ اگر مالک کا خوف نہ ہو تو کام ہی نہ کرے ۔ اور نہ اجیر اور مزدور کا طور اختیار کرے ۔ یعنی اگر اجرت کی توقع نہ ہو تو عمل نہ کرے ۔ اس لئے کہ اس نوع کی عبادت تو مطلب کی ہوگی حالانکہ اللہ تعالیٰ ذات کے لحاظ کے مستحق عبادت ہیں چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ جو شخص میری عبادت میری جنت کے لالچ یا میرے دوزخ کے خوف سے کرتا ہے تو مجھے اس پر بڑی حیرت ہوتی ہے کیونکہ اس کا مطلب تو یہ ہے اگر میں جنت کو یا دوزخ کو نہ پیدا کرتا تو عبادت کے جانے کا اہل ہی نہ ہوتا ؟

لہٰذا اس طرح کی عبادت تو عارفین کے نزدیک عبادت ہی نہیں ۔ رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کہتی ہیں لوگ اللہ کی عبادت .... جہنم کے خوف کی وجہ سے کرتے ہیں پس ان لوگوں نے تو دراصل دوزخ کو پوجا ہمارے رب کی تو یہ مستحق ہیں کہ اور انہوں نے جنت ملنے کی خاطر نماز پڑھی ہے خدا کے لئے نہیں یہ تو اس قوم کے مثل ہوئے جو بت کی پوجا کرتی ہیں یعنی

عبادت سے غیر اللہ مقصود ہو۔

یہاں تک کہ ثمرات اور نتائج اعمال طلب کرنا عبودیت کے خلاف ہے بلکہ سوء ادبی ہے اور بندہ اللہ کی محبت جتنا پاتا نہیں اس سے کہیں زائد کھو دیتا ہے۔ چنانچہ شیخ اکبر نے مواقع الاسرار میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو وجود بخشا اور اس دار دنیا کو اس کے لئے دار التکلیف قرار دیا چنانچہ یہاں اس کو کچھ احکام فرمائے اور بعض ممنوعات سے روکا پس اس کا تو وظیفہ (اگر واقعی وہ بندہ ہے) یہ ہے کہ اوامر کا امتثال کرے اور مناہی سے بچے اور اس کے لئے توفیق میں اپنے رب سے استعانت چاہے۔

اسی طرح سے عبد پر لازم ہے کہ محل کو درست کرے یعنی یہ کہ اپنے قلب میں غیر اللہ کی ربانیت کا گذر نہ ہونے دے غرض یہ ہے کہ ہمیشہ ان علائق کے قطع کرنے کی سعی کرتا رہے۔ جو اس کی عبودیت میں نقصان کا سبب بنتے ہوں۔ یہ ہے عبد کی شان۔

رہے ثمرات و نتائج اعمال تو ان کا طلب کرنا عبد کے شایان شان نہیں بلکہ وہ تو ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق صرف حق تعالیٰ کے ساتھ ہے اگر وہی چاہیں تو اس کو دنیا میں جلدی بھی دے سکتے ہیں یا چاہیں تو آخرت میں عطا فرمادیں۔ لہٰذا جب بندہ نے دار التکلیف ہی میں نتائج اعمال کو طلب کیا تو اس نے دو اعتبار سے بے ادبی کی۔ اور اس موطن (محل) کے ساتھ اس کی حقیقت کے تقاضے کے بالکل خلاف معاملہ کیا۔ (ترجمہ جمع الجواہر صہ)

دیکھئے یہاں تصریح فرمارہے ہیں کہ... اللہ تعالیٰ عبد کا خالق ہے اور انسان من کل الوجوہ عبد اللہ ہے اور اس کا وظیفہ اسی دار التکلیف میں اوامر کا امتثال اور نواہی سے اجتناب ہے اور یہ کہ کسی غیر کی ربانیۃ کو اپنے قلب میں آنے نہ دے یعنی محض حق تعالیٰ کی رضا کے لئے عبادت کرے مخلوق کی رضا، اور کوئی عوض اور غرض مقصود نہ ہو۔

چنانچہ نتائج اعمال یعنی ان پر ثمرات کا طالب ہونا اور انھیں میں ذوق و شوق و کیف و مستی و لذت و احوال سب داخل ہیں یہ عبد کے شایان شان نہیں اور نہ اس محل کے لائق ہے بلکہ یہ امر حق تعالیٰ کے جانب راجع ہے وہ چاہیں تو عطا فرمادیں مناسب سمجھیں تو نہ دیں۔ بندہ کو اس میں کچھ بھی دخل نہیں بلکہ حق تعالیٰ سے اس کو طلب کرنا سوء ادبی ہے کسی نے خوب کہا ہے ؎

تو بندگی چوں گدایاں بشرط مزد مکن ... کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

بس یہی وہ چیز ہے جس کی متعلق حضرت مولانا رح فرمارہے ہیں کہ جب عمل میں لگے ہو تو رضا حاصل ہے اور جب رضا حاصل ہے تو سب کچھ حاصل ہے۔ وصال ہو یا نہ ہو۔ کیفیات ہوں یا نہ ہوں۔ اور میں نے اسی میں اتنی قید اور لگادی کہ عمل ہو اور عمل میں خلوص بھی ہو۔ اور معاصی سے اجتناب ہو ظاہری معاصی اور باطنی (ریا۔ عجب۔ کبر۔ حسد۔ وغیرہ) سے بھی اور یہ ظاہر ہے کہ جب خلوص قلب میں آجائے گا تو اور چیزیں مثلاً خشیت۔ خوف۔ محبت۔ رجاء وغیرہ سب چیزیں پیدا ہوجائیں گی۔ اور جب یہ فضائل آجائیں گے تو رذائل کا ازالہ ہو جائیگا جو کہ باعث ہوتے تھے ارتکاب معاصی کے چنانچہ آدمی معصیت سے بھی اجتناب کرے گا تو اب اس کے بعد رضاء الٰہی کے حصول میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

لیکن یہاں اتنی بات اور سمجھ لیجئے کہ یہ دنیا تو دار العمل ہے۔ ایمان کا نماز کا روزہ کا زکوٰۃ کا اسی طرح سے خوف و رجاء اور خشیت کا اور شکر و صبر۔ اور اخلاص کا ہم کو حکم دیا گیا ہے اسلئے امتثال (تعمیل حکم) واجب ہے" اور مومن کی نیت ان سب کے کرنے میں رضاء حق کی ہونی چاہیے۔

اب کوئی شخص یہ تو کریگا نہیں کہ معاذ اللہ منہیات (ممنوعات) کا ارتکاب کرکے اس پر رضاء حق کی توقع [illegible]

(بقیہ مضمون [illegible])

مرتبہ زبیر عالم ساجد صدیقی
ایم اے فاضل دیوبند

ارشاداتِ حلیم الامت معہ تشریحات

بُرے خیالات: - قلب کی مثال شاہی سڑک کی سی ہے جس پر امیر غریب شریف رذیل سب چلتے ہیں کسی کا حق نہیں کہ دوسرے کو روکے اگر چمار اور بھنگی بھی چل رہے ہوں تو ہرج ہی کیا ہے وہ اپنے راستے جا رہے ہیں۔ یہ اپنے راستے چلتا رہے اسی طرح قلب کی ساخت ہی منجانب اللہ اس طرح کی واقع ہوئی ہے کہ اس میں اچھے بُرے سبھی قسم کے خیالات کا ورود ہوتا رہتا ہے کسی کو اس مطالبہ کا حق نہیں کہ میرے قلب میں اچھے ہی اچھے خیالات آیا کریں بُرے خیالات بالکل آویں ہی نہیں۔ اگر بلا اختیار بُرے خیالات آتے ہیں تو کیا ڈر ہے ہاں قصداً بُرے خیالات نہ لائے نہ قصداً ان کو باقی رکھے اور پہلے اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے کام میں لگا رہے خطرات منکرہ (بُرے خیالات) کی طرف التفات ہی نہ کرے۔

تشریح: - یعنی ان بُرے خیالات کو بُرا سمجھتا رہے اور انہیں دور کرنے کی کوشش کرتا رہے۔ یہ بھی ایمان کی بات ہے مسلم شریف کی حدیث ہے کہ کچھ لوگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا بعض وقت ہمارے دلوں میں ایسے خیالات آتے ہیں جنہیں زبان سے نکالنا ہم بڑی بات سمجھتے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کیا تم کو ان کی بُرائی کا احساس ہوتا ہے۔ انہوں نے عرض کیا ہاں۔ حضور نے فرمایا یہ تو صریح ایمان کی بات ہے ظاہر ہے کہ اگر ایمان نہ ہوتا تو یہ باتیں بری ہی نہ معلوم ہوتیں)

نفس اور رذائل: - نفس کی ساخت ہی ایسی رکھی گئی کہ رذائل سے خالی نہ ہو چنانچہ کم وبیش رذائل سب میں موجود ہیں الا ماشاء اللہ لیکن جب تک وہ رذائل قوت سے فعل میں نہ لائے جائیں اور ان کا ظہور بذریعہ صدور اعمال (عملی طور پر) نہ ہو کوئی مواخذہ نہیں جیسے دیا سلائی میں سب مادے جل اٹھنے اور بھڑکنے کے موجود ہیں لیکن اگر اس کو رگڑا نہ جائے تو بچا ہے جیب میں لئے پھرئیے کوئی اندیشہ نہیں ہاں اس کی ہر وقت سخت احتیاط بھی ضروری ہے کہ رگڑ نہ لگنے پائے۔

تشریح: - بے شک اللہ تعالیٰ نے نفس انسانی میں جس طرح فضائل کا مادہ رکھا ہے اسی طرح رذائل کا بھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انسان کو جہاں عملی طور پر ان مادوں کو ظاہر وصادر کرنے اور نہ کرنے کی قوت بخشی ہے وہاں یہ بھی طاقت دی ہے کہ ان میں سے کسی ایک کو نشوونما دے یا اسے پامال کر دے۔ شرکی دیا سلائی کے مسالہ ہی کو ہلکا کر دیا جائے تو اس کے بھڑک اٹھنے کا امکان خود بخود کم ہو جاتا ہے۔ یہی حقیقت قرآن کریم میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس)

(قسم ہے نفس انسانی اور اس کی کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ٹھیک ٹھیک بنایا۔ پھر اس میں بدی اور پرہیزگاری کے دونوں مادے رکھ دیئے بے شک جس نے بدی کے مادہ کو مضمحل کرکے، نفس کو سنوار لیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اسے ابھار کر نفس کو خاک میں ملا دیا وہ ناکام ہوا)

زہد: - زہد لذتوں کو چھوڑنے کا نام نہیں بلکہ محض لذتوں کا کم کر دینا زہد کے لئے کافی ہے یعنی لذات میں انہماک نہ ہو کر

حالت دل اللہ کا شکر ہے کہ جو چیز کھانی چاہیے وہ چیز منگائی جا سکے گی کے چاول اچھے ہیں تو وہاں سے چاول آ رہے ہیں کہیں اعلیٰ مشہور ہے تو کب سے ہیں کہ ملک ہندوستان سے بالائی لیتے تھے غرض کہ نفیس نفیس کھانے اور کپڑوں کا شکر بھی کیے رہتا یہ البتہ زہد کے منافی ہے ورنہ اگر بلا تکلف اور بلا اہتمام نفیس کے لذات میسر آجائیں تو یہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے شکر کرنا چاہیے اس طرح بہت کم کھانا بھی زہد نہیں ہے نہ یہ مقصود ہے کیونکہ بہت کم کھانے سے نعوذ باللہ کوئی مرض لگ جاوے تمام قوت جسم تھوڑا ہی جمع ہو جائے گی۔ یہ تھوڑا ہی کھایا جائے گا کہ برے خیر خواہ سمجھتے ہیں کہ پوری تنخواہ بھی نہیں لیتے وہاں ان باتوں کا کیا پرواہ ہے وہاں اتنا بھی نہ کھاوے کہ پیٹ میں درد ہو جائے عبادت مشکل ہو جائے ہمارے حضرت حاجی صاحب کا تو یہ ملفوظ تھا کہ نفس کو خوب آرام سے رکھو لیکن اس سے کام بھی خوب لے

(تشریح :۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جائز طریقہ پر مل جائیں تو ان کو کام میں لائے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے نہ میسر آئیں تو صبر کرے۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے قلب کا رشتہ باری تعالیٰ سے منقطع نہ ہونے پائے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن)

غصہ :۔ امام شافعی کا مقولہ ہے مَنِ اسْتُغْضِبَ فَلَمْ يَغْضَبْ فَهُوَ حِمَارٌ وَمَنِ اسْتُرْضِيَ فَلَمْ يَرْضَ فَهُوَ شَيْطَانٌ یعنی جس کو غصہ دلایا جاوے (مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاوے جو فطرت سلیمہ کے تقاضہ سے غصہ کا موجب ہو) اور پھر بھی اس کو غصہ نہ آوے تو وہ گدھا ہے۔ اور جس کو راضی کیا جاوے یعنی اپنی کوتاہی کا تدارک کر کے اس سے معافی چاہی جائے) اور پھر بھی راضی نہ ہو تو (چونکہ یہ علامت ہے غایت تکبر کی اس لئے) وہ شیطان ہے۔

تشریح :۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان میں جتنی خصلتیں رکھی ہیں وہ اگر اپنے موقع و محل پر صحیح طور پر استعمال کی جائیں تو سب خیر ہیں۔ خرابی غلط اور بے محل استعمال سے پیدا ہوتی ہے۔ غصہ کا بھی یہی حال ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے اہل و عیال کو مثلاً منکرات میں مبتلا دیکھے اور غصہ نہ کرے تو یہ نادانی اور بے حیائی کی بات ہے۔

ہمارے دینی مدارس

اور ان کا نظام تعلیم

(گذشتہ سے پیوستہ)

فقدانِ استعداد اور اس کا سبب :-

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی کو شکایت ہے:-

"ان مدارس کا جو اصل مقصد تھا وہ بہت مدت پہلے نظر انداز ہو گیا ہے اور اس کے بجائے ان کے موجودہ نظام کا چلانا اور نصابی کتابیں پڑھنا ہی اصل مقصد بن گیا ہے۔"

مجھے عرض کرنا ہے کہ اگر یہ مقصد ہی حاصل ہو جاتا تو غنیمت تھا۔ ان مدارس سے نکلنے والے طلباء اگر استعداد علمی لے کر ہی نکلتے اور درس و مطالعہ کے ذوق سے محروم نہ ہوتے تو امید کی جا سکتی تھی کہ علومِ دینیہ سے مزاولت کی برکت سے عمر کے کسی نہ کسی حصہ میں خلوص و للہیت کے ساتھ دین و ملت کی خدمت کا جذبہ بھی پا لیں گے اور صبح کا بھولا شام کو واپس آ جائے گا۔ مگر یہاں تو اکثر حالت یہ ہے کہ آٹھ آٹھ دس دس سال گزارنے کے بعد بھی طلباء کی اکثریت اس قابل نہیں ہوتی کہ کسی عربی کتاب کا ایک صفحہ بھی اعراب کے لحاظ سے صحیح پڑھ سکے۔ اور اس قابل ہوں تو کیونکر ہوں؟ جب تحصیل علم بھی رسمیت کے معاملہ کو تو چھوڑیے) مقصد نہ رہا بلکہ مطمح نظر وقت گزاری ہوا و مدرسہ کے قواعد کے تحت، کسی نہ کسی طرح امتحان پاس کر لینے ہی کی ضرورت رہ گئی۔ یہ ضرورت پوری کرنے کی بھی نئی صورتیں پیدا ہو گئیں۔ میزان سے لے کر جلالین تک کے اردو ترجمے چھپ چھپ کر بکنے لگے۔ اور طلباء کے ان طبقوں میں ہاتھوں ہاتھ لئے جانے لگے۔ ان ترجموں نے طلباء کو علم کے راستہ میں ہر قسم کی زحمت سے بچا لیا۔ (واضح رہے کہ عوام کو دین سے آشنا کرنے کے لئے کتب حدیث و فقہ کا ترجمہ کرنا اور بات ہے اور طلبا کو امتحان پاس کرانے کے لئے خاص درسی کتابوں کا ترجمہ کرنا اور بات)

کئی سال کا عرصہ ہوا جب یہ وبا علمی پھیلنی شروع ہوئی تو ایک علمی مرکز کے مرحوم پبلشر سے جو خاکسار سے بے تکلفانہ تعلقات رکھتے تھے، میں نے شکایتاً کہا کہ "آپ نے درسی کتابوں کے ترجمے شائع کر کے طلباء کی استعداد کو بڑا نقصان پہنچایا ہے۔ آپ اسے بند کر دیجئے۔" انہوں نے جواب دیا کہ "میں تو تب ہی شائع کرتا ہوں جب مدرسہ کے علماء یہ ترجمہ کر کے دیتے ہیں، میں تو جاہل ہوں، اگر اس سے طلباء کا نقصان ہوتا ہے تو علماء اس کام میں میری امداد کیوں کرتے ہیں؟" میں اس کا جواب نہ دے سکا۔

چھوٹے مدارس کا حال زبوں :-

چھوٹے مدارس جو ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے ہیں ان کے حالات اس سے بھی بدتر ہیں۔ تقسیم ہند سے قبل

ہمارے عربی مدارس کے طلباء کی اکثریت بنگال اور پنجاب و سرحد کے صوبوں سے آتی تھی تقسیم کے بعد بنگال
میں چلے گئے اور وہاں سے طلباء کی آمد بند ہو گئی مدارس عربیہ میں داخلہ کے امیدوار پہلے دارالعلوم دیوبند،
سہارنپور، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء جیسے مرکزی مدارس میں داخلہ لینے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ جب انہیں وہاں
جگہ نہیں ملتی تو دوسرے چھوٹے مدرسوں کا رخ کرتے ہیں۔ قبل تقسیم چونکہ ہزاروں کی تعداد میں طلباء بڑے مدرسوں
آتے تھے اس لئے کم از کم علمی حیثیت سے سختی سے امتحان داخلہ میں ان کو جانچنے کا موقعہ ملتا تھا۔ اور ذی استعداد طلباء
کی معقول تعداد ان مدارس کو حاصل ہو جاتی تھی۔ باقی طلباء ملک کے دوسرے چھوٹے مدرسوں میں پھیل جاتے تھے
ان کا بھرت بھی پورا ہو جاتا تھا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ طلباء کی اکثریت ان بڑے مدرسوں ہی میں کھپ جاتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک طرف تو
مدارس کا وہ معیار علمی باقی نہ رہا جو پہلے تھا اور دوسری طرف چھوٹے مدرسوں کو طلبہ میسر نہیں آرہے ہیں۔ جو تھوڑے بہت
طلبہ چھوٹوں کی حیثیت سے رہ جاتے ہیں انہوں نے اپنی کمیابی سے فائدہ اٹھانا شروع کر دیا ہے اور اپنے آپ کو نیلام پر چڑھا دیا
ایک مدرسہ عربی کے ناظم صاحب نے مجھ سے بیان کیا مدرسہ میں داخل ہونے والے باقاعدہ سودا کرتے ہیں کہتے
کہ فلاں مدرسہ میں ہم کو اتنا وظیفہ اور کھانا ملتا ہے آپ کیا دیں گے؟ اب چونکہ مدرسہ کو بہر حال خالی نہیں رکھنا ہے
ان کے مطالبات پورے کر دئے جاتے ہیں۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا مگر اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ ان طلبا کو کسی تعلیمی یا اخلاقی کوتا
تنبیہ نہیں کی جا سکتی۔ ذرا سختی کی اور بھاگے پھر چونکہ مدارس کسی تنظیم کے تحت نہیں اس لئے ایک مدرسہ سے نکلے ہوئے طلبہ
مدرسوں میں ہاتھوں ہاتھ لئے جاتے ہیں۔

ایک دوسرے عربی مدرسہ کے مہتمم صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ ہم نے ایک طالب علم کو اپنے مدرسے نکال دیا تھا مگر فو
فلاں مدرسہ کے صدر مدرس صاحب نے اسے داخل کر لیا۔ ہمارے ہاں وہ مشکوۃ پڑھتا تھا مگر وہاں اسے دورۂ حدیث
کر لیا گیا۔"

ظاہر ہے اس قسم کے پیشہ ور طلباء سے دین و علم کی کسی خدمت کی کیا توقع ہو سکتی ہے بلکہ دین اور علم سے ان کو حصہ ہی کیا

مقامی طلبا پیدا کیجئے:-

میں نے ناظم صاحب سے عرض کیا کہ آپ اپنے شہر سے طلباء پیدا کرنے کی کوشش کیجئے۔ چند معاملات کرنے سے ذرا
کے ساتھ اہل شہر سے ان کے بچے مانگئے۔ ہمارے اطراف میں پیشہ ور برادریاں انصار و قریش و ماہی گیر وغیرہ ماشاء اللہ تمام بلاد
کے برخلاف ابھی دین سے لگاؤ رکھتی ہیں مسجدیں بھی زیادہ تر انہی سے آباد ہیں اور وعظ کی مجلسوں میں بھی وہی نظر آتے ہیں
دینی تعلیم کے مکاتب بھی انھوں نے کثرت سے کھول رکھے ہیں۔ اگر قرینہ کے ساتھ سمجھایا جائے تو ان برادریوں سے اتنے بچے
مل سکتے ہیں کہ مقامی مدرسے آباد ہو جائیں۔ اور بیرونی پیشہ ور طلبہ کی ضرورت باقی نہ رہے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ یہ مقا
اپنے علم سے اپنے شہر کو مستفید کر سکیں گے اور حصول تعلیم کے بعد ہمیشہ کے لئے رخصت نہ ہو جائیں گے۔

تقسیم نصاب کی ضرورت:-

مگر اس سلسلہ میں ضرورت اس بات کی ہے کہ نصاب کو مختصر کیا جائے خاکسار نے کافی غور و فکر کے بعد یہ رائے قائم کی
...... ہمارے عربی مدارس کے نصاب کے دو حصے ہونا چاہئیں۔ پہلا حصہ صرف و نحو ابتدائی ادب فقہ کی مختصر متوسط

[illegible] .... یہ ختم ہو جانا چاہئے۔ یہ حصہ چار سال کی مدت میں ختم ہو۔ دوسرا حصہ علوم مذکورہ [illegible] متعلقہ کی انتہائی کتب پر مشتمل ہو۔ اسی میں دورہ حدیث کی کتابیں آجائیں۔

چھوٹے مدرسوں میں صرف نصاب کے حصہ اول کی تیاری کرائی جائے۔ دوسرے حصہ نصاب کو ملک کے مرکزی مدارس کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ اہل علم و اصحاب نظر اس کے فوائد پر بادنیٰ تامل واقف ہو سکتے ہیں۔ فی الحال اس کی تفصیل مقصود نہیں ہے یاد آتا ہے حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی نے بھی ایک مختصر نصاب مرتب فرمایا تھا۔ مگر وہ رائج نہ ہو سکا۔ آج بھی چھوٹے مدارس کے ارباب درس و انتظام کو اس پر قانع کرنا آسان نہیں ہے۔ مگر بہر حال وقت کی یہ اہم ضرورت ہے جس پر چھوٹے مدارس کی افادیت بلکہ بقا کا انحصار ہے۔

ارباب مدارس سے :-

مضمون طویل ہو گیا اور گفتگو کے کئی گوشے باقی رہ گئے۔ خصوصاً بحث کا وہ پہلو جو مدارس کے منتظمین اور اساتذہ کرام سے متعلق ہے اور جس کی طرف مولانا نعمانی نے اپنے مضمون میں اشارہ فرمایا ہے۔ میں خود اپنے لئے تو اس پہلو پر لب کشائی کرنا خلاف ادب ہی سمجھتا ہوں اور دوسرے دوستوں کے لئے بھی اخبارات میں اظہار خیال خلاف مصلحت۔ تاہم اصل مسئلہ سے اس کے گہرے تعلق کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ ضرورت ہے کہ ہم لوگ خود بھی اپنے اوپر احتسابی نظر ڈال لیں اور غور کریں کہ دعوت دینی و اشاعت علم کی جو اہم ذمہ داریاں ہم نے قبول کی ہیں ہم ان کو کس حد تک پورا کر رہے ہیں اور جن کو ہم مہمان رسول کہتے ہیں۔ ان کے جائز حقوق کی ادائیگی میں ہم سے تو کوئی کوتاہی نہیں ہو رہی ہے؟ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہمیں شرمسار ہونا پڑے۔

اجتماع کی ضرورت :-

بہر حال مسئلہ کی اہمیت اور حالات کی نزاکت کا تقاضہ ہے کہ تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد اس کو اجتماعی طور پر حل کرنے کی کوشش کی جائے۔ یہی نہیں بلکہ "مدارس عربیہ دینیہ" سے متعلق دیگر اہم مسائل پر بھی غور و فکر کیا جائے مثلاً اصلاح نصاب۔ تنظیم مدارس وغیرہ۔

اس سلسلہ میں منتظمین مدارس، اصحاب بصیرت علماء اور دیگر اہل فکر و نظر بزرگان ملت کا ایک اجتماع کیا جائے اور ان مسائل کا جن پر آج ہندوستان میں دین کے وجود و بقا کا انحصار ہے۔ اخلاص و دیانت ہمت و جرأت بلند نظری و وسیع النظری کے ساتھ جائزہ لیا جائے اور پھر ایسے عملی اقدامات کئے جائیں کہ دین کے یہ چراغ جن کو ہمارے بزرگوں نے اپنے خون جگر سے روشن کیا تھا بجھ کر نہ رہ جائیں۔

تبصرہ و تعارف

نقشِ دوام

(امام العصر حضرت الاستاذ العلامہ مولانا انور شاہ کشمیری رح کی سوانح حیات اور آپ کے علمی و دینی و سیاسی افکار و نظریات کا بسیط جائزہ) از قلم زادہ صاحب زادہ محترم مولانا سید انظر شاہ مسعودی - استاد تفسیر و حدیث دار العلوم دیوبند۔ تقطیع ۲۰×۳۰/۱۸ صفحات ۴۰۳ طباعت آفسٹ کاغذ سفید چکنا اعلیٰ جلد چرمی سنہری۔ قیمت تیس روپے۔ ملنے کا پتہ: شاہ بکڈپو - دیوبند - (یو پی) — مسعود

حضرت کشمیری رح آسمان علم و عمل کے وہ آفتاب جہاں تاب تھے جس کی درخشانی و تابانی سے کوئی کور چشم ہی انکار کر سکتا ہے۔ علامہ رشید رضا مصری، علامہ زاہد الکوثری، حکیم الامت تھانوی، علامہ سید سلیمان ندوی جیسے اساطین علم نے ان کی بارگاہ فضل و کمال میں خراج تحسین پیش کیا ہے اور مولانا مناظر احسن گیلانی مولانا فخر الدین مرادآبادی، مولانا بدر عالم میرٹھی اور مولانا محمد یوسف بنوری جیسے فضلاء عصر نے ان کے سامنے زانوے ادب طے کیا ہے۔ وہ اس شعر کا مصداق تھے۔

لیس علی اللہ بمستنکر　　ان یجمع العالم فی واحد

حضرت رح کی سوانح حیات اور آپ کے علوم و کمالات پر سیکڑوں مضامین اور مقالات کے علاوہ کئی اچھی کتابیں عربی اور اردو میں لکھی جا چکی ہیں۔ تاہم اس سلسلہ کی کسی بہتر سے بہتر کوشش کو بھی حرف آخر نہیں کہا جا سکتا۔ زیر تبصرہ کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک سنہری کڑی ہے۔ اور کئی اعتبار سے اپنا امتیازی مقام رکھتی ہے۔

(۱) مؤلف فاضل حضرت علامہ کشمیری کے فرزند دلبند ہیں اور اگرچہ ان کی علمی زندگی کے آغاز سے پہلے ہی ان کے والد ماجد نے سفر آخرت اختیار فرما لیا تھا تاہم ان کو صاحب البیت ہونے کی وجہ سے وہ ماحول میسر آیا جس کے ذرہ ذرہ میں حضرتؒ کے فضائل و کمالات کے انوار منعکس تھے۔ حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ العالی نے مقدمہ کتاب میں بالکل صحیح تحریر فرمایا ہے کہ "مصنف نے اپنی اس تالیف میں ان واقعات و حالات کا امکانی حد تک احصار کیا ہے جو گھر کے کسی فرد ہی کو صحیح اور تفصیل سے معلوم ہو سکتے ہیں جن سے حضرت مرحوم کی عائلی و قبائلی علمی و عملی اور خلوت و جلوت کی پاکیزگی سامنے آجاتی ہے۔"

(۲) حضرت کے علوم و نظریات اور مختلف مباحث میں آپ کے تفردات آپ کی شخصیت کی عبقریت کو واضح کرتے ہیں ان کو صحیح طور پر سمجھنا سمجھانا خود گہری علمی نظر کا محتاج ہے۔ بفضلہ تعالیٰ صاحب زادہ محترم خود ایک جلیل القدر عالم ہیں اور دار العلوم جیسی مرکزی درسگاہ میں حدیث و تفسیر کی اعلیٰ کتابوں کا درس دیتے ہیں اس لئے اس کتاب میں حضرت شاہ صاحب کے افکار و نظریات کی توضیح و تشریح اور فکر انوری کی عکاسی میں آپ پر ہر طرح اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

(۳) مصنف فاضل، ماشاء اللہ اردو زبان کے بھی ادیب ہیں۔ ان کی تحریر میں روانی و شیرینی ہی نہیں بلکہ دیزی و رنگینی بھی پائی جاتی ہے۔ اس لئے آپ کے سجائے ہوئے تاریخی و علمی و تحقیقی دسترخوان پر ادبی و انشائی نقل سے بھی کام و دہن متلذذ ہوتے ہیں اور پڑھنے والا خشکی و افسردگی محسوس نہیں کرتا۔

(۴) اس تذکرہ کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں برسبیل تذکرہ جن علمی و دینی و سیاسی شخصیتوں کا ذکر آگیا ہے ان

... مفصل اور مختصر نوٹ بھی لکھے ہیں اور ان کی مختصر سوانح حیات بھی بیان کر دی ہے اس طرح یہ کتاب علماء عصر کا ایک مختصر تذکرہ بھی ہے۔ البتہ بعض مقامات پر رنگینی بیان نقطہ اعتدال سے متجاوز ہو گئی ہے اور تحریر میں سیرت و سوانح کی بجائے ادب و لطیفہ کا رنگ نمایاں ہو گیا ہے۔

اگرچہ صاحب سوانح کے تفردات علمیہ کے لئے کتاب کا حصہ دوم مخصوص کیا گیا ہے جو زیر ترتیب ہے تاہم اس حصہ میں بھی حسب ذیل مباحث زیر قلم آ گئے ہیں:۔

بحث العلوم فی القرآن کا مطلب۔ تفسیر بالرائے۔ اعجاز القرآن۔ مشکلات القرآن۔ ربط آیات۔ ناسخ و منسوخ۔ بحث خاتم النبیین [illegible] یاجوج ماجوج۔ اقسام القرآن۔ تحویل قبلہ۔ رویت باری تعالیٰ۔ حقیقت ایمان۔ عصمت انبیاء۔ عالم برزخ۔ دیانت قضاء۔ ائمہ حدیث اور ان کے نقاط نظر۔ تحقیق مناط۔ تخریج مناط۔ تنقیح مناط۔ الغرض کتاب جواہر علمیہ و نوادر حکمیہ کا گراں قدر ذخیرہ ہے۔ ہم مصنف فاضل کو اس عظیم علمی کارنامہ پر دلی مبارکباد دیتے ہیں اور ہر صاحب ذوق اہل علم سے، خصوصاً اکابر دیوبند سے تعلق رکھنے والے اصحاب سے پرزور درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس کے مطالعہ سے محظوظ ہوں۔ یقیناً وہ پکار اٹھیں گے۔

جادوے چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

...کات:- مرتبہ مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی۔ تقطیع $\frac{22 \times 18}{8}$ صفحات ۹۲۔ طباعت و کاغذ عمدہ مجلد مع حسین گرد پوش۔ قیمت پانچ روپے۔ ملنے کا پتہ۔ الٰہی بخش اکیڈمی۔ کاندھلہ ضلع مظفر نگر۔ (یوپی)

یہ کتاب شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ایک مکتوب گرامی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رح کے [illegible] غیر مطبوعہ مکتوبات سامیہ کا گراں قدر مجموعہ ہے۔ بزرگان دین کے خطوط محفوظ رکھنے اور ان کو کتابی صورت میں شائع کرنے کا دستور بہت قدیم ہے۔ اس سے ان بزرگوں کے فیض کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوتا۔ یہ خطوط بھی حکمت و موعظت، دعوت و ارشاد، نکات علمیہ اور واقعات تاریخیہ کا بے نظیر مجموعہ ہیں۔ حضرت گنگوہی رح کے سفر حج کے واقعات دلچسپ ہیں اور ان سے اس زمانہ کے تاریخی و جغرافیائی حالات پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ ان مکاتیب میں جن جن شخصیتوں کا ذکر آیا ہے مؤلف نے ان پر تعارفی نوٹ لکھے ہیں خود یہ نوٹ بھی بڑے کار آمد اور پر از معلومات ہیں اور ان سے نوجوان مؤلف کے ذوق تحقیق کا اندازہ ہوتا ہے۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

... مقدمہ کتاب سے معلوم ہوا کہ مرتب کے والد بزرگوار حضرت مولانا افتخار حسن صاحب مدظلہ کے پاس اکابر علم و دین کے خطوط غیر مطبوعہ کا ذخیرہ موجود ہے اور یہ اس سلسلہ کی پہلی قسط ہے۔ امید ہے کہ دوسری اقساط بھی جلد شائع ہوں گی۔ ہماری رائے ہے کہ [illegible] زیادہ خطوط پر مشتمل ہوں اور حواشی صرف اہل علم پر لکھے جائیں۔ اس طرح یہ سلسلہ جلد منصہ شہود پر آسکے گا۔ کتاب کے آخر میں اشاریہ بھی ہے۔ اور کتاب میں حضرت حاجی صاحب رح اور حضرت گنگوہی رح کے دو خطوط کے فوٹو شامل ہیں۔ ہم ... سے اس کی خریداری کی پرزور سفارش کرتے ہیں۔

بیان اللسان

مکمل رجامع عربی سے اردو ڈکشنری!

مصنفہ مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

آپ کی میز پر ہونی ضروری ہے

- ——— خواہ آپ قرآنِ کریم اور حدیث شریف کو سمجھ کر پڑھنا چاہیں۔
- ——— خواہ آپ عربی زبان کے بے مثال علمی وادبی سرمایہ سے استفادہ کرنا
- ——— خواہ آپ عالم اسلام سے تجارتی ومعاشرتی تعلقات رکھنا چاہیں۔
- ……………
- ——— خواہ آپ عرب ملکوں میں ملازمت کرنا چاہیں۔
- ——— ہر حال میں آپ کو "بیان اللسان" کی ضرورت ہے۔ جو تیس سال سے دلچسپی رکھنے والے ہر طالب علم اور استاد کی لازمی ضرورت کی چیز تسلیم کی گئی ہے اور جسے حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی جیسے چوٹی کے مشاہیر اہل فضل نے دل کھول کر خراجِ تحسین ادا کیا ہے۔ اور جو اپنی بے نظیر خوبیوں کی وجہ سے بار بار چھپ کر ہاتھوں ہاتھ نکل چکی ہے۔ چند خوبیاں ملاحظہ ہوں۔

- ——— تقریباً تیس ہزار عربی الفاظ ومحاورات اس میں آگئے ہیں۔
- ——— قدیم الفاظ کے علاوہ جدید عربی کے لغات بھی اس میں شامل ہیں۔
- ——— ہر لفظ کو اپنی اصلی صورت میں لغت قرار دیا گیا ہے، مادہ تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہ
- ——— ہر لفظ پر اعراب (زیر وزبر پیش) لگا دیا گیا ہے۔
- ——— ہر واحد اسم کی جمع اور جمع کا واحد اور ہر فعل کا باب اور مصدر بتا دیا گیا ہے۔
- ——— شروع میں عربی زبان کی ضروری قواعد اور آخر میں ضرب الامثال اور عربی محاورات مع ترجمہ وتشریح

تازہ ایڈیشن بڑی انتظار کے بعد سفید کاغذ پر مضبوط اور حسین پلاسٹک کی جلد کے ساتھ ۲۰/۳۰ کے ۴۳۶ صفحات پر شائع ہوا ہے۔ قیمت ... محصول ڈاک چار روپے پہلے اپنے یہاں کے تاجران کتب سے طلب کیجئے تاکہ محصول ڈاک کی کفایت ہو۔ نہ ملنے پر اس پتہ سے طلب

منیجر مکتبہ علمیہ - قاضی منزل - قاضی اسٹریٹ میرٹھ ۔ (یوپی)

DUE DATE

Cl No. ______ Acc No. ______

Late Fine Ordinary books **25 p.** per day, Text Book **Re. 1** per day, Over night book **Re. 1** per day.

یادگار حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ

ندوۃ المصنفین دہلی کا علمی و دینی ماہنامہ

برہان

نگرانِ اعلیٰ حضرت مولانا حکیم محمد زماں حسینی

مدیرِ اعزازی
قاضی اطہر مبارکپوری

مرتب
عمید الرحمن عثمانی